حنا
نومبر 2015
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
READING
Section

ماهنامہ

جلد 37 شمارہ 11
نومبر 2015ء
قیمت -/60 روپے

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

مکمل ناول

ناولٹ

مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690 ,042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! نومبر 2015ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ دنوں ہندوستان میں اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں جو پاکستان میں رہتے ہوئے بھارتی سیکولرازم اور جمہوریت کے گن گاتے نہیں تھکتے۔ ان واقعات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ بھارت میں انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں کوئی بھی اقلیت محفوظ نہیں ہے۔ پہلے یہ سب ڈھکے چھپے انداز میں کیا جاتا تھا۔ اب مودی سرکار کے اقتدار میں آنے کے بعد کھلے عام ہو رہا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بھارت میں آر ایس ایس اور شیوسینا عوام کے مینڈیٹ پر قابض ہو چکی ہیں۔ مقبوضہ جموں وکشمیر کی اسمبلی کے مسلمان رکن انجینئر راشد کے منہ پر دہلی میں سیاہی پھینکے جانے کے بعد ان کا بیان سامنے آیا ہے کہ قائداعظم کا پاکستان بنانے کا مطالبہ درست تھا۔ یہ بیان ثابت کر رہا ہے کہ دو قومی نظریہ صائب تھا اور اگر اس نظریے کی بنیاد پر پاکستان کا قیام عمل میں نہ آتا تو انتہا پسند ہندو اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے پورے خطے کو خون میں نہلا دیتے۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک کی بھارتی تاریخ کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں مسلم دشمنی اور پاکستان کو مٹا دینے کا جذبہ محض لہجوں کے فرق کے ساتھ مشترکہ طور پر کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ بات ہمارے ان نوجوانوں اور دانشوروں کو ضرور سمجھ میں آنی چاہیے جو بھارتی فلموں، ڈراموں اور وہاں کے آزاد خیال معاشرے سے متاثر ہو کر ہر وقت ان کے گن گاتے رہتے ہیں۔

اچھی خبر:۔ جلد ہی آپ کی پسندیدہ مصنفہ اُم مریم کا نیا سلسلے وار ناول شروع کیا جا رہا ہے۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں مہمان مبشرہ انصاری، اُم ایمان اور فاطمہ خان کے مکمل ناول، ہما راؤ اور سویرا فلک کے ناولٹ، رمشا احمد، نورین شاہد، کنول ریاض اور حنا اصغر کے افسانے، سدرۃ المنتہیٰ اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

اندھیرے چیر کر ان میں اجالا تو ہی کرتا ہے
ہر ایسا کام اے اللہ تعالیٰ تو ہی کرتا ہے

شکست فاش دیتا ہے ہمیشہ تو ہی باطل کو
ہر اک موقع پہ حق کا بول بالا تو ہی کرتا ہے

جہاں میں وقت پیدائش سے لے آخری دم تک
ہر انسان اور ہر حیوان کو پالا تو ہی کرتا ہے

بسا اوقات ہم مایوس ہو جاتے ہیں گھبرا کر
ہر ایسے وقت میں مشکل کو ٹالا تو ہی کرتا ہے

زمیں پر گل شگفتہ آسماں پر نجم رخشندہ
ہے یہ کام تیرے کرنے والا تو ہی کرتا ہے

جو تو چاہے تو پتھر میں بھی کیڑے کو غذا بخشے
یہ ایسا کام انوکھا اور نرالا تو ہی کرتا ہے

یہ بزمی اور اس جیسے کروڑوں ہی بشر ہوں گے
بچا کر جن کو گرنے سے سنبھالا تو ہی کرتا ہے

کوکب مظہر خان

جب نظر کے سامنے روضہ کا منظر آئے گا
خود بخود میری زباں پر ذکر سرور آئے گا

دیکھنا ہے سایہ احمدؐ تو دیکھو عرش پر
آسماں کا سایہ آخر کیوں زمیں پر آئے گا

مجھ کو نسبت ہے محمدؐ سے نہیں دنیا کا خوف
مجھ سے ٹکرائی تو گردش کو بھی چکر آئے گا

تیرگی کو کاٹ دے گی جنبش نوک قلم
روشنی کے ہاتھ میں کرنوں کا خنجر آئے گا

آنکھ میں بھر لوں گا میں تو شربت دیدار کو
جام بھرنے جب میرا ساقی کوثر آئے گا

میں ہوں مداح نبیؐ ممکن نہیں مجھ کو زوال
دیکھنا کس اوج پر میرا مقدر آئے گا

جس کے دل میں آئے گا کوکب محمدؐ کا خیال
بخت کی تاریکیوں میں مثل خاور آئے گا

پروفیسر عنایت علی خان

سید اختر ناز

اللہ کی راہ میں

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہم لوگ دن کے شروع حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں کچھ لوگ آئے جو ننگے بدن اور ننگے پاؤں اور تلواریں گردن میں لٹکا رکھی تھیں، ان میں سے اکثر لوگ قبیلہ مضر کے تھے بلکہ سارے ہی لوگ مضر کے تھے، ان کے فاقہ کی حالت دیکھ کر آپؐ کا چہرہ مبارک بدل گیا پھر آپ گھر تشریف لے گئے (کہ شاید وہاں ان کے لئے کچھ مل جائے لیکن وہاں بھی کچھ نہ ملا، آپ نماز کی تیاری کرنے گئے ہوں گے) پھر باہر تشریف لاکر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا، انہوں نے پہلے اذان دی (ظہر یا جمعہ کی نماز تھی) پھر اقامت کہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر بیان فرمایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ:۔ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدائے تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔'' (سورۃ النساء آیت ۱)

اور سورۃ حشر میں ہے۔

ترجمہ:۔ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے۔'' (سورۃ حشر آیت ۱۸)

آدمی کو چاہیے کہ اپنے دینار، درہم، کپڑے، ایک صاع گندم اور ایک صاع کھجور میں سے کچھ ضرور صدقہ کرے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو تو اسے ہی صدقہ کردے۔''

(یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کے پاس زیادہ ہو، صرف وہی صدقہ کرے بلکہ جس کے پاس تھوڑا ہے، وہ بھی اس میں سے خرچ کرے) روای کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک انصاری ایک تھیلی لے کر آئے (وہ اتنی وزنی تھی کہ) ان کا ہاتھ اسے اٹھانے سے عاجز ہونے لگا بلکہ عاجز ہو ہی گیا تھا پھر تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا (اور لوگ بہت سامان لائے) حتیٰ کہ میں نے غلہ اور کپڑے (اور درہم و دینار) کے دو بڑے ڈھیر دیکھے، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور (خوشی سے) ایسا چمک رہا ہے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر سونے کا پانی پھیرا ہوا ہے (اس کام کی فضیلت سناتے ہوئے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرتا ہے تو اسے اپنا اجر ملے گا اور ان کے اجر میں سے کچھ کم نہیں ہوگا اور جو اسلام میں برا طریقہ جاری

کرتا ہے تو اسے اپنا گناہ ملے گا اور اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان سب کے برابر گناہ اسے ملے گا اور ان کے گناہ میں سے کچھ کم نہیں ہوگا۔"
(اخرجہ مسلم و النسائی و غیرھما کہذا فی الترغیب ۱/۵۳)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدھ کے دن قبیلہ عمرو بن عوف کے پاس تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے جماعت انصار!" انہوں نے عرض کیا۔

"لبیک یا رسول اللہ!" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"زمانہ جاہلیت میں تم لوگ اللہ کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے لیکن اس زمانہ میں تم میں یہ خوبیاں تھیں کہ تم یتیموں کا بوجھ اٹھاتے تھے، اپنا مال دوسروں پہ خرچ کرتے تھے اور مسافروں کی ہر طرح کی خدمت کرتے تھے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی دولت عطا فرما کر اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر تم پر بہت بڑا احسان کیا تو اب تم اپنے مال سنبھال کر رکھنے لگے گئے ہو (حالانکہ مسلمان ہونے کے بعد اور زیادہ خرچ کرنا چاہیے تھا کیونکہ اسلام تو دوسروں پر خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے) لہٰذا انسان جو کچھ کھاتا ہے، اس پر اجر ملتا ہے بلکہ درندے اور پرندے جو کچھ (باغوں کھیتوں وغیرہ میں سے) کھا جاتے ہیں، اس پر بھی اسے اجر ملتا ہے۔"

(بس یہ فضیلت سننے کی دیر تھی کہ) وہ حضرات انصار ایک دم (اپنے باغوں کو) واپس گئے اور ہر ایک نے اپنے باغ کی دیوار میں تیس تیس دروازے کھول دیئے۔
(اخرجہ الحاکم وصححہ کذافی الترغیب ۴/۱۵۶)

سخاوت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے جو بیان فرمایا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند فرمایا ہے، لہٰذا اسلام میں سخاوت اور حسن اخلاق کے ساتھ اچھی زندگی گزارو، غور سے سنو! سخاوت جنت کا ایک درخت ہے اور اس کی ٹہنیاں دنیا میں جھکی ہوئی ہیں، لہٰذا تم میں سے جو آدمی سخی ہوگا، وہ اس درخت کی ایک ٹہنی کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہوگا اور وہ یونہی اسے پکڑے رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچا دیں گے۔"

"غور سے سنو! کنجوس دوزخ کا ایک درخت ہے اور اس کی ٹہنیاں دنیا میں جھکی ہوئی ہیں، لہٰذا تم میں سے جو آدمی کنجوس ہوگا، وہ اس درخت کی ایک ٹہنی کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہوگا اور وہ یونہی اسے پکڑے رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں پہنچا دیں گے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا۔

"تم لوگ اللہ کی وجہ سے سخاوت کو اختیار کرو، اللہ کی وجہ سے سخاوت کو اختیار کرو۔"
(اخرجہ ابن عساکر کذافی کنز العمال ۳/۲۱۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال خرچ کرنے کا شوق

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کچھ عطا فرما دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہیں دینے کے لئے اس وقت میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، تم ایسا کرو کہ میری طرف سے کوئی چیز ادھار خرید لو، جب میرے پاس کچھ آئے گا تو میں وہ ادھار ادا کر دوں گا۔''

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسروں کو دینے کا بہت زیادہ شوق تھا)۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (از راہ شفقت) کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اسے پہلے دے چکے ہیں (اب مزید دینے کے لئے کیوں اس کا ادھار اپنے ذمے لے رہیں ہیں) جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بس میں نہیں ہے، اس کا اللہ نے آپ کو مکلف نہیں بنایا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات پسند نہ آئی۔

ایک انصاری نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ خرچ کریں اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھیں۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے، انصاری کو اس بات پر خوشی اور مسکراہٹ کے آثار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر نظر آنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اسی کا مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے۔''

(اخرجہ الترمذی کذافی البدایۃ ۶/۵۶)

خرچ کرنے سے پہلے مر جانا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے پاس کھجور کے چند ڈھیر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔

''اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ کیا ہے؟''

انہوں نے عرض کیا۔

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمانوں کے لئے یہ انتظام کیا ہے۔''

(کہ جب بھی وہ آئیں تو ان کے کھلانے کا سامان پہلے سے موجود ہو)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ کا دھواں تم تک پہنچ جائے؟ (یعنی اگر تم ان کے خرچ کرنے سے پہلے ہی مر گئے تو پھر ان کے بارے میں اللہ کے ہاں سوال ہوگا)

اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! خرچ کر دو اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھو۔''

(اخرجہ البزار باسناد حسن والطبرانی واخرجہ النعیم فی الحلیۃ ۱/۱۴۹)

سات دینار

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ بدلا ہوا تھا، مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ کسی درد کی وجہ سے نہ ہو۔
میں نے کہا۔
''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو کیا ہوا؟ آپ کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''ان سات دینار کی وجہ سے جو کل ہمارے پاس آئے ہیں اور آج شام ہو گئی ہے اور وہ ابھی تک بستر کے کنارے پر پڑے ہوئے ہیں۔''
ایک روایت میں یہ ہے کہ ''وہ سات دینار ہمارے پاس آئے اور ہم ابھی تک ان کو خرچ نہیں کر سکے۔''
(اخرجہ احمد و ابو یعلی قال الھیثمی ۱۰/ ۲۳۸، رجال حمار جال الصحیح)

نزع کے وقت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سات دینار تھے جو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رکھوائے ہوئے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اے عائشہ! یہ سونا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بجھوا دو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنبھالنے میں ایسی مشغول ہوئیں کہ وہ دینار بجھوا نہ سکیں، یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ ارشاد فرمائی لیکن ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے کے بعد بے ہوش ہو جاتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے سنبھالنے میں مشغول ہو جاتیں اور وہ دینار نہ بجھوا پاتیں۔
آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ دینار خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بجھوائے اور انہوں نے انہیں صدقہ کر دیا۔
پیر کی رات کو شام کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزع کی کیفیت طاری ہونے لگی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا چراغ اپنے پڑوس کی ایک عورت کے پاس بھیجا (جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں) اور ان سے کہا۔
''ہمارے اس چراغ میں اپنے گھی کے ڈبے میں سے کچھ گھی ڈال دو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزع کی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔''
(اخرجہ الطبرانی فی الکبیر ورواتہ ثقات محتج بھم فی الصحیح ورواہ ابن حبان ۲/ ۱۷۸)

اللہ سے ملاقات

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں مجھے حکم دیا کہ جو سونا ہمارے پاس ہے میں اسے صدقہ کر دوں، (لیکن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہی اور صدقہ نہ کر سکی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افاقہ ہوا۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''تم نے اس سونے کا کیا کیا؟''
میں نے کہا۔
''میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم بہت زیادہ بیمار ہو گئے ہیں، اس لئے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایسے لگی کہ بھول گئی۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ سونا لے آؤ۔"

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سات یا نو دینار لائیں، ابو حازم راوی کو شک ہوا کہ دینار کتنے تھے؟ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لے کر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ سے ملاقات اس حال میں ہوئی (یعنی اگر ان کا انتقال اس حال میں ہوتا) کہ یہ دینار اس کے پاس ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا گمان کر سکتے؟ (یعنی ان کی بہت ندامت ہوتی) اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ سے ملاقات اس حال میں ہوتی کہ یہ دینار ان کے پاس ہوتے تو یہ دینار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھروسے کو اللہ پر نہ رہنے دیتے۔"

(اخرجہ احمد قال الھیثمی ۱۰/ ۲۴۹)

غریب کا صدقہ کرنا

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایک آدمی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔

"اے مال والو! نیکیاں تو تم لے گئے ہو کہ تم لوگ صدقہ کرتے ہو، غلاموں کو آزاد کرتے ہو، حج کرتے ہو اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتے ہو۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"اور تم لوگ ہم پر رشک کرتے ہو۔"

اس آدمی نے کہا۔

"ہم لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں پر رشک کرتے ہیں۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"اللہ کی قسم! کوئی آدمی تنگ دستی کی حالت میں ایک درہم خرچ کرے، وہ ہم مالداروں کے دس ہزار سے بہتر ہے کیونکہ ہم بہت زیادہ میں سے تھوڑا سا دے رہے ہیں۔"

(اخرجہ البیھقی فی شعب الایمان کذافی الکنز ۲/ ۳۲۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ سخی کوئی عورت نہیں دیکھی، البتہ ان دونوں کی سخاوت کا طریقہ الگ الگ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھوڑی تھوڑی چیز جمع کرتی رہتیں، جب کافی چیزیں جمع ہو جاتیں تو پھر ان کو تقسیم فرما دیتیں اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اگلے دن کے لئے کوئی چیز نہ رکھتیں، یعنی جو کچھ تھوڑا بہت آتا، اسی دن تقسیم کر دیتیں۔

(اخرجہ البخاری فی الادب المفرد ۴۳)

☆☆☆

ابن انشا

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ

کسی ملک میں ایک تھا بادشاہ، بڑا دانش مند، مہربان اور انصاف پسند، اس کے زمانے میں ملک نے بہت ترقی کی اور رعایا اس کو بہت پسند کرتی تھی، اس بات کی شہادت نہ صرف اس زمانے کے محکمہ اطلاعات کے کتابچوں اور پریس نوٹوں سے ملتی ہے بلکہ بادشاہ کی خودنوشت سوانح عمری سے بھی۔

شاہ جمجاہ کے زمانے میں ہر طرف آزادی کا دور دورہ تھا، لوگ آزاد تھے اور اخبار آزاد تھے کہ جو چاہیں کہیں، جو چاہیں لکھیں، بشرطیکہ وہ بادشاہ کی تعریف میں ہو، خلاف نہ ہو۔

اس بادشاہ کا زمانہ ترقی اور فتوحات کے لئے مشہور ہے، ہر طرف خوش حالی ہی خوش حالی نظر آتی تھی، کہیں تل درنے کو جگہ باقی نہ تھی، جو لوگ لکھ پتی تھے، دیکھتے دیکھتے کروڑ پتی ہو گئے، حسن انتظام ایسا تھا کہ امیر لوگ سونا اچھالتے اچھالتے ملک کے اس سرے سے اس سرے تک، بلکہ بعض اوقات بیرون ملک بھی چلے جاتے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ پوچھے اتنا سونا کہاں سے آیا اور کہاں لئے جا رہے ہو۔

روحانیت سے شغف تھا، کئی درویش اسے ہوائی اڈے پر اور لینے چھوڑنے جاتے یا اس کی کامرانی کے لئے چلے کاٹتے تھے، طبیعت میں عفو اور درگزر کا مادہ از حد تھا، اگر کوئی آ کر شکایت کرتا تھا کہ فلاں شخص نے میری فلاں جائیداد ہتھیالی ہے، یا فلاں کارخانے پر قبضہ کر لیا ہے، تو مجرم خواہ بادشاہ کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو، وہ کمال سیر چشمی سے اسے معاف کر دیتے تھے، بلکہ شکایت کرنے والوں پر خفا ہوتے تھے کہ عیب جوئی بری بات ہے۔

جب بادشاہ کا دل حکومت سے بھر گیا تو وہ اپنی چیک بکس لے کر تارک دنیا ہو گیا اور پہاڑوں کی طرف نکل گیا، کچھ لوگ کہتے ہیں اب بھی زندہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

گوشت اور ہڈی

ایک کتا اور ایک گدھا اکٹھے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک لفافہ پڑا ملا گدھے نے اسے اٹھایا اور کھول کر پڑھنا شروع کیا، لکھا تھا، حامل رقعہ ہذا کو حسب ذیل چیزیں مفت دی جائیں گی۔

بھوسہ......برچارہ، چنے......

کتے نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، برادرم ذرا دیکھنا اس فہرست میں نیچے جا کر گوشت اور ہڈی کا ذکر بھی ہوگا، گدھا سارا پروانہ پڑھ گیا، اس میں کوئی ایسی چیز مذکور نہ تھی۔

کتے نے کہا، تب یہ بیکار چیز ہے، پھینک دو اسے۔

پارٹی منشوروں میں فقط گدھوں ہی کی بات نہیں ہونی چاہیے، کتوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

ہم کیوں بھاگیں

ایک خرکار جنگل میں گدھوں پر مال لادے چلا جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں کا کھٹکا ہوا، وہ گدھوں کو پکارا۔

''خطرہ! خطرہ! بھاگو، بھاگو! ڈاکو آ رہے ہیں!'' گدھوں نے کہا، تم بھاگو، ہم کیوں بھاگیں، ہمیں تو بوجھا ڈھونا ہے، تیرا ہو یا کسی اور کا ہو۔

اگر مال کے منافع میں کچھ حصہ گدھوں کا بھی ہوتا، تو وہ ہرگز ایسی بات نہ کہتے۔

متحدہ محاذ

ایک شیر اور گدھا شکار کرنے گئے انہوں نے کئی جانور مارے آخر شکار تقسیم کرنے بیٹھے، شیر نے تین ڈھیریاں بنائیں اور کہا کہ یہ ڈھیری تو جنگل کا بادشاہ ہونے کی حیثیت سے میری ہے، اور یہ دوسری اس لئے میری ہے کہ شکار میں برابر کا حصہ دار ہوں، اب رہی یہ تیسری ڈھیری، کسی میں ہمت ہے تو اٹھا لے، ہے ہمت؟

ہر متحدہ محاذ میں عموماً ایک شیر اور باقی گدھے ہوتے ہیں تقسیم شکار کی ہو یا ٹکٹوں کی، اس میں شیر کا حصہ خاص ہوتا ہے، اس پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو گدھا ہے۔

مینڈکوں کا بادشاہ

ایک بار مینڈکوں نے خدا سے دعا کی کہ یا پروردگار ہمارے لئے کوئی بادشاہ بھیج، باقی سب مخلوقات کے بادشاہ ہیں، ہمارا کوئی بھی نہیں ہے۔

خداوند نے ان کی سادہ لوحی پر نظر کرتے ہوئے لکڑی کا ایک کندہ جوہڑ میں پھینکا، بڑے زوروں کے چھینٹے اڑے، پہلے تو سب ڈر گئے، تھوڑی دیر بعد یہ دیکھ کر کہ وہ لمبا لمبا پڑا ہے ڈرتے ڈرتے قریب آئے پھر اس پر چڑھ گئے اور ناچنے لگے۔

چند دن بعد دوبارہ خداوند کو عرضی دی کہ یہ بادشاہ ہمیں پسند نہیں آیا، کوئی اور بھیج جو ہمارے شایان شان ہو۔

خداوند نے ناراض ہو کر ایک سمندری سانپ بھیج دیا، وہ آتے ہی بہتوں کو چٹ کر گیا، باقی کونوں کھدروں میں جا چھپے۔

اس حکایت کا نتیجہ قارئین کرام آپ خود ہی نکالیے، آخر آپ خود بھی سمجھ دار ہیں۔

☆☆☆

ایک دن حنا کے ساتھ

مبشرہ انصاری

سب سے پہلے تو فوزیہ جی! حنا کی تمام ٹیم اور حنا کے تمام قارئین کو اس ناچیز کی طرف سے السلام علیکم!

''ایک دن حنا کے ساتھ'' سلسلہ میں تقریباً سبھی رائٹرز نے یہ لکھا کہ اپنے بارے میں کچھ بھی لکھنا، خود کو بیان کرنا آسان کام نہیں، میں ان تمام رائٹرز کی اس بات سے دل کی گہرائیوں سے اتفاق کرتی ہوں۔

خود کی ذات کو بیان کرنا واقعی کچھ آسان کام نہیں، اپنے بارے میں کچھ بھی لکھنے کے لئے الفاظ ڈھونڈو تو وہ کسی شرارتی بچے کی طرح اٹھلاتے کھلکھلاتے ذہن کی دیواروں سے ٹکراتے ہی غائب ہو جاتے ہیں، خیر کافی دنوں کی ٹرائی کے بعد آج فائنلی میں تمام الفاظوں کو کھینچ تان کر اپنی قلم میں قید سیاہی، اوہ سیاہی نہیں بلکہ نیلاہٹ کے ذریعہ اپنی عام سی روٹین بیان کرنے جا رہی ہوں۔

اوپر کیپشن میں فوزیہ جی نے لکھا ہے کہ ''قارئین جاننا چاہتی ہیں کہ کیا مصنفین بھی تمام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں یا ان کے شب و روز میں کچھ انوکھا ہے'' جی بالکل ہم مصنفین بہت عام سیدھے سادھے اور نہایت ہی معصوم سے ہوتے ہیں، ہم میں کچھ بھی انوکھا نہیں ہوتا، یہ بات درست ہے کہ زندگی اس دنیا میں بسے ہر اک فرد کا کڑا امتحان لیتی ہے، کچھ لوگ درد سہہ نہیں پاتے، کچھ بس سہہ جاتے ہیں اور کچھ لوگ اس درد کو وجہ تخلیق بنا لیتے ہیں، رائٹر بننا کوئی آسان کام نہیں، قلم تو سبھی اٹھا لیتے ہیں لیکن اس قلم میں جان لانے کے لئے اس قلم کو طاقت ور بنانے کے لئے بہت درد سہنا پڑتے ہیں اور درد بیان کرنے کے لئے گہرا ہونا پڑتا ہے اور گہرا ہونے کے لئے گہری چوٹیں کھانا پڑتی ہیں، گہرے زخم برداشت کرنا پڑتے ہیں، تب جا کر قلم میں طاقت آتی ہے، زندگی میں کچھ بھی پلیٹ میں سجا سجایا ہرگز نہیں ملتا، بہت کچھ سہنا پڑتا ہے، یہاں مجھے ایک شعر یاد آیا ہے۔

یہ جو لفظ ہیں ناں ، یہ بہت شور کرتے ہیں
انہیں قید کرنا پڑتا ہے ، یہ قید میں سنورتے ہیں

خیر! میں ایک عام گھریلو لڑکی ہوں لیکن یہ کہ حساس الطبع ہوں، ہر اک بات کو گہرائی سے محسوس کرتی ہوں، میری زندگی شروع سے ہی ہنگامہ خیز زندگی رہی ہے، بعض ایسے مراحل اور مقامات بھی آئے کہ مجھے بے انتہا ذہنی دباؤ اور ٹینشن کا سامنا کرنا پڑا، لیکن میں کم ہمت لوگوں کی طرح درد کی اذیت میں کھوئے رہنے کے بجائے اپنے درد کا علاج ڈھونڈ کر اس درد کی اذیت سے خود کو نجات دلا دیتی ہوں۔

ذکر الٰہی میرے درد کی دوا ہے، میں یہ سمجھتی ہوں کہ پریشانی میں پریشان ہونے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے، پریشانی، بنا سبق سکھائے اپنے وقت سے پہلے ہرگز واپس نہیں جاتی، پھر پریشان ہو کر خود کو اذیت کیونکر دی جائے؟ ذکر الٰہی ہر درد کی دوا ہے، ذکر الٰہی میں ایک ایسا مزہ ہے کہ یہ زندگی کی تمام تلخیوں کو یکسر بھلا دیتا ہے، لوگ

ہماری پرابلمز ہرگز نہیں سمجھتے، انہیں ہمارا نرم رویہ بناوٹی لگتا ہے، ہمارے آنسو مگرمچھ کے آنسو لگتے ہیں، مختصراً یہ کہ لوگ صرف وہی سوچتے سمجھتے ہیں جو انہیں سوچنا، سمجھنا ہوتا ہے، اس لئے میں یہ سمجھتی ہوں کہ اس دنیا میں بسے لوگوں سے کچھ بھی کہنا فضول ہے، اپنے اللہ کو اپنا دوست، اپنا ہمراز بنائیں، وہ سب کی سنتا ہے اور سمجھتا بھی ہے، اللہ سے دل کی باتیں کہہ دینے سے دل و دماغ کو نہایت صبر و سکون مہیا ہوتا ہے، میں تو یہی کرتی ہوں اور اب تو تمام تر آرزوؤں سے بڑی آرزو ہی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی شدید محبت حاصل ہو جائے اور پھر اسی پر ہی زندگی کا خاتمہ ہو جائے، (آمین ثم آمین)

چلیں جی ایک دن کی روداد پر آتی ہوں، میری روٹین کبھی بھی ایک سی نہیں رہی، کبھی میں راتوں میں جاگتی اور دن بھر سوتی ہوں تو کبھی رات میں سوتی اور دن میں جاگتی ہوں باقی لوگوں کی طرح نماز فجر کے لئے مجھے کبھی الارم کی ضرورت نہیں رہی، میری آنکھ اپنے آپ کھل جاتی ہے، نماز فجر کے بعد سورۃ یٰسین لازمی پڑھتی ہوں، دل کو سکون ملتا ہے، میں زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی ہوں اس لئے تنہائی میں اپنے اللہ سے بہت سی باتیں کرتی ہوں۔

یہاں میں بتاتی چلوں کہ میری زیادہ فرینڈز نہیں ہیں، اس لئے میں زیادہ کسی سے بات نہیں کرتی، بس خاموش رہتی ہوں، دنیا تو ویسے بھی مطلب پرست لوگوں سے بھری ہوئی ہے، لوگ سنتے ہیں مگر سمجھتے نہیں، بس اک واحد ذات ہے اللہ تعالیٰ کی جو مجھے سنتی بھی ہے اور سمجھتی بھی ہے، میری ہر وہ بات جو میں کہہ بھی نہیں پاتی، لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ میں بہت مغرور ہوں جبکہ ایسا ہرگز نہیں، خاموش رہنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہوتا کہ سامنے والا مغرور ہے، وہ بس اپنی ذات میں کہیں گم ہو چکا ہوتا ہے، لوگوں کے رویوں سے تھک چکا ہوتا ہے، یہ دنیا کے لوگوں کی حقیقت ہے کہ آج آپ جس کے ساتھ بھلائی کرو وہی انسان آپ کو لات مار دیتا ہے، میں سچ بتاؤں تو مجھے انسانوں سے نفرت ہے، لیکن مجھے انسانیت سے بے تحاشہ محبت ہے، مگر انسانیت کہیں ملتی ہی نہیں، لوگ بہت سفاک ہیں، اپنے قارئین سے یہی کہوں گی کہ کبھی بھی کسی کو بظاہری طور پر پرکھنے کی کوشش بھی مت کیجئے گا، کیا خبر وہ انسان اندر ہی اندر کس قدر تیز آندھیوں کی ضد میں ہو، لوگ تو سمجھتے نہیں اس لئے خاموشی ہی بہتر حل ہے۔

چونکہ احساسات و خیالات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر میرے دل میں موجزن رہتا ہے لہٰذا میں انہیں کورے کینوسز پر رنگوں کی مدد کے ذریعے اور صفحہ قرطاس پر قلم کی نیلاہٹ کی مدد کے ذریعے منتقل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہوں، یوں تو مصورہ ہونے کے ناطے میں نے اپنے دل میں قید ڈھیروں کہانیاں اپنی پینٹنگ کے ذریعہ کہہ ڈالی ہیں لیکن صفحہ قرطاس پر قلم کے ذریعے منتقل کیے گئے میرے چند ناولز، افسانے اور ناولٹس ہی منظر عام پر آئے ہیں، لکھنے کا اتنا موقع ملتا نہیں مجھے، اس لئے بہت کم کم لکھتی ہوں، نماز فجر کے بعد سورۃ یٰسین پڑھتے ہی میں اپنا برش تھامتی ہوں اور پھر کورے کینوسز پر رنگ بکھیرنے لگتی ہوں، آرڈرز زیادہ ہوں یا پھر ایگزیبیشن ہو تو دن رات ایک کر دیتی ہوں، وقت کا کچھ اندازہ ہی نہیں ہوتا،

ہمارے گھر میں سب اپنی مرضی سے جاگتے ہیں، کوئی ٹائم مقرر نہیں، ہاں ابو جاگ جاتے ہیں، میں ابو اور اپنے لئے ناشتہ بناتی ہوں، ابو نے

ٹی وی دیکھتے دیکھتے ناشتہ کرتے ہیں جبکہ میں موبائل ہاتھ میں تھامے Facebook اور Instagram کی سیر کرتے ہوئے ناشتہ کرتی ہوں، ارے ہاں قارئین اگر میری پینٹنگ دیکھنا چاہتی ہیں تو فیس بک پر Mubashrah ansari کے نام سے میرا اکاؤنٹ اور Instagram پر Leorain کے نام سے میرا اکاؤنٹ کو جوائن کر کے میرا تمام آرٹ ورک اور میری روز کی روٹین دیکھ سکتی ہیں، ویسے میں انسٹاگرام زیادہ یوز کرتی ہوں، خیر ناشتہ کے بعد پھر سے اپنے کمرے میں گھس جاتی ہوں تھوڑا لکھنے کا کام کرتی ہوں اور پھر تیار ہو کر جم چلی جاتی ہوں، جی نہیں میں موٹی ہرگز نہیں، فٹ رہنے کے لئے جم کرتی ہوں، اک نشہ سا ہے جم کا، نہ کروں تو بے چینی سی رہتی ہے، جس دن جم نہ جاؤں اس دن گھر پر ہی ایکسرسائز کر لیتی ہوں، مجھے مارننگ واک کا بہت شوق ہے، خوبصورت موسم میں تیز ٹھنڈی ہوا ہو، وسیع خوبصورت پارک ہو اور صبح صبح میں اکیلی واک کروں، اُف سوچ کر بھی کتنا اچھا لگتا ہے مگر میرے ابو ناں صبح صبح اکیلے کہیں پارک جانے نہیں دیتے، خیر اپنی یہ خواہش میں اگلے مہینے سے یقینی طور پر ضرور پوری کر لوں گی، کیونکہ اگلے ماہ میں اپنی فلم میکنگ سٹڈی کے لئے لندن جا رہی ہوں، وہاں تو بارشیں بہت ہوتیں ہیں اور میں بارشوں کی دیوانی ہوں، یہ بارشیں مجھے بہت اپنی سی لگتی ہیں، بارش کی بوندیں بارش کی خوشبو، پتوں کی سرسراہٹ ہوا کی سائیں سائیں، اف میرے دل کی گہرائیوں کو چھو جاتی ہیں، انشاء اللہ فیوچر میں آپ لوگ میری ڈائریکٹ کی ہوئی فلمز اور ٹیلے ضرور دیکھیں گے اور ہاں تھوڑا تھوڑا ایکٹنگ کا بھی شوق چڑھا ہے مجھے، تو شاید نہیں یقیناً ایکٹنگ بھی ضرور کروں گی، میں LEO ہوں اور LEO لوگ بہت اچھے ایکٹرز اور ڈائریکٹرز ہوتے ہیں

اگلے مہینے سے فل بزی لائف،

پھر شاید لکھنے کا موقع نہ ملے اسی لئے پہلے سے اپنے دو سے تین ناولز لکھ کر فوزیہ جی کو ارسال کر دیئے ہیں تاکہ آپ لوگ اس ناچیز کو ایز اے رائٹر یاد رکھیں، خیر جم سے واپس آتے ہی سپائسی چکن کھاتی ہوں براؤن بریڈ کے ساتھ، مجھے سپائسی کھانے بہت پسند ہیں، پھر چائے پیتی ہوں، امو (امی) اور بہنوں کے ساتھ تھوڑا وقت بیتاتی ہوں، بہنوں بھائیوں کے ساتھ ساتھ امو کو بہت تنگ کرتی ہوں، بہت مزہ آتا ہے انہیں تنگ کر کے، اور پھر ایک بار پھر سے میں ہوتی ہوں اور میرا کمرہ، آج کل پیکنگ بھی کر رہی ہوں، پینٹنگ بھی کر رہی ہوں، سب ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، نماز پانچ وقت کی پڑھتی ہوں الحمدللہ، رات کا کھانا اکثر نہیں کھاتی، ایسے ہی سو جاتی ہوں، ہاں البتہ رات میں سیڈ سونگز ضرور سنتی ہوں، مجھے سیڈ سونگز بہت اچھے لگتے ہیں بچپن سے ہی، بس یہی روٹین ہے فی الحال ایسے ہی دن گزر جاتا ہے۔

آپ لوگ کو بور کر دیا ناں میں نے؟ اچھا سوری ہاں، بہت سر کھا لیا قارئین کا میں نے، ابھی قلم کو لگام دیتی ہوں۔

بات بری لگی ہو تو دل کی گہرائیوں سے معافی چاہتی ہوں، ایک ریکویسٹ ہے سبھی سے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیئے گا، اللہ تعالیٰ آپ تمام قارئین کی تمام دلی جائز حاجات پوری کرے آمین ثم آمین، اللہ حافظ۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

منگورہ میں ہیام عشیہ کو کسی اجنبی کے ساتھ بے تکلفانہ انداز میں گفتگو کرتے دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے، عشیہ کو کسی اجنبی کے ہمراہ دیکھنا، ہیام کے لئے کسی دھچکے سے کم نہیں۔

امام ایک روزہ چھٹی پہ اچانک گھر واپس آ جاتا ہے تو پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے لیکن ایک چھوٹی سی بات پر شانزے امام سے بدگمان ہو جاتی ہے۔

جہاندار کا نیل بر کے لئے کانشس ہونا اور پری گل کی ہمدردی کرنا سباخانہ کے مزاج پہ گراں گزرتا ہے، اس بات پہ سباخانہ اور جہاندار کی تکرار ہو جاتی ہے۔

بٹو خاندان کے قبرستان میں کھدائی کے دوران امامہ کو ایک کتبہ ملتا ہے، جس پہ لکھے انتہائی اجنبی نام دیکھ کر رحمت دم بخود رہ جاتی ہے۔

نیل بر اپنے دل کی بدلتی کیفیت پہ حیران اور متعجب ہے، اندرونی تبدیلی سے گھبرا کر وہ غیر ارادتاً سرکاری بنگلے میں امام فریدے شاہ کی تلاش میں جاتی ہے تو پری گل کا باپ خان نیل بر کو بنگلے پہ دیکھ کر دھنک رہ جاتا ہے۔

شاہوار عشیہ کے گمان میں عروفہ سے اتفاقاً ٹکرا جاتا ہے، عروفہ اپنا تعارف جب عشیہ کی بہن کہہ کر کرواتی ہے تو شاہوار انتہائی شاکڈ رہ جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

پھر ولید کی ضد کے سامنے فرح کو جھک جانا ہی پڑا تھا۔
کیونکہ ولید فرح کا اکلوتا بیٹا تھا اور اسے کھو دینا فرح کے لئے ممکن نہیں تھا، کسی بھی صورت نشرہ کو پسند نہ کرتے ہوئے، ہر لحاظ سے اسے دھتکارنے کے بعد فرح کا مان جانا پورے گھر کے لئے ایک دھماکے کے سوا کچھ نہیں تھا، کل تک فرح ولید کو دوٹوک دھمکی نما اپنا فیصلہ سنا چکی تھیں اور دوسرے ہی دن ان کا فیصلہ تبدیل شدہ تھا، ہر کوئی حیران رہ گیا۔
فرح نے اگلے دن بڑے پشیمان انداز میں اپنے بھائی اور بھابھی سے معذرت کر لی تھی۔
"میں ولید کی "خوشی" کے سامنے اپنی "پسند" کی فصیل کھڑی نہیں کر سکتی، میری تو دونوں ہی بھتیجیاں ہیں، عینی اور نشرہ میں کوئی فرق نہیں ہے آپ بھی دل بڑا کر کے نشرہ کا ہاتھ میرے ولید کے ہاتھ میں دے دیں۔" فرح کے یہ الفاظ تائی کے سر پہ بم کی طرح پھٹے تھے، ان کے سپنوں اور خوابوں کا تاج محل دھڑام سے گر گیا تھا، انہوں نے جو سوچ رکھا تھا اس کے برعکس ہوا تھا، ان کا سپنا ٹوٹ گیا تھا، آخر ایسے کیوں ہوا تھا؟ وہ معمولی سی نشرہ کیسے جیت گئی تھی، ان کی عینی کیسے ہار گئی تھی؟
یہ صدمہ اتنا بڑا تھا جو تائی کو سنبھلنے میں خاصا وقت لگا، لیکن جیسے ہی ان کے حواس ٹھکانے آئے، انہوں نے فرح کو بے دریغ سنا ڈالی تھی، ادھار رکھنے کی تو وہ قائل ہی نہیں تھیں، پھر یہ تو ان کی بیٹی کے خوابوں کا معاملہ تھا۔
"فرح کوئی اس طرح ہاتھ نہیں دکھاتا، کوئی اس طرح پینترا نہیں بدلتا۔" تائی مارے صدمے کے پھٹ پڑیں، فرح نادم اور پشیمان بیٹھی تھیں، ولید نے انہیں بہت ہلکا کر دیا تھا، وہ بھائی اور بھابھی کے سامنے شرمندہ تھیں۔
"تم نے اپنے رویے سے میری بیٹی کو امید کیوں دلائی؟ عینی کا کیا قصور تھا؟" تائی انہیں معاف کرنے پہ تیار نہیں تھیں۔

"اپنی ہو کر غیروں کی طرح چھرا گھونپ دیا ہے۔"
"بھابھی! میں مجبور ہو گئی تھی، ولید کی خاموشی کو اقرار سمجھ بیٹھی، وہ سعادت مندی میں ہمیشہ چپ رہا، لیکن اب اس نے مجھے دھمکی دی ہے، وہ کبھی واپس اپنے گھر نہیں آئے گا، میں اپنا بیٹا کھو نہیں سکتی۔" فرح نے بھیگے لہجے میں اپنی مجبوری بتائی تھی۔
"تو بی بی! ہمیں بھی اپنی اولاد بڑی عزیز ہے، ہم کہاں جائیں؟ عینی کے دل پہ کیا گزرے گی۔" تائی کو اپنا رونا پڑا ہوا تھا۔
"یہ سوچیں بھابھی! اگر ولید کے ساتھ زبردستی کر لی جاتی اور وہ عینی کو نہ اپناتا، تب عینی کے دل پہ کیا گزرتی؟ اب تو پھر حالات بہتر ہو جائیں گے۔" فرح کا انداز انہیں سمجھانے والا تھا، لیکن تائی کو بھلا کیسے سمجھ آتی، ان پہ تو غصہ اور توہین سوار تھا، آخر ان کی بیٹی کو ریجکٹ کیا گیا تھا اور عینی پہ نشرہ کو ترجیح مل گئی تھی، وہ نشرہ جس کی کوئی اوقات نہیں تھی، جو اس گھر میں کیڑے مکوڑوں کی طرح رہتی تھی، جس کی اہمیت یہاں پہ خاندانی ملازمین سے بھی کم تھی، اسی نشرہ کے نصیب کھل گئے تھے آخر تائی کے سینے پہ سانپ کیوں نہ لوٹتے؟

"کیا بہتر ہو جائیں گے، میری بیٹی کا دل توڑ دیا اور تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوا، کتنے آرام سے کہہ دیا، سب ٹھیک ہو جائے گا، ارے کیا خاک ٹھیک ہوگا؟ عینی سنے گی تو اس کے دل پہ کیا گزرے گی؟" تائی ایک دم دوپٹہ منہ پہ رکھ کر رو پڑی تھیں، یوں کہ فرح بوکھلا گئیں، بھابھی کے واویلے سے تو وہ واقف ہی تھیں اور ولید کو ہر نکتے پہ تقریر کر کر کے سمجھایا بھی تھا مگر ولید ایک ہی ضد پہ اڑ گیا تھا، پھر فرح کیا کرتیں، پھر ساری ناگواری اور ناپسندیدگی کو سمیٹ کر انہیں اپنے بیٹے کی خوشی کے لئے یہ زہر کا گھونٹ بھرنا پڑا تھا۔

"آپ عینی کو سمجھا لیجئے گا، وہ سمجھدار ہے، اتنا تو سوچ لے گی، کسی کی زندگی میں ان چاہا ہونے سے بہتر ہے کسی کی زندگی میں من چاہا بن کر شامل ہوا جائے۔" فرح کا لہجہ بھی اب کہ کچھ روکھا ہو گیا تھا۔

"تم ولید پہ دباؤ ڈالتی تو وہ مان جاتا، بعد میں حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں۔" تائی کی ایک ہی ضد فرح جھنجھلا گئی تھیں۔

"کیسے مان جاتا، وہ اور ہی طبیعت کا ہے، میری ضد پہ سر جھکا دیتا، مگر نہ خود خوش رہتا، نہ عینی کو رکھتا، پھر آپ کیا کرتیں؟" فرح جھلا کر بولی تھیں، پھر اٹھ کر باہر نکل گئیں، اس ولید نے انہیں کسی مصیبت میں ڈال دیا تھا۔

"پر فرح! تم نے اچھا نہیں کیا، ہماری امید توڑ ڈالی، اللہ تمہیں پوچھے اور اس نشرہ چڑیل کو بھی، جس نے میری بچی کے حق پہ ڈاکہ ڈال لیا، کبھی اس کا بھلا نہ ہو اور کبھی اسے زندگی میں سکون نہ آئے۔" وہ غم و غصے کی انتہا میں بددعاؤں پہ اتر آئی تھیں، ان کے پاس ہی سر جھکائے تایا بیٹھے تھے، مہر بہ لب، خاموش، تائی کی ساری کسیلی باتیں خاموشی سے سنتے ہوئے، لیکن جب وہ نشرہ کو بد دعائیں دینے لگی تھیں تب ان سے رہا نہیں گیا تھا۔

"اللہ سے ڈرو بیگم! کیسے منہ بھر بھر کے یتیم بچی کو بددعا دے رہی ہو، اگر اس کا نصیب کھل رہا ہے تو تمہیں کیوں حسد ہو رہا ہے؟" پہلی مرتبہ تایا نے نشرہ کی حمایت میں زبان کھولنے کا گناہ کر لیا تھا، تائی کو ایسی آگ لگی تھی جب کسی پانی سے نہ بجھتی۔

"ارے، بھتیجی کا ایسا درد! اپنی بیٹی کی کوئی پرواہ نہیں، ساری عمر اپنے بچوں کی پرواہ نہیں کی، بس نشرہ پیاری رہی، جسے سینے سے چمٹائے رکھا، یا وہ نامراد جو قریہ قریہ گھومتا نجانے کون سا شہنشاہ بن جائے گا مٹی کے ٹوٹے، بوسیدہ بت، پرانی چیزیں، بوسیدہ ہڈیاں تلاشتا پھرتا ہے، کام کاج کا پتا نہیں، زمانے بھر کا آوارہ مزاج، منہ اٹھا کر آ جائے گا دو مہینے بعد۔" نشرہ پہ نکلتا زہر اب دوسری سمت گزر رہا تھا، نشرہ سے ہوتی ہوئی اب وہ اسامہ کے غائبانہ لتے لے رہی تھیں، تایا تو انہیں چھیڑ کر پچھتائے تھے۔

"میں کہتی ہوں، اب وہ گھر آیا تو نکال باہر کروں گی، میرے گھر کو اس نے مسافر خانہ بنا رکھا ہے، جب دل چاہا، منہ اٹھا کر آ گیا، جب دل چاہا، بیگ کندھے سے لٹکایا اور نکل گیا، پتا نہیں کہاں کہاں آوارہ گردیاں کرتا پھرتا ہے۔" وہ زہر خند ہوئی اپنے اندر کی بھڑاس نکال رہی تھیں، سدا کے کم گو تایا کی زبان آج نجانے کیوں چل پڑی تھی، نشرہ کے بعد اسامہ کی حمایت میں دو لفظ

کہہ کر بری طرح سے پچھتائے تھے۔

''لیکن اپنے شہزادہ عالم کی فکر میں بھی ہلکان ہو جایا کرو، ہر وقت دوسروں کے بخیے ادھیڑنے میں لگی رہتی ہو، اپنے نکمے بیٹے کی شان پہ حرف نہیں آنے دیتی، اسامہ کم از کم نومی سے تو بہتر ہے، حلال رزق کما کر کھاتا ہے اور جاتے سمے ہزاروں روپے چپکے سے تمہارے تکیے کے نیچے دبا جاتا ہے، جنہیں اٹھا کر بھی تمہارا ظرف ہلکا نہیں پڑتا۔'' تایا کو نجانے کیا ہوا تھا، آج اگلا پچھلا حساب بے باق کرنے پہ تلے ہوئے تھے۔

''کوئی احسان کرتا ہے ہم پر، اگر چار کاغذ دیتا ہے تو تم باپ نہیں اس کے، تمہارے لئے دیتا ہے۔'' انہوں نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

''میں تو جیسے بڑے حق ادا کر چکا ہوں اپنے باپ ہونے کے۔'' ان کا لہجہ نادم اور بھیگا ہوا تھا۔

''تو کیا کرتے؟ پال پوس کر جوان کر دیا، اتنا پڑھایا لکھایا۔'' تائی کی سطحی سوچ بس یہیں تک تھی۔

''جس چیز کی اسے ضرورت تھی وہ تو نہ ملی۔'' وہ محکوم رعایا کی طرح سر جھکا کر بول رہے تھے، انتہائی شکستہ لب و لہجے میں، تائی ایک دم چمک اٹھیں، اسامہ کا موضوع ایسا تھا جس پہ تائی بے تکان بول سکتی تھیں، فی الوقت بھی نشرہ اور ولید والے انتہائی حساس ٹاپک کو چھوڑ کر اسامہ کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

''کیا نہیں ملا اسے، اچھا کھلایا، اچھا پہنایا، اچھا پڑھایا۔''

''محبت اور توجہ نہ دے سکے اور کھلانے پلانے کی تو بات ہی مت کرو، جیسے نشرہ کو بہت شاہانہ انداز میں پالا پوسا ہے۔'' تایا کو آج نجانے کیا ہوا تھا؟ تائی کے رنگ بدلتے چہرے کے ایک ایک تاثر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تنفر سے بولتے تھے یوں کہ تائی کا پارہ چڑھتا آسمانوں پہ پہنچ گیا تھا۔

''میں نے کون سے ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے، میری طرف تو یوں کا رخ کر کے بیٹھ گئے ہو، اپنی بھتیجی کا نہیں پتا جس نے میری بیٹی کی خوشیاں چھین لی ہیں۔'' اچانک انہیں حالیہ مسئلے کا خیال آیا تو چلا اٹھی تھیں۔

''اس میں نشرہ کا کیا قصور ہے؟ ولید نے خود اس کی خواہش کا اظہار کیا، وہ تو بے قصور ہے۔'' تایا کو کہنا ہی پڑا تھا، گو کہ ان کی آواز مدہم تھی، لیکن تائی کو اپنی آواز سے اونچی ہی لگی۔

''تمہیں چڑھ گیا ہے ہمدردی کا بخار، اتارتے دیر نہیں لگاؤں گی، تم سارے ہی خود غرض ہو، تمہاری بہن سمیت، جس نے اتنے عرصے سے میری بیٹی کو لارا لگائے رکھا، میں نے اندر ہی اندر تیاریاں کر لیں، مجھے ہر طرح سے مطمئن کر کے عین ٹائم پہ جواب دے دیا اور اس ولید کو دیکھو، میری بیٹی کے ساتھ دل لگی کرتا رہا، آخر میں اس کا دل توڑ دیا اور آنکھیں اس باورچن نشرہ پہ ٹکا رکھی تھی۔'' وہ اپنی نفرت اور غصے میں ایسے ہی اخلاق سے نیچے آ جاتی تھیں، تایا چپ چاپ سنتے رہے، کیا اب تک تو چپ چاپ ہی سن رہے تھے، جانے آج کیا ہوا تھا جو ان کی زبان کھل گئی تھی اور یہی

بات تائی کی برداشت سے باہر تھی۔

''تمہارے دماغ اور سوچ کا کچھ نہیں ہو سکتا۔'' تایا نے تاسف سے سر جھٹکا تھا، انہیں اٹھتا دیکھ کر تائی چمک کر بولیں۔

''کان کھول کر میری بات سن لو، تمہاری بہن اگر نشرہ کو اپنی بہو بنائے گی تو ہمارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' تایا بیگم کی دھمکی پہ لحظہ بھر کے لئے پلٹے تھے۔

''تعلق دو انچ کی زبان ہلا دینے سے نہیں ٹوٹتے۔'' ان کا انداز تنبیہی تھا۔

''جاؤ میاں اپنا راستہ ناپو، میرا دماغ پہلے ہی بہت تپ رہا ہے۔'' وہ غضبناک تیوروں سے بولی تھیں، انہوں نے عینک سے پار بیوی کا سرخ بھبھوکا چہرہ دیکھا۔

''میری بات تم بھی سن لو، خبردار جو نشرہ پہ اپنی تپش الٹی تو؟'' تائی تو تایا کی اس دلیری نما دھمکی پہ ہکا بکا رہ گئی تھیں، کیا مجال تھی ایسی جرأت کی، یہ ان کی زبان کے تالے کیسے کھل گئے تھے۔

''تو تم کیا کر لو گے؟'' تائی نے نتھنے پھلا کر میاں کو گھورا۔

''جو کروں گا وہ تمہیں ہمیشہ یاد رہے گا۔'' ان کا تنفر قابل دید تھا، اب کہ تائی کا رنگ واضح طور پہ بدل گیا تھا۔

''یہ تمہارے منہ میں کس کی زبان بول رہی ہے؟'' تائی نے ہکا بکا تاثرات کے ساتھ کہا۔

''میری اپنی، جس پہ تم نے بندش کا تالا لگا رکھا تھا۔'' وہ اٹھ کر باہر نکلتے ہوئے لمحہ بھر کے لئے رکے تھے، پھر شعلہ بار نگاہوں سے انہیں دیکھتے باہر چلے گئے اور تائی سارے بل کھا کر اپنا پورا غصہ نشرہ پہ الٹنے کے لئے بے تاب ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

نشرہ کے لئے یہ انکشاف کسی جھٹکے سے کم نہیں تھا، اس نے جب سے سنا سب سے ہراساں تھی۔

کہاں تو گھر میں ولید اور عینی کی منگنی کا قصہ چل رہا تھا، فرح پھپھو بھی اس مقصد کے لئے آئی تھیں اور جس طرح وہ عینی کو اہمیت اور پروٹوکول دیتی تھیں، اس سے صاف ظاہر تھا، پھپھو کی بہو بس عینی ہی بنتی، تب نشرہ کے دل سے آخری آس اور امید کا جگنو بھی نکل کر اندھیروں میں گم ہو گیا تھا۔

اسے اپنی بدقسمتی کا یقین ہو چکا تھا، اس کی زندگی سے اندھیرے چھٹنے والے نہیں تھے، وہ عمر بھر اسی اندھیر نگری میں چکرا تی اور کبھی نہ اس گرداب سے باہر آتی۔

لیکن جیسے اس پہ خوش نصیبی کی برسات برس پڑی تھی، اچانک کیا سے کیا ہو گیا تھا؟ اچانک سب کچھ بدل گیا تھا، وہ ابھی تک حیران تھی، ورطہ حیرت میں مبتلا تھی، تعجب کی لہروں میں تیر رہی تھی۔

گو کہ یہ حیرانی کسی طور کم ہونے والی نہیں تھی، لیکن اسے پہلا جھٹکا تب لگا تھا جب تائی کی ساری توپوں کا رخ نشرہ کی طرف ہو گیا، آخر اس کا تو کوئی قصور نہیں تھا، وہ تو قطعاً بے خبر تھی، اسے ولید کی طرف سے اعلان کی توقع بھی نہیں تھی، گو کہ اسے اتنا پتا تھا کہ ولید اس سے ہمدردی رکھتا ہے

اور احساس بھی کرتا ہے، اپنائیت بھی بیچ میں موجود تھی مگر اس اپنائیت سے زیادہ والا معاملہ نشرہ کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

اور تائی اس پہ صاف صاف الزام رکھتی تھیں، اس کو کسی طور معاف کرنے پہ تیار نہیں تھیں اور ولید کی خواہش تو اوپر والوں کے لئے بھی کسی جھٹکے سے کم نہیں تھی، گو کہ ان لوگوں نے تائی کی طرح واویلا نہیں کیا تھا، مگر نشرہ کے رشتے پہ اوپر والے بھی کچھ خوش نہیں تھے۔

اور تائی تو نشرہ کا تیا پانچہ کرنے پہ تلی ہوئی تھیں، الزامات اور بہتانوں کی بھرمار کر رہی تھیں تایا کے اٹھتے ہی وہ چیل کی طرح لپک کر کچن میں مصروف نشرہ کے اعصاب پہ سوار ہو گئی تھیں، یوں کہ نشرہ کے ہاتھ سے آلو، پیاز، ٹنڈے گرتے چلے گئے تھے، وہ سبزی بنانے کے لئے ٹوکری بھر رہی تھی مگر تائی کا اچانک دھمک آنا اسے بری طرح ہراساں کر گیا تھا۔

''ولید پہ چپکے چپکے ڈورے ڈال کر ہمارے سروں میں خاک ڈال دی تم نے، ایسے ہی مری جا رہی تھی تو مجھے بتاتی میں خود تمہیں اس کے ساتھ چلتا کر دیتی، اتنا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی ایسے بھی، جب دل تم سے میں انکار کہا تھا تو عینی کو بغل میں لے کر شہر شہر گھومنے کی کیا ضرورت تھی۔'' تائی کو غصے میں سمجھ نہیں آتی تھی کہ انہیں کیا بولنا ہے؟ اب بھی جی بھر کے اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں، نشرہ تو ان الزامات پہ دم بخود رہ گئی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا؟'' اس نے کپکپاتی آواز میں اپنی صفائی دینی چاہی، تائی نے بیچ میں ہی اس کی بات اچک لی تھی، ان کا انداز انتہائی گھٹیا اور سطحی تھا۔

''یہی تو ادا میں آتی ہیں تمہیں، مردوں کو لبھانے کی، کیسی میٹھی چھری سے ذبح کیا تم نے، کانوں کان خبر نہ ہونے دی اور اپنا جادو چلا لیا۔'' تائی نے نفرت بھرے لہجے میں کہا تھا، نشرہ کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

''تائی! میں نے کچھ نہیں کیا، یہ جو کچھ بھی ہوا ولید کی طرف سے ہوا۔'' اس نے کپکپاتی آواز پہ بمشکل قابو پایا تھا، ورنہ اس الزام پہ دل تو چاہ رہا تھا تڑپ تڑپ کر رو پڑے۔

''تم نے اسے جھانسا تو دیا نا؟'' تائی نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیے تھے جیسے نشرہ کو دانتوں تلے داب رہی ہوں۔

''میں نے کب؟'' وہ ہکا بکا رہ گئی، یعنی الزام در الزام۔

''اب معصوم بن کر اداکاری مت کرو، میں تمہاری ساری چالاکیوں کو جانتی ہوں۔'' ان کا انداز زہر خند تھا۔

''تائی! آپ زیادتی کر رہی ہیں۔'' وہ رو پڑی تھی۔

''جاؤ بی بی! یہ چالاکیاں کسی اور کو دکھاؤ، میں سب جانتی ہوں، جو تم نے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے، اس پہ تمہیں معاف نہیں کروں گی۔'' تائی کا جلال ابھی اترا نہیں تھا، نہ اتر سکتا تھا۔

''میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔'' اس کا لہجہ اور وجود دونوں کپکپا رہے تھے، تائی نے تنفر سے سر جھٹکا تھا، معاً انہیں اپنے پیچھے کسی کا احساس ہوا تھا، تائی نے مڑ کر دیکھا اور جیسے جان میں جان آئی تھی، ان کے پیچھے نومی کھڑا تھا۔

''کیوں بے چاری نشرہ کو ہولا رہی ہیں امی، اس کا کیا قصور؟ اگر ولید نے اپنی عقل کو استعمال کر کے کچھ بہتر فیصلہ کر لیا ہے تو غلطی ولید کی ہوئی نا، اس نے تو کچھ نہیں کہا۔'' نومی کے لاپرواہ لہجے میں چھپے طنز کو محسوس کر کے تائی کا تاؤ بڑھ گیا تھا۔

''تم دفع ہو جاؤ کمینے، بجائے اپنی بہن کی سائیڈ لینے کے، اس کا دل بہلانے کے، نشرہ کے حمایتی بن کر ہمارے زخموں پہ نمک چھڑک رہے ہو۔'' تائی نے نامی کے کندھے پہ ایک دھموکا جڑ دیا تھا۔

''میں نے سچ بولا ہے امی، جو کبھی کبھار بولتا ہوں، عینی کی زبان قینچی کی طرح لمبی ہے، ولید بے چارہ اس قینچی کا مقابلہ کہاں سے کرتا؟'' وہ استہزائیہ بولتا کچن سے باہر نکل رہا تھا جب تائی کا ایک اور دھموکا اس کے کندھے پہ پڑا تھا، وہ ہنستا ہوا انہیں اور تپا کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

بیال کا وسیع سبزہ زار اندھیرے میں ڈوب چکا تھا، سیاحوں کی خیمہ نما جھونپڑیاں مدہم روشنی میں ستاروں کی مانند چمک رہی تھیں، یا بیال گاؤں کے جھونپڑوں پہ ٹمٹماتے بلب روشن تھے، باقی ہر سمت شب کی تاریکی کا راج تھا، مطلع ابر آلود نہیں تھا، اس لئے ماہ و انجم کی جلوہ نمائی مدہم انداز میں نہیں تھی، ہر طرف ہو کا عالم تھا، ایسی خاموشی جو دل و دماغ میں خوف و ہراس کا طوفان اٹھا دیتی۔

جہاندار اس خوف و ہراس سے بالاتر تھا، یہ خوف اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟ کچھ بھی نا، اس نے اپنی زندگی میں ایسے ہراس میں ڈالنے والے مناظر سے بھی بڑے تکلیف دہ، خوفناک اور بھیانک مناظر دیکھے تھے، سو یہ خوف و ہراس سا اندھیرا اس پہ کوئی اثر نہیں ڈال سکتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں تیز چمک تھی، جو آسمانی بجلی سے مشابہہ رکھتی، اس تیز چمک میں کچھ خاص قسم کی لپک کوندتی اور دور تلک اپنا اثر چھوڑ دیتی تھی۔

وہ بارہ دری کے ستونوں میں کھڑا تھا، اس کے سامنے بنو محل کی اونچی عمارت تھی، جو اس وقت پوری طرح برقی قمقموں سے روشن تھی، وہ دور کھڑا بنو محل کی طرف دیکھتا رہا، جس کی شاہ نشینوں کا غرور دور سے بھی دیکھنے والوں کو ہیبت میں ڈال دیتا تھا۔

اس کی نگاہیں گھومتی، پھسلتی نیل بر کی بالکونی کے گرد طواف کرنے لگیں، اس کے کمرے سے باہر کو نکلی مغرور سی بالکونی، بالکل نیل بر کی طرح تھی اکھڑ، مغرور۔

اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں، وہ لب بھینچے اسی بالکونی پہ نگاہ ٹکائے کھڑا تھا، معاً نیل بر کے کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی باہر آیا تھا، بالکونی میں، جہاندار نے مدہم روشنی میں دیکھ لیا، وہ نیل بر ہی تھی، خاصی بے قراری، وہ بالکونی میں ٹہل رہی تھی، اس کے چہرے پہ بکھرا اضطراب کی وجہ سے کیسے بے خبر رہتا؟ اور اس کا اضطراب جہاندار کو مضطرب نہیں کر رہا تھا بلکہ غصہ دلا رہا تھا، وہ غصے میں دیکھ رہا تھا، نیل بر مضطرب سی ٹہل رہی تھی۔

''نان سینس بلاوجہ ٹینشن پال رہی ہے۔'' جہاندار نے زور سے سر جھٹکا تھا، اس کی نگاہیں ابھی تک نیل بر کے اردگرد گھوم رہی تھیں، نیل بر مضطرب سی موبائل فون کو دیکھتی، نمبر پریس کرتی، کان سے لگاتی، پھر ناٹ رسپانڈ پہ اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ پھیل جاتی تھی۔

''یعنی نمبر تک لے لیا؟ بڑے تیز ذرائع ہیں نیل بر کبیر بٹو۔'' وہ دانت پیس کر بڑبڑایا تھا۔

''یو ایڈیٹ، تمہارا کچھ بندوبست کرنا پڑے گا۔'' وہ بارہ دری کی سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا تھا، اس کے قدموں کا رخ اندرونی بلڈنگ کی طرف تھا، وہ تیز تیز چلتا اور پھر تیسری منزل پہ آ گیا تھا، کچھ دیر بعد جہاندار بالکونی میں کھڑا تھا، نیل بر کے سامنے اور وہ اسے دیکھ کر بے ساختہ گھبرا گئی تھی۔

''بابا کا چمچہ، یہاں کیوں آیا؟'' اُس نے گھبرائے سے انداز میں سوچا تھا۔

''کیا چل رہا تھا نیل بر؟'' جہاندار نے بڑے سرسری انداز میں پوچھا تھا، وہ بارہ دری کی طرف اسی جگہ کو دیکھ رہا تھا، جہاں پہ کچھ دیر پہلے وہ خود کھڑا تھا، نیل بر اس کے سوال پہ کچھ اور گھبرا گئی تھی۔

''نتھنگ۔'' اس نے بمشکل اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے کہا تھا، جہاندار کو جیسے یقین نہیں آیا تھا، وہ بڑی گہری نظر سے بارہ دری کو دیکھتا آہستگی سے نیل بر کی طرف مڑا۔

''جھوٹ بولنے سے کیا حاصل ہوگا؟'' اس کا انداز اب بھی سرسری تھا، نیل بر پوری جان سے کانپ گئی تھی، اس کی بولڈنیس اور کانفیڈنٹ کم از کم جہاندار کے سامنے نہ جانے کہاں چلا جاتا تھا؟ وہ چاہ کر بھی اپنے لہجے کو بارعب نہیں کر پائی تھی۔

''میں نے کب جھوٹ بولا ہے؟'' نیل بر نے بمشکل سخت لہجے میں کہنا چاہا، گو کہ یہ کوشش خاصی ناکام سی تھی۔

''تو پھر کسے کال کر رہی تھی؟'' جہاندار کے اگلے الفاظ نیل بر کا دماغ گھما گئے تھے، تو اسے یہ بھی پتا چل گیا تھا؟

''میں تمہیں کیوں بتاؤں؟'' اس نے جواباً چڑھائی کر دی تھی۔

''تو نہ بتاؤ، کیا تم سمجھتی ہو، مجھے وہی باتیں پتا لگ سکتی ہیں، جو مجھے بتائی جائیں؟'' وہ ایک بھوں اچکا کر پوچھ رہا تھا۔

''تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟'' نیل بر کا ازلی جلال اور غصہ عود آیا تھا۔

''میں جو خود کو سمجھتا ہوں، وہ تمہیں نہیں بتا سکتا، نہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔'' جہاندار کا اطمینان قابل دید تھا، وہ ایک مرتبہ پھر بالکونی کی چار دیواری کے خوشنما کنگروں سے نیچے تک جھانک رہا تھا، نیل بر کو اس کی بات بڑے زور کی چبھی تھی۔

''میں بھی تمہیں یہی جواب دوں گی، میرے پرسنلز میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش مت کرو۔'' اس کا انداز وارننگ دینے والا تھا، جہاندار کے لبوں پہ بڑی پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''یہ اتھارٹی مجھے تمہارے باپ نے دے رکھی ہے۔'' جہاندار کا جواب اسے تپانے کے لئے کافی تھا۔

''تم پر نظر رکھنا، میری ڈیوٹی کا حصہ ہے۔'' وہ اسے بات بہ بات تپاتا تھا، نیل بر کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''جسٹ شٹ اپ۔'' نیل بر کی بھنویں تن گئی تھیں۔

''تم مجھ سے دور رہو تو بہتر ہے۔'' اس کا انداز صاف غیض بڑھانے والا تھا، جہاندار کا چہرہ بھی لال ہو گیا۔

''آئی کانٹ بیئر اٹ اینی مور۔'' وہ یکدم دہاڑا تھا۔

''اینڈ ہو کیئرز یو؟ (تمہاری پرواہ کون کرتا ہے؟)۔'' جہاندار کے الفاظ نیل بر کو صاف اپنا مذاق اڑاتے محسوس ہوئے تھے، وہ ہونٹ چباتی تلخی سے اسے دیکھتی رہی، کم از کم جہاندار کو ''بی آف'' کہنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی، اسے خبر تھی جہاندار کی اس گھر میں اور بابا کی نظروں میں کیا حیثیت تھی۔

''آئم سوری۔'' نیل بر نے پینترا بدل لیا، یہ صاف جان چھڑانے والا اسٹائل تھا، وہ جانتی تھی اگر جہاندار بابا یا صندریہ کو کچھ بھی بتا دیا، تو اس کا گھر سے نکلنا بھی محال ہو جائے گا۔

''ہونہہ سوری۔'' جہاندار نے تلخی سے سر جھٹکا۔

''مجھے تمہاری سوری سے کوئی مطلب نہیں، صرف اتنا جان رکھو، تمہارے لمحے لمحے سے باخبر رہنا میری ڈیوٹی کا ایک حصہ ہے، ہزار مرتبہ تمہیں پہلے بھی جتا چکا ہوں، تمہارا باپ مجھے اس کام کے پیسے دیتا ہے اور مجھے اپنا رزق حلال کرنا آتا ہے، اس کے علاوہ ایک اور بات، تم یہ مت بھولو، مجھے تمہارے بدلتے معمول کی خبر نہیں۔'' جہاندار کے آخری الفاظ نیل بر جیسی لڑکی تک کو بھی لحظہ بھر کے لئے گھبرانے پہ مجبور کر گئے تھے، اس کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔

''میں تمہاری بات سمجھی نہیں۔'' کچھ دیر بعد اس نے بمشکل کہا تھا، اس کا لہجہ اعتماد سے خالی تھا، جہاندار نے اس پہ ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر جتلایا۔

''مجھے اپنی بات سمجھانی آتی ہے، بڑے اچھے انداز میں۔'' وہ بارہ دری کی طرف دیکھتا اپنے ازلی بے نیاز لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''مطلب؟'' نیل بر گھبراہٹ دوچند ہو گئی تھی۔

''تو کیا یہ جان چکا ہے؟ میں...... اُف۔''

''مطلب سمجھا دیتا ہوں، ذرا میری بات دھیان سے سننا۔'' جہاندار نے کنگرے پہ کہنی ٹکا کر بیال کے دور تلک پھیلے سبزہ زار کو اندھیرے میں دیکھنا چاہا تھا، اتنی اونچائی سے صرف سیاحوں کے خیموں کی بتیاں دکھائی دے رہی تھیں، باقی ہر طرف عام شب تاب کا راج تھا۔

''یہ جو تم بھاگ بھاگ کر سرکاری بنگلے کے چکر لگاتی ہو نا، پھر اس ڈپٹی سرویئر جنرل کا نمبر تک موبائل میں سیو کر رکھا ہے، گل خان سے لے کر، تو یہ کوئی خوش آئند بات نہیں ہے، بنو محل کی عورتوں کو زیب نہیں دیتا اور تمہیں تو بالکل نہیں، کیونکہ تم کسی کی ''امانت ہو'' امانت کا مطلب سمجھتی ہو نا، کہ میں سمجھا دوں؟'' جہاندار بڑی گہری کاٹ دار نگاہ اس پہ پھینکتا اپنے پراسرار لہجے میں بولا تھا یوں کہ نیل بر کا سارا غصہ سارا اشتعال جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا، وہ آنکھیں پھاڑے حق دق جہاندار کو واپس پلٹتے دیکھ رہی تھی، وہ بڑے مضبوط قدموں سے بیرونی سیڑھیاں کس شان سے اتر رہا تھا، جیسے بیال کے سرداروں کا کرتا دھرتا نہ ہو، جیسے سلطنت بیال کا کوئی شہنشاہ ہو، نیل بر کا دماغ بری طرح سے چکر کھا رہا تھا۔

''تو اسے پتا چل گیا؟ مگر کیسے؟ او مائی گاڈ، یہ بالکل بھی اچھا نہیں ہوا۔'' وہ سر تھام کر ایزی چیئر پہ ڈھے گئی تھی۔

☆☆☆

رات کے برعکس صبح کا مطلع بالکل صاف تھا، افق مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج نے ہر سمت نور کی ایک چادر بچھا دی گئی تھی، پہاڑوں کی اوٹ سے جھانکتا ہوا اس کا نورانی چہرہ یہ نوید دے رہا تھا، کہ کم از کم آج کے دن بارش کے امکان نہیں، گو کہ یہاں کے موسموں کا کوئی اعتبار نہیں تھا، ابھی بادل جاتے، سورج نکلتا اور دوسرے ہی لمحے دوبارہ چھا جاتے تھے۔

آج بی جاناں موڈ کی خوشگواریت کو دیکھتے ہوئے نرم دھوپ کا لطف اٹھانے سبزہ زار میں جلوہ نما تھیں، سامنے میز پہ کاجو اور چھلکوں کے بغیر چلغوزوں کی طشتریاں رکھی تھیں، وہ کاجو کھاتی آج خاصی موڈ میں تھیں، کیونکہ کچھ دیر پہلے شاہوار کی کال آئی تھی، اس کا ادھر آنے کا ارادہ بن رہا تھا، اب تو شاید پہنچنے والا ہو، وہ شاہوار کا دل و جان سے انتظار کر رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد اس کی جیپ احاطے سے باہر پہنچ گئی۔

معاً شاہوار انہیں سبزہ زار پہ چلتا اور اپنی طرف آتا دکھائی دیا تھا، بی جاناں خیر سگالی کے طور پہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، ان کے چہرے پہ بڑی روشن مسکراہٹ تھی، اپنے پوتوں اور نواسی کے لئے محبت میں وہ اتنی ہی نرم اور وسیع القلب تھیں، بس حمت کے لئے ان کا دل تنگ پڑ جاتا تھا۔

''کبھی کبھی چہرہ دکھا جایا کرو، دل اداس پڑ جاتا ہے میرے بچے!'' بی جاناں نے اس کا ماتھا چوما تو وہ ان کے قریب ہی دوزانو گھاس پہ بیٹھ گیا۔

''اب آتا رہوں گا بی جاناں!'' اس کے انداز میں کچھ سنجیدگی تھی، کسی خاص بات کی شروعات سے پہلے والی، بی جاناں نے اس کی سنجیدگی کو اپنی گہری نگاہ سے ٹٹولا تھا، وہ یقیناً کسی خاص بات کے لئے آیا تھا۔

''کیا بات ہے شاہوار خان، کچھ کہنا چاہتے ہو کیا؟'' بی جاناں سے اس کی خاموشی برداشت نہیں ہو سکی تھی، وہ کچھ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا تھا، پھر اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا، اس کی نظریں تواضع کے لئے رکھے گئے میوہ جات پہ نہیں تھیں، وہ دور اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی حمت کو دیکھ رہا تھا، پھر جو وہ بات کہنے آیا تھا، لحظہ بھر کے لئے بھول گیا، حمت کے چہرے پہ کھنڈی اداسی بہت دور سے بھی دکھائی دیتی تھی۔

''بی جاناں! حمت کافی بڑی نہیں ہو گئی؟'' اس کی نظریں محسوس کر کے بی جاناں بھی چونک گئی تھیں، حمت کا خیال ان دونوں بھائیوں کو کم کم ہی آتا تھا، اس وقت حمت کا ذکر بی جاناں کو عجیب ہی لگا تھا، ان کے ماتھے پہ ناگوار سلوٹوں کا جال سا بن آیا۔

''لڑکیاں بڑھتے دیر تو نہیں لگتی۔'' انہوں نے غیر جانبدارانہ تبصرہ کیا تھا، شاہوار چند پل کے لئے کچھ سوچتا رہا، پھر جب وہ بولا تو اس کی بات سن کر بی جاناں کو دھچکا لگا تھا، شاہوار اور حمت کے لئے اس انداز میں سوچے؟ اتنی گہرائی کے ساتھ؟ ان کے لئے یہ بات ہضم کرنے والی نہیں تھی۔

''تو پھر آپ نے حمت کے لئے کچھ سوچا نہیں؟'' شاہوار کا انداز لاپروائی والا نہیں تھا، کیا وہ

ان سے حمت کا موضوع ڈسکس کرنے آیا تھا؟ حد تھی کیا؟ بی جاناں کی آنکھوں میں ناگواری بڑھتی چلی گئی تھی۔

''کیا سوچنا ہے؟'' انہوں نے ناگواری دبا کر پوچھا۔

''اس کی شادی کے بارے میں۔'' شاہوار کے اگلے الفاظ بی جاناں کو سخت حیران کر گئے تھے، ان کے گمان میں بھی نہیں تھا، شاہوار ان سے حمت کی شادی کے بارے میں بات کرلے گا، انہیں حیرت کا شدید جا بک پڑا تھا، وہ لمحہ بھر کے لئے گم صم رہ گئی تھیں، بھلا حمت کے لئے اس انداز میں سوچنے کی جرأت کیوں کی گئی؟ کیا حمت اس قابل تھی؟

''اس کی شادی کرنا ضروری نہیں۔'' انہیں دوٹوک یہ بات کردینی چاہیے تھی، تاکہ شاہوار مزید اس موضوع کو طول نہ دے سکے، بی جاناں کی ناگواری کو سمجھ لے۔

''کیوں ضروری نہیں؟'' ایک اور سوال۔

''شاہوار! تم کوئی اور بات نہیں کرسکتے؟'' بی جاناں جیسے زچ ہو اٹھی تھیں۔

''کوئی اور بات؟ کیا یہ بات نہیں؟'' وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

''تمہیں حمت سے کیسی ہمدردی ہوگئی؟ حد ہے شاہوار؟'' ان کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

''ہمدردی کیسی؟ کیا وہ ہماری ذمہ داری نہیں؟'' شاہوار کا انداز نرم تھا، احساس دلاتا ہوا۔

''کیا سبا خانہ اور نیل بر ہماری ذمہ داری نہیں؟'' بی جاناں کا انداز چبھتا ہوا تھا۔

''نیل بر اور سبا خانہ کی بات مت کریں، ان کے لئے سوچنے والے بہت ہیں، میں تو حمت کی بات کررہا ہوں۔'' اب کہ اس کا لہجہ پہلے سا نرم نہیں تھا۔

''تم پر اچانک ہی حمت کی فکر کا بخار چڑھ گیا ہے۔'' بی جاناں کا غیض بڑھ گیا، وہ اپنے غصے کو بمشکل ہی دبا رہی تھیں۔

''اچانک نہیں، کچھ دن پہلے سے، آخر ہم اس کی فکر نہیں کریں گے تو کون کرے گا، سردار بابا کو تو احساس نہیں۔'' شاہوار کسی قدر تلخ لہجے میں بولا تھا۔

''تو پھر رشتہ بھی ڈھونڈ لیتے۔'' بی جاناں نے صاف جھنڈی دکھاتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ کام آپ ہی کرسکتی ہیں۔'' شاہوار کچھ ناگواریت سے کہہ رہا تھا۔

''اپنے خاندان میں تو کوئی نہیں، صندیر اور تمہارے سوا۔'' بی جاناں کا لہجہ معنی خیز ہوگیا، شاہوار لمحہ بھر کے لئے چونکا تھا، پھر جھنجلا گیا۔

''آپ بھی نا۔'' اس کا موڈ بدل گیا، بی جاناں کو بھی مزہ آیا تھا، اب شاہوار ہوا تھا نا زچ۔

''تو پھر کہاں سے ڈھونڈوں، جب کوئی مل گیا تو کرلیں گے۔'' بی جاناں نے بات ختم کرنا چاہی شاہوار نے بھی بحث نہیں کی تھی، بی جاناں کو بھی منہ بند کرنے کا بہت طریقہ آتا تھا۔

کافی دیر دونوں کے درمیان خاموشی کی چادر تنی رہی تھی جسے بی جاناں نے ہی توڑا تھا۔

''تم نے کوئی ضروری بات کرنا تھی؟'' ان کے احساس دلانے پہ شاہوار کو بھی خیال آگیا، وہ جس کام کے لئے آیا تھا، وہ تو ذہن میں نہیں رہا تھا، اب اچانک یاد آگیا۔

''مجھے آپ سے کہنا تھا، ذرا صندیر صاحب کو سمجھا دیں، ہر ایک کو ناک تک عاجز کرنے میں

اسے نہ جانے کیا مزہ آتا ہے۔'' شاہوار ناگواری سے بولا تو بی جاناں چونک گئی تھیں۔

''اب کیا ہوا؟''

''سروئیر آفیسر آیا ہے ہمارے علاقے میں، اسلام آباد سے ٹرانسفر ہو کر، اس کے ساتھ پنگا لے رہا ہے، اس کو سمجھا دیں، ہم مہمانوں کے قدردان مشہور ہیں۔'' شاہوار کے کہنے پہ بی جاناں کو سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا۔

''اور وہ سروئیر آفیسر بھی اپنی لائن سیدھی رکھ کر کام کرے، ہمارے معمولات میں ٹانگ مت اڑائے ورنہ اس کے لئے اچھا نہ ہوگا۔'' بی جاناں کا نخوت بھرا لہجہ شاہوار کو ٹھنڈا کر گیا تھا، جب بی جاناں کے ایسے ارادے تھے تو ان کا پوتا کیوں کر پیچھے رہتا؟ وہ ان سے بھی چار ہاتھ آگے تھا۔

☆☆☆

پھر امام واپس چلا گیا اور شانزے حیران پریشان رہ گئی تھی۔

جانے سے پہلے وہ سرسری انداز میں خدا حافظ کہنے آیا تھا، امام کا رویہ شروع سے ہی کچھ احساس دلانے والا نہیں تھا، ہمیشہ لیا دیا سا ہی رہا، یہ تو شانزے کے جذبات تھے، جو وہ امام کے لئے خاص انداز میں سوچتی تھی، ورنہ امام نے کبھی بھی حوصلہ افزائی تو نہیں کی تھی، کوئی وعدہ کوئی پیمان نہیں باندھا، پھر شانزے کیوں لاحاصل چاہت کے پیچھے بھاگ رہی تھی؟ آخر کیوں؟ اس کے جذبات اتنے ارزاں تھے؟ اس کے احساسات اتنے بے مول تھے، جو وہ خواہ مخواہ لٹائے جا رہی تھی؟ امام کے سرد رویے نے شانزے کو بھی اندر تک سرد کر دیا تھا۔

اسے بھی جیسے ضد ہو چلی تھی، ٹھیک تھا، اگر امام خود سے اس کے قریب نہ آتا تو اسے بھی خیرات میں نظر التفات نہیں چاہیے تھی، اگر وہ اسے نظر انداز کرتا تھا تو اس نے بھی امام کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور جیسے ہی وہ فیصلہ کیا، اندر سے اضطراب کی ایک ایک لہر نکل گئی تھی، وہ جو ایک کانٹا سا چبھن دیتا تھا اس سے آزادی مل گئی تھی۔

اب وہ کومے کے پورشن میں بھی کم کم جاتی تھی، ایک دن کومے ناراضگی کی گٹھڑی اٹھا کر ادھر آ گئی، اسے شانزے پہ شدید غصہ تھا، وہ اتنے دن سے نہیں آئی تھی، نجانے کہاں غائب تھی؟ شانزے کومے کو دیکھ کر ساری اندرونی کشمکش دبائے باہر آ گئی، اس نے فیصلہ کیا تھا وہ کومے پہ کچھ بھی ظاہر ہونے نہیں دے گی۔

''مجھے لگا تم مایوں بیٹھ گئی ہو، سوچا پتا کر آؤں کہیں بالا ہی بالا پیا دیس نہ سدھار جاؤ۔'' کومے کا انداز سخت برہم تھا، آنکھوں میں خفگی، چہرے پہ غصہ تھا۔

''اتنی بھی بے تاب نہیں میں، چھپ چھپا کر راتوں رات پیا دیس بھاگ نکلوں۔'' شانزے نے اپنا انداز ہلکا پھلکا بنا لیا تھا، وہ کومے پہ کچھ ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھی، اسے کیوں بتاتی اس کے بھائی کا روڈلی بی ہیوئیر شانزے کے لئے کتنا تکلیف دہ تھا، وہ اپنے اور اس کے درمیان موجود رشتے کو کسی خاطر میں نہیں لا رہا تھا، کیا وہ اس رشتے کی اہمیت کو صفر کرنا چاہتا تھا یا اس نے اپنے لئے اور جہان تلاش کر لئے تھے، پھر رشتہ بھی کیا تھا؟ شاید کچھ بھی نہیں، بچپن کے مذاق مذاق میں بنائے گئے بندھن۔

''تمہارا کوئی بھروسہ بھی نہیں۔'' کومے نے اسے سوچوں کے سمندر سے کھینچ نکالا تھا۔
''تمہیں میں ایسی ویسی لگتی ہوں۔'' شانزے نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔
''لگتی تو نہیں ہو، مگر ہو سکتی ہو۔'' کومے نے مسکراہٹ دبا کر کہا تھا۔
''بکو نہیں، اپنے بھائی کی طرح بنتی جاتی ہو تم۔'' شانزے نے اسے جھڑک دیا تھا۔
''مطلب؟'' اسے اچنبھا ہوا۔
''مطلب، کمینی یعنی کومے کمینی۔'' شانزے نے اس کو جان بوجھ کر چڑایا تو وہ اس پہ کشن پھینکتی خفا ہو گئی۔
''تم مجھے اور میرے بھائی کو کمینہ کہہ رہی ہو۔'' اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو چکا تھا۔
''اس میں کوئی شک ہے کیا؟'' شانزے نے اسے اور بھی چڑایا تھا۔
''صرف کمینہ ہی نہیں، بے مروت بھی۔'' اس نے مزید ٹکڑا لگایا تو کومے کے صبر کی انتہا ہو گئی۔
''اچھا...... اچھا تو ہم کمینے اور بے مروت ہیں۔'' کومے نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔
''تو اور کیا ہو؟ ذرا اپنے بے مروت بھائی سے پوچھنا، حسین برفیلی وادیوں سے اتنا بیزار ہو کر کیوں آیا ہے؟'' اس کے غصے کی وجہ بالآخر کومے پہ منکشف ہوئی تو وہ بے ساختہ اپنے بھائی کی صفائی میں بول اٹھی تھی۔
''یار! کہاں تو، بس کام کا برڈن تھا، دیکھا نہیں بھائی آیا اور چلا بھی گیا، ابھی اسے دیکھ کر دل بھی نہیں بھرا تھا۔'' کومے امام کے لئے ڈھیر سارا اداس ہوتی نم نم سا مسکرائی تھی، تب ہی ہمان بھی اس کے پیچھے آ گیا تھا۔
''تو مجھے دیکھ لو، رج رج کے دیکھو، جتنا مرضی دیکھو، دل بھر گیا تو بتانا، پھر اپنی صورت کسی اور کو دکھا دوں گا۔'' ہمان نے کومے کو سر پہ چپت لگائی تو اس نے خفگی بھرے لہجے میں کہا تھا۔
''تم امام بن کر تو دکھاؤ۔'' اس کا انداز خاصا ناگواری لئے ہوئے تھا، جیسے ہمان کی مداخلت بری لگی تھی۔
''امام بنوں؟ کیوں بھئی، امام بننے کے بعد پھر امامت کروانی پڑے گی، یہ کام میں نہیں کر سکتا۔'' ہمان نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔
''تم نے عید کی نماز کبھی نہیں پڑھی، امامت کرواؤ گے کیا، کبھی نہیں اور تمہیں کوئی امام بنائے گا بھی نہیں۔'' کومے چڑ کر رہ گئی تھی، ہمان ہمیشہ غلط موقع پہ انٹری دیتا تھا۔
''گھر میں میری کوئی عزت نہیں، لوگ مجھ سے فیصلے کرواتے ہیں۔'' اسے بے طرح دکھ نے گھیرا تھا۔
''لوگ تو پاگل ہیں، تم مشین ٹھیک نہیں کر سکتے، فیصلے کیا خاک کرو گے۔'' کومے کا جواب بھی اس کی طرح احمقانہ تھا، ہمان ترنت بول اٹھا۔
''مائی سلی لیڈی! میں آپ کی اطلاع کے واسطے سول جج ہوں، موٹر میکنک نہیں۔'' ہمان کے

جتلانے پہ کوے ایک نئی بحث میں الجھ گئی تھی اور شانزے دل ہی دل میں پرسکون ہو گئی کہ کوے کا دھیان کم از کم اس سے ہٹ چکا ہے۔

☆☆☆

''تمہاری وجہ سے مجھے اتنی خواری اٹھانی پڑی ہے، اپنے بڑے بھائی اور بھابھی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔'' فرح شدید جھلاہٹ میں مبتلا کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی، ولید جو کمپیوٹر پہ بزی تھا، چونک گیا، پھر ان کی جھلاہٹ کو پا کر اپنی جگہ سے رخ موڑ کر سیدھا ہوا تھا۔

''شرمندگی کیسی، ہر بندے کو اپنی پسند سے زندگی گزارنے کا حق ہے۔'' اس کا انداز نرم تھا، سمجھاتا ہوا فرح کی جھلاہٹ بڑھ گئی تھی۔

''کبھی کبھار رشتے داری کے تقاضے نباہنے پڑتے ہیں۔''

''معاف کیجئے گا ممی! رشتے داری کے تقاضے زندگی برباد کر کے نہیں نباہے جاتے۔'' ولید کا جملہ فرح کو بری طرح چبھا تھا۔

''زندگی، برباد کہاں سے ہوتی؟ عینی میں کیا کمی تھی؟'' ان کے دل کی جلن باہر آ گئی تھی۔

''اُف وہی بات، میں نے کب کہا، عینی میں کوئی کمی تھی، بس میں نے عینی کے بارے میں سوچا نہیں کبھی۔'' ولید کا انداز چڑچڑا تھا۔

''سوچ لیتے تو بہتر تھا، پھر بھی پچھتاتے نا۔'' فرح کا اپنا دل اسٹائلش سی عینی میں اٹک گیا تھا۔

''میں اب بھی نہیں پچھتاؤں گا۔'' ولید کا لہجہ پریقین اور اٹل تھا۔

''دیکھتے ہیں پھر، تم کب تک اپنے فیصلے پہ قائم رہتے ہو۔'' فرح کی بات پہ ولید کا دماغ گھوم گیا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں کوئی غیر مستقل مزاج ہوں؟''

''میں نے کب کہا۔'' فرح کو بات بدلنی پڑی تھی۔

''میں تو یہ کہہ رہی ہوں، تم نشرہ کے ساتھ چل سکو گے؟''

''نشرہ میں کوئی کمی نہیں، نہ وہ کوئی جاہل اجڈ ہے، بس اسے موقع نہیں دیا گیا، ماحول بدلے گا، حالات بدلیں گے تو نشرہ میں بھی تبدیلی آئے گی۔'' ولید پرامید تھا اور پریقین بھی، فرح نے گہرا سانس لیا، جیسے اس بیکار بحث کو سمیٹنا چاہا تھا، کیونکہ اس مباحثے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، ولید نے ایک فیصلہ کر لیا تھا، اب وہ اس فیصلے سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا، وہ من مانی پہ آتا تو نبھانے کیا کرتا، فرح کو بھی اکلوتے بیٹے کی ضد کے سامنے ہار ماننا پڑی تھی، لیکن جب جب وہ عینی اور نشرہ کا موازنہ کرتی تھیں تو ان کا دل عینی کی طرف جھک جاتا تھا، نشرہ ان کی من چاہی کبھی نہیں تھی، بس یہ ولید کی ضد تھی۔

''ویل...... کیا پروگرام ہے آپ کا؟'' ولید نے خود بات بدل دی تھی، فرح کا دھیان کہیں اور تھا، اس لئے چونک گئی تھیں۔

''کیسا پروگرام؟'' انہوں نے بے خیالی میں پوچھا تھا۔

''کیا شاپنگ کے لئے نہیں جانا؟'' ولید نے صاف انداز میں جتایا تھا، فرح گہرا سانس بھر کے رہ گئیں۔

''ہاں جانا تو ہے۔'' ان کا انداز کھویا کھویا سا تھا، وہ کچھ اور سوچ رہی تھیں، بھلا کیسے ولید اور نشرہ کی منگنی کا فنکشن اسی گھر میں منعقد کرتیں، گو کہ مسئلہ تو کوئی بھی نہیں تھا، اس گھر میں ان کا بھی حصہ موجود تھا، تاہم بھابھی اور عینی کے سامنے؟ انہیں بڑا آکورڈ سا لگ رہا تھا، وہ اسی موضوع پہ ولید سے بات کرنا چاہتی تھیں، تبھی گلا کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''فنکشن کا کیا پلان ہے؟''

''مطلب؟'' وہ والٹ چیک کرتا چونک گیا تھا۔

''تم کوئی ہوٹل بک کروالو۔'' فرح نے صاف انداز میں جتلایا تھا، ولید گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔

''کیوں نہیں، اس میں کیا پرابلم ہے، ہوٹل کا ارینج کروالیں گے۔'' ولید مطمئن تھا، پھر اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

''آپ گاڑی میں بیٹھیں، میں نشرہ کو بلا کر لاتا ہوں۔''

''کیا نشرہ بھی جائے گی؟'' فرح اٹھتے اٹھتے ٹھٹک کر رک گئیں تھیں، ولید نے گردن موڑ کر ماں کی طرف دیکھا تھا، پھر سر ہلا کر بولا۔

''ہاں جی، اس کا جانا ضروری ہے، اپنا ڈریس خود پسند کرلے، پہننا تو اس نے ہے۔'' ولید نے کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا، وہ ایسا ہی تھا، آزاد اور روشن خیال، فرح بمشکل غصہ ضبط کر سکی تھیں، ابھی سے اس بدھو کو سر پہ بیٹھا رہا تھا، بعد میں بھلا وہ کیا کرتی؟ کیا وہ نہیں جانتی تھیں، نشرہ کتنی مکار ہے؟ بھابھی نے انہیں نشرہ کی چالاکیوں کا بتا رکھا تھا، مظلومیت کا سوانگ بھر کے ان کا بیٹا نہیں چرا چکی تھی؟ وہ نشرہ کی ہر مکاری سے واقف تھی اور ان کا احمق بیٹا، ابھی سے اس فضول لڑکی کو پروٹوکول دے رہا تھا، بعد میں جانے کیا کرتا؟

''اس کی چوائس بھلا کیا ہو گی؟ اس نے مارکیٹ کا منہ تک نہیں دیکھا، اسے کیا خبر، فیشن میں کیا ان ہے؟'' فرح اپنی جلن نکالنے سے باز نہیں آئی تھیں۔

''دماغ اور عقل تو رکھتی ہے نا، فیشن کا پتا نہیں تو لگ جائے گا، دیکھنے سے ہی سمجھ بوجھ آتی ہے۔'' ولید دوٹوک لہجے میں بولتا سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا تھا، اوپر فرح دیر تک سلگتی رہی تھیں، ولید کے جواب پہ انہیں بے طرح سے غصہ آرہا تھا، وہ شدید جھلاہٹ میں مبتلا تھیں۔

''ٹھیک کہا تھا بھابھی نے، اس چنڈال نے ولید پہ جادو پھونک رکھا ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتی پرس اٹھا کر نیچے چلی گئیں۔

☆☆☆

ولید کو اندازہ نہیں تھا، نشرہ کو شاپنگ پہ لے کر جانا ماؤنٹ ایوریسٹ سر کرنے کے برابر تھا، وہ جیسے ہی نشرہ کو تلاش کرتا نیچے آیا وہ اسے بمشکل ہی اسٹور روم سے مل سکی تھی، بستر کے ڈھیر ترتیب دیتی اور گندے لحاف، تکیوں، کشنز وغیرہ کے کور اتار کر دھونے کے لئے الگ رکھتی بے انتہا

مصروف تھی، جیسے ہی تائی نے ولید کو سٹور روم کی طرف بڑھتے دیکھا تھا، وہ چیل کی طرح لپکتی وئی اس کے پیچھے آ گئی تھیں۔

یعنی اس گھر میں یہ سین بھی چلنے تھے، منگنی سے پہلے کے میل ملاپ، آنکھ مٹکے؟ تائی کا اشتعال اُمڈ اُمڈ کر باہر آ رہا تھا، ایک تو ولید کا ہاتھ سے نکل جانے والا صدمہ تھا، اوپر سے نشرہ کے نصیب کی بخت آوری کا غصہ، وہ تو لال لو، لال ہو گئیں۔

ولید جو سٹور روم کے دروازے میں کھڑا نشرہ سے کچھ کہہ رہا تھا، آخر کیا کہہ رہا تھا؟ تائی نے کن سوئیاں لینے کے لئے تھوڑا فاصلے پہ رک جانا بہتر خیال کیا تھا، ان کے کان کھڑے تھے سماعتیں الرٹ تھیں۔

''تم ابھی تک فارغ نہیں ہوئیں۔'' ولید نے خفگی سے کپڑوں کے میلے ڈھیر کو دیکھ کر کہا تھا، پھر نشرہ کی حیران آواز آئی۔

''نہیں، کوئی کام تھا کیا؟'' وہ گھبرائی گھبرائی سی بول رہی تھی۔

''شاپنگ کے لئے جانا تھا۔'' ولید نے بتایا، نشرہ کچھ اور گھبرا گئی تھی۔

''میرا جانا کیا بہت ضروری ہے؟''

''ہوں...... بہت۔'' ولید نے اس کی گھبراہٹ سے مزہ لیا تھا، تائی سے مزید سنا نہیں گیا، انہوں نے فوراً انٹری ماری تھی۔

''یہ تم نشرہ کو کہاں لے جانے کی بات کر رہے ہو؟'' انہوں نے ماتھے پہ بل ڈال کر پوچھا تھا، جب سے ولید نے نشرہ کا نام لیا تھا تب سے تائی کے دل میں ولید کے لئے کوئی نرمی نہیں بچی تھی، وہ اس سے بہت اکھڑے انداز میں بات کرتی تھیں، جس کی ولید کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

ولید نے انہیں رسان سے بتایا تھا مگر وہ ایسے بھڑکی جیسے بھڑ نے ڈنک مار دیا ہو، ان کی آنکھوں میں پہلے حیرت اور پھر شدید غصہ اُمڈ آیا تھا۔

''ارے، شریف خاندانوں میں چونچلے نہیں ہوتے۔''

''تو کون سے چونچلے شریف خاندانوں میں ہوتے ہیں۔'' ولید کا انداز اب بھی نرم تھا، تائی کا پارہ چڑھتا گیا۔

''ہمارے ہاں یہ میل جول، منگنی سے پہلے ہی بازاروں میں گھومنے کا رواج نہیں۔'' ان کا لہجہ خاص چبھتا ہوا تھا، وہ ایسی نظروں سے نشرہ کو دیکھ رہی تھیں جیسے وہ کوئی گناہ کر کے بیٹھی تھی۔

''ہمارے ہاں کزنز کے ساتھ تو گھومنے کا بڑا رواج ہے۔'' ولید نے بڑے ملائم انداز میں عینی پہ صاف چوٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بس ہونے والا منگیتر کے ساتھ نہیں، حالانکہ اس کی ماں بھی ساتھ جا رہی ہے۔'' اس نے چبا چبا کر بولتے ہوئے تائی کا منہ بند کروا دیا تھا، یوں کہ تائی کا ہر اعتراض ختم ہو گیا، وہ اپنا سا منہ لے کر بڑبڑاتی رہ گئیں تھیں۔

''یہ پھیلاوا کون سمیٹے گا؟ اتنا کام کون کرے گا؟ مشین بھی لگا رکھی ہے۔'' وہ کاموں کا انبار دیکھ کر بوکھلا رہی تھیں، تخت پہ لیٹے نومی نے ان کی تقریر سنی اور مسکراتا ہوا چوٹ کرنے سے باز نہیں

آیا تھا۔

''آج کے دن عینی سے کہیں، وہ اپنے نازک ہاتھوں کا استعمال کر لے، ذرا سے کپڑے دھو دے گی تو ہاتھ نہیں ٹوٹیں گے۔'' نومی نے ماں کو جان بوجھ کر تپایا تھا، وہ پہلے سے تپی بیٹھی تھیں، ایک دم چڑ گئیں۔

''عینی سے ہوگا کیا؟ اتنے کپڑے ہیں، حد نہیں، اس کی تو کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''تو نشرہ کی کمر کیا فولاد کی بنی ہے؟'' نومی نے بڑی معصومیت سے سوال کیا تھا، تائی نے اپنی چپل اتار کر اس کی طرف پھینکی تھی، وہ مسکراتا ہوا چپل کیچ کرتا اونچی آواز میں چلایا۔

''امی آپ آؤٹ ہو گئیں۔'' اس کے چلانے پہ تائی کا غصہ اور بڑھ گیا تھا، نشرہ کی جگہ اب نومی زیر عتاب تھا، وہ اپنی اگلی پچھلی ساری کسر نومی پہ نکال رہی تھیں، آخر کسی پہ تو غصہ نکلنا ہی تھا، ورنہ اس ہائی ہوتے بلڈ پریشر کا کیا کرتیں؟ دوسری طرف نشرہ ولید کے اصرار پہ شاپنگ مال آ تو گئی تھی تاہم پھپھو کی موجودگی میں اس پر شدید گھبراہٹ طاری تھی، اوپر سے پھپھو کا رویہ بڑا روکھا اور سرد تھا۔

جب سے ولید نے نشرہ کے لئے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا سب سے ہی پھپھو کا لب ولہجہ اور انداز بدل گیا تھا، جس محبت سے وہ عینی کو بلاتی تھیں، وہ نرمی اور محبت نشرہ کے لئے مفقود تھی، یہ بات نشرہ نے کئی مرتبہ نوٹ کی تھی، پھپھو اسے پسند نہیں کرتی تھیں اور ولید کی ضد پہ مجبور ہو گئی تھیں، نشرہ کے لئے یہ احساس بہت تکلیف دہ تھا، وہ تائی کی نفرت سہتے سہتے تھک چکی تھی، اگر آگے بھی تائی جیسی ساس ملتی تو اس کا کیا بنتا؟ نشرہ کے لئے یہ سوچ ہی سوہان روح تھی اور اس وقت بھی پھپھو کا رویہ بڑا الیا دیا سا تھا۔

جب ولید نے ایک خوبصورت کامدار ڈریس کو نشرہ سے پوچھ کر فائنل کیا تب پھپھو کے الفاظ نشرہ کی آنکھیں بھگو گئے تھے، وہ ہونٹ چباتی اپنی خفت کو مٹانے کے لئے سر جھکا گئی تھی۔

''ساری عمر سیل کے کپڑے پہننے والی کو کیا پتا، تم جو مرضی خرید لو، اسے پسند آ ہی جائے گا، اس کی بھلا کوئی پسند ہے؟'' پھپھو کے یہ الفاظ بہت دھیمے تھے، جیسے وہ زیر لب بڑبڑاتی ہوئی محض نشرہ کو سنا رہی تھیں اور نشرہ کے کانوں سے اس قدر تذلیل پہ دھواں نکلنے لگا تھا، وہ مارے زہانت کے پھر پوری شاپنگ کے دوران نہیں بولی تھی اور اس کی چپ ولید کو پریشان کر رہی تھی۔

☆☆☆

ستاروں سے بھرا دھانی آنچل سایہ فگن تھا۔

خوبصورت رات میں اتری جگنوؤں کے بارات سے پورا ہال چمک رہا تھا، ہر طرف رنگ و بو کی فراوانی تھی، مہمانوں کی چہل پہل اور رونق کا الگ ہی سماں تھا۔

فرح پھپھو ساڑی پہن کر بڑی تمکنت کے ساتھ مہمانوں کا استقبال کر رہی تھیں، ان کے چہرے پہ کافی دنوں بعد مسکراہٹ نظر آ رہی تھی، گو کہ یہ مسکراہٹ بھی مصنوعی لگتی تھی، پھر بھی مقام شکر تھا کہ مسکرا تو رہی تھیں۔

فنکشن میں تایا اور چچا بھی موجود تھے اور اپنی اپنی بیویوں کی نسبت خاصے خوش دکھائی دے

رہے تھے، حتی کہ عینی بھی تھی، گو کہ اس کے تاثرات بہت سپاٹ تھے، لیکن نشرہ کے لئے اس کی شمولیت بڑی حیران کن تھی، عینی کا آجانا بڑے اچنبھے کا باعث تھا۔

تائی البتہ اپنے تاثرات چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتی تھیں، اب بھی رشتہ دار خواتین کے پاس بیٹھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

''ہمیں نہ آئیں ایسی چالاکیاں، دیکھو، تو ولید کو مٹھی میں دبا کر مہارانی آج اسٹیج پہ بیٹھی ہے، لوگوں کے نصیب دیکھو، کتنے بلند نکلے۔'' تائی اپنی کسی پرانی سہیلی کے سامنے زخم ادھیڑ کر بیٹھی تھیں، سہیلی بھی ان کو ہم مزاج تھی، تو ہ لینے اور چٹخارا بھر جانے میں کیسے پیچھے رہتی؟

''تم نے لڑکا ہاتھوں سے نکلنے کیوں دیا؟ اپنی عینی میں کوئی کمی تھی کیا؟''

''ارے، ولید کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی تھی، اس چنڈال لڑکی نے، اپنی مظلومیت اور یتیمی کے قصے سنا سنا کر پھانس لیا۔'' تائی تو بھری بیٹھی تھیں، ایک دم پھٹ پڑیں۔

''تم نے اس پہ نظر رکھنی تھی۔''

''ارے کیا خاک رکھتی، اس نے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی، دوستی عینی کے ساتھ اور منگنی اس نشرہ کمینی کے ساتھ۔'' تائی کا دل بھرا اٹھا تھا۔

''یہ تو کھلا دھوکا ہوا؟'' بڑے تاسف کا اظہار کیا گیا تھا۔

''بس کیا کروں، خنجر گھونپ دیا سینے میں، نند بھی مجبور ہو گئی، بیٹے نے دھمکا رکھا تھا بے چاری کا۔'' تائی کا بھونپو آن تھا، جب فرح اور ولید اسٹیج پہ پہنچ گئے، سجی سجائی نشرہ آج پہچانی نہیں جا رہی تھی، بڑا روپ چڑھا تھا، بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

فرح نے جب انگوٹھی پہنائی تو تالیوں کا شور بلند ہوا تھا، تب ہی تائی نے بھی ہڑبڑا کر اسٹیج کی طرف دیکھا تھا اور دل پہ آرے سے چل گئے تھے، چہرہ بگڑ گیا۔

''ہونہہ، دیکھنا تو کبھی خوش نہیں رہے گی، میری بیٹی کا دل تڑوا کر اس کی جگہ پہ بیٹھی ہے۔'' تائی نے زیر لب بڑبڑا کر سر جھٹکا تو تب ہی عینی ان کے برابر آ بیٹھی تھی، ماں کی بات سن کر اس نے ترچھی نظر سے انہیں دیکھا، چہرے پہ شدید برہمی کے آثار تھے۔

''اپنا والیم ذرا کم ہی رکھیں، سارے مہمان آپ کی طرف متوجہ ہیں۔'' عینی نے ہاتھ دبا کر ماں کو بری طرح ڈپٹ کر احساس دلایا تھا، تائی نے دائیں بائیں دیکھا اور سر جھٹک دیا۔

''مہمانوں کو تو سنا رہی ہوں، اس مکار لڑکی کی مکاری کا قصہ۔'' ان کا لہجہ تنفر سے لبالب بھرا تھا۔

''ہونہہ، سب لوگ مذاق اڑائیں گے آپ کا، حد ہے امی لوگ سمجھ رہے ہیں، ہم اس فضول نشرہ سے جلتے ہیں۔'' عینی کا لہجہ دبا دبا غصیلا تھا، وہ اپنی ماں کو کیسے سمجھاتی، ادھر ہر کوئی مظلوم نشرہ کی قسمت کھلنے پہ خوش ہو رہا تھا اور امی نے اپنا واویلا مچا کر خود کو مضحکہ بنا رکھا تھا، ہر کوئی یہی سمجھتا، یہ لوگ نشرہ سے جل رہے ہیں۔

''ارے سمجھتے رہیں، ان سب کو بھی تو پتا چلے یہ مظلوم نشرہ تمہارے حق پہ ڈاکہ ڈال کر بیٹھی ہے۔'' تائی کو جیسے کسی کی بھی پرواہ نہیں تھی، عینی کو تاؤ چڑھ گیا۔

''نشرہ کو برا ثابت کرنے کے چکر میں آپ مجھے ڈی گریڈ کر رہی ہیں، اب خاموش ہو جائیں۔'' عینی کا تلخ انداز ملاحظہ کر کے تائی کی آواز تھوڑی دھیمی پڑی تھی۔

''لوگوں کو اس کے کرتوت تو بتانے چاہیے نا؟'' تائی کی سوئی ایک جگہ پہ اٹک گئی تھی۔

''جیسے لوگ تو آپ کی بات پہ یقین کر لیں گے۔'' وہ چڑ گئی تھی۔

''اب اٹھیں، اسٹیج پہ جا کر مووی بنوالیں۔'' عینی نے اصرار کیا تو تائی ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

''میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی، مجھ سے منافقت نہیں ہوتی۔''

''امی پلیز۔'' عینی زچ ہوا ٹھی تھی۔

''آپ جانا بوجھ کر سب کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہیں اور پھر ولید کیا سوچے گا۔''

''سوچتا ہے سوچتا رہے، میری جوتی کو بھی پرواہ نہیں۔'' تائی نے تنفر سے سر جھٹکا ہی تھا جب کوئی بڑے دبے قدموں سے ان کے پیچھے آ کھڑا ہوا، پھر اس نے تائی کے کندھوں پہ نرمی سے دباؤ ڈال کر ان کے کان میں سرگوشیانہ کہا۔

''آپ کی جوتی کو کب کسی کی پرواہ ہوتی ہے آپ کی اس بے حس جوتی کو دے کر بری نہ خرید لوں؟'' بڑی جانی پہچانی آواز تائی کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی، انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا اور دھک سے رہ گئیں۔

☆☆☆

تائی نے نیم رخ سے پیچھے کھڑے اسامہ کو دیکھا اور خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی تھیں، انہیں یقین نہیں آ رہا تھا ان کے پیچھے اسامہ کھڑا ہے، بھلا اسامہ کو کس نے اطلاع دی تھی؟ اس کو کس نے بلایا تھا؟ ان کا دماغ فوراً ہی چکر کھانے لگا۔

کیا عینی کے ابو نے بلایا ہے؟ یا فرح نے؟ ان کا گول گول گھومتا دماغ بری طرح سے کھول رہا تھا، شریانوں میں جما خون آگ کی بھٹی میں پگھل گیا تھا، ان کے ماتھے پہ بل پڑنے لگے، بھنویں تن گئی تھیں، ان کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا اور اسامہ بڑی فرصت کے ساتھ ان کا ایک ایک بدلتا رنگ بڑی ہی دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ کر رہا تھا۔

''اچھا تو پیاری والدہ محترمہ! آپ اس وقت کس عالمی مسئلے کی پیچیدگی میں کھو گئی ہیں، آپ کو میں بھی نظر نہیں آ رہا، ذرا غور سے دیکھیے، مجھے اسامہ جہانگیر کہتے ہیں، آپ کے پیارے شوہر کی پہلی زوجہ محترمہ سے واحد اولاد ہوں، جو اب تک مرحوم ہو چکی ہیں بے چاری، لیکن آپ کو میری ماں قبر میں بھی برداشت نہیں ہوتی، اس وقت بھی میری ماں کو دل ہی دل میں کوس کر اپنی تپش نکال رہی ہیں، دیکھیں والدہ، دل میں مت کڑھیں، کیونکہ آپ کا دل پہلے ہی جل جل کر اور کچھ اعمالوں کی وجہ سے سیاہ کالا ہو چکا ہے، مزید جلائیں گی تو اپنا ہی نقصان کریں گی، میرا مشورہ مانیے تو......''

اسامہ نان اسٹاپ شروع ہو چکا تھا اور تائی کو لمحے کے ہزارویں حصے میں یقین آ گیا تھا کہ ان کے قریب کھڑا کوئی اور نہیں بلکہ اسامہ ہی ہے، ان کے سینے پہ مونگ دلنے والا، اپنی گز بھر لمبی زبان سے منہ بھر بھر کے جواب دینے والا، تو یہ پردیسی قریہ قریہ خاک چھان کر دو دن کے لئے واپس لوٹ آیا تھا۔

تائی کے لیے اسامہ کو ایک پل بھی برداشت کرنا ممکن نہیں تھا، پھر دو دن تو دو سال کے برابر معلوم ہوتے تھے، اسامہ کو دو گھڑی سہنا محال تھا، ایک تو اس کی لمبی زبان، اوپر سے بلا کا منہ پھٹ، انتہا کا بدلحاظ، مجال تھی جو کوئی بھی بات دل میں رکھ لیتا۔

"میں کہتی ہوں زبان بند کرو، اپنے مشوروں سمیت مجھے چلتے پھرتے نظر آؤ۔" تائی نے لب بھینچ کر غصہ اندر اتارا اور بڑے سلگتے لہجے میں بھنا کر کہا تھا، وہ چور نگاہوں سے آس پاس بھی دیکھ رہی تھیں کہ کوئی سن تو نہیں رہا۔

"آپ ذرا فرصت نکال کر میرے ساتھ چلیے گا، کسی آئی اسپیشلسٹ کو آپ کی نظر چیک کراؤں گا، یعنی آپ کو میں چلتا پھرتا نظر ہی نہیں آتا، یہ دیکھیے، ماشاء اللہ میں چلتا پھرتا ہوں۔" اسامہ نے باقاعدہ انہیں کیٹ واک کر کے دکھائی تھی، یوں کہ تائی نے بمشکل زہر کا گھونٹ اندر اتارا تھا، جبکہ آس پاس سے دبی دبی ہنسی کی آواز بھی کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"اسامہ! تو مجھ سے اپنے دانت نہ تڑوا لینا۔" تائی کو دھمکیوں پہ اترنا ہی پڑا تھا۔

"زہے نصیب والدہ محترمہ! یوں تو میری قسمت جاگ جائے گی۔" اسامہ بے ساختہ کھل اٹھا تھا، حد تھی بھئی، اس کمینے کو کوئی بات بری نہیں لگتی تھی، ہر بات کے جواب میں ایک کھلتا ہوا جملہ تیار رکھا ہوتا تھا۔

"تمہاری قسمت نہیں جاگنے والی، ہمیشہ کے لیے سو چکی ہے۔" تائی نے جیسے تمسخر اڑایا۔

"کیا آپ نے اسے نیند کی گولیاں کھلا رکھی ہیں؟" اسامہ کا معصومیت بھرا پھڑکتا سوال تائی کو بے طرح سے تپا گیا تھا۔

"میرا دماغ مت کھاؤ اسامہ! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" تنگ آ کر وہ بس یہیں تک اپنا صبر آزماتی تھیں، پھر ایک دم پھٹ پڑتی تھیں۔

"آپ کا دماغ کوئی کھانے والی چیز ہے؟" اسامہ برا مان گیا۔

"میں تو کڑاہی کھاؤں گا، جلفریزی، شاشلک اور ٹرائفل، آخر میری مظلوم بہن کی منگنی کا طعام ہے۔" اسامہ نے آخر میں طنز کا ٹکڑا لگایا تو تائی کے سیدھا سر پہ جا لگا تھا۔

"ہاں...... ہاں ایک تم مظلوم ہو، ایک تمہاری بہن مظلوم ہے، ہم تو سارے جلاد ہوئے نا۔"

"اس میں کوئی شک ہے کیا؟" وہ بھی تو اسامہ تھا، کیسے خاموش رہ جاتا۔

"اور میں مظلوم کیوں ہوا؟ مظلوم تو وہ ہے، جس کے آج بھاگ جاگ اٹھے، اس قفس سے رہائی کی امید دکھائی دینے پہ میں اسٹیج پہ بیٹھی نشرہ کو غائبانہ مارکباد دیتا ہوں۔" اس نے صاف تائی کا دل سلگایا تھا، ان کا چہرہ تپ اٹھا، تاثرات بگڑ گئے تھے۔

"ہم نے کون سا ظلم کے پہاڑ توڑے تھے اس پہ، پڑھایا لکھایا، ہر ہنر سکھایا، پالنے پوسنے کا خراج کیا لیں گے! اب اچھی جگہ رشتہ بھی طے کر دیا۔" تائی کو اپنے احسانات کی فہرست یاد آ گئی تھی، اس کا موڈ آف ہو گیا۔

"رشتے کی تو بات ہی نہ کریں، آپ اور اپنی رضامندی سے نشرہ کا رشتہ طے کر دیتیں، تو مجھے کوئی سلگتے کوئلوں پہ کھڑا ہو کر بھی کہے تو میں نہ مانوں۔" اسامہ نے ہنستے ہوئے پھر سے واضح چوٹ

کر دی تھی، تائی کا چہرہ اور بھی تپ گیا تھا۔
''تم کیوں مانو گے؟ تم تو خود احسان فراموش ہو۔'' تائی کو اسے جلانے کے لئے بس یہی جملہ میسر آیا تھا۔
''میں کیوں احسان فراموش ہوں، آپ کے احسانات کی بھاری گٹھڑی اپنے کندھوں پہ اٹھا رکھی ہے، کبھی موقع ملا تو اتار دوں گا۔'' اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر انہیں چڑایا تھا۔
''ہونہہ، کہنے کی باتیں ہیں۔'' تائی نے ناک چڑھائی تھی، پھر اسٹیج کی طرف دیکھا اور ان کا دل جل کر خاک ہو گیا، ولید نشرہ کے ساتھ بیٹھا، بہت اچھا لگ رہا تھا، انہیں رہ رہ کے اپنے خسارے یاد آ گئے تھے۔
''آپ کسی دن تنہائی میں بیٹھ کر مجھ پر کیے گئے احسانات کی فہرست سوچیے گا، آپ کو اندازہ ہو جائے گا آپ نے میرے اور نشرہ کے ساتھ کیا کیا ماضی میں کیا ہے۔'' وہ ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ لئے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، بے نیاز سا کھڑا تھا، تائی کو اس کی یہی بے نیازی غصہ دلاتی تھی، ان کی ساری توجہ درہم برہم ہو گئی تھی۔
''میں نے کون سا کالے پانی کی سزا دے ڈالی ہے تمہیں اور اس مہارانی کو۔'' ان کی توپوں کا رخ زیادہ نشرہ کی طرف تھا۔
''اچھا...... تو آج کا دن معاف ہی رکھیں۔'' اسامہ نے سابقہ انداز میں کہا تھا، پھر اسے اچانک کچھ یاد آیا تھا۔
''اوہ...... یہ تو بھول ہی گیا، بائی دا وے آپ سوچ رہی ہوں گی، مجھے کس نے منگنی کی دعوت کا انویٹیشن بھیجا؟ آپ کی بے چینی خود ہی کم کر دیتا ہوں، مجھے آپ کے لخت جگر نے بلایا ہے، جو ہے تو بلا کا کمینہ، مگر اپنا جگر ہے پورا جگر۔'' اسامہ نے دور کھڑے نومی کی طرف اشارہ کیا تو تائی کا دماغ ایک مرتبہ پھر گھوم گیا، یعنی حد تھی، اپنی ہی اولاد آستین کا سانپ نکلی۔
''اس نومی ذلیل کا تو میں بھرکس نکالتی ہوں۔'' تائی نے دل ہی دل میں ارادہ کیا تھا۔
''نہ...... نہ آپ نومی کی کلاس لینے کا بھی مت سوچیے، آپ کو پتا ہے نا، اس گھر میں نومی کا واحد سپورٹر میں ہوں، تن کے کھڑا ہو جاؤں گا۔'' اسامہ نے سینہ ٹھونک کر تائی کو ڈرایا تھا اور وہ اس کے اپنی سوچوں میں گھسنے پر جزبز ہو کر رہ گئیں تھیں، پھر اس کی بات کا اثر زائل کرتے ہوئے بولیں۔
''کتنے دنوں کے قیام کا ارادہ ہے؟'' اس کی مسکراہٹوں کو تائی کا یہ سوال سمیٹ دیتا تھا، لیکن آج بات کچھ اور تھی، اس نے قطعاً برا نہیں منایا تھا۔
''آپ کہیں گی تو پورا سال آپ کے چرنوں میں بیٹھا رہوں گا۔''
''مجھے کیا ضرورت ہے، سر پہ بلا مسلط کرنے کی۔'' انہوں نے ترنت جواب دیا تھا، اسامہ بے ساختہ ہنس پڑا۔
''ایک دن آپ کو میری ضرورت پڑے گی۔''
''وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔'' ان کا انداز نخوت سے بھرا تھا۔

''اتنے دعوے بھی نہیں کرتے۔'' وہ انہیں چڑا رہا تھا۔
''جاؤ، اپنا کام کرو۔'' وہ بے زار ہو گئی تھیں۔
''اپنا کام کرنے ہی جا رہا ہوں، نشرہ کے ساتھ تصویریں بنوانے، آپ بھی آ جائیں، مل کر بنواتے ہیں۔'' اسامہ تائی کو جاتے جاتے بھی چڑانے سے باز نہیں آیا تھا، جبکہ وہ اسے دل ہی دل میں کوستی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

''امارا نانی بہت اچھی دال بناتا تھا۔'' پری بڑے جوش و خروش کے ساتھ باورچی خانے میں کھڑی ساگ کے پتے کاٹتی حمت کو بتا رہی تھی۔
''کبھی جو کھاتا تو انگلی چاٹتا رہ جاتا۔'' پری پہ نانی کی یاد اچانک حملہ آور ہوئی تھی، وہ ایسے ہی آبدیدہ ہو جاتی تھی، ان دنوں کچھ زیادہ ہی نانی کو یاد کر رہی تھی۔
''اور اب نانی کس کو دال کھلاتی ہو گی جنت میں؟'' حمت نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے پوچھا تھا، پری اپنے ہی دھیان میں تھی، ایسے ہی بے ساختگی میں بولی۔
''فرشتوں کو کھلاتا ہو گا۔'' پری کا انداز نہایت سادہ تھا، حمت کو بے پناہ ہنسی آ گئی تھی۔
''آج تمہیں نانی بہت یاد آ رہی ہے؟''
''آہ، یاد کیوں نا آئے، اماری ماں کی ماں تھی۔'' پری نے آہ بھری تو حمت کا قہقہہ چھوٹ گیا تھا، وہ جو اپنے ہی دھیان میں تھی بے ساختہ چونک گئی تھی، پھر برا مان گئی۔
''تم کیوں ہنستا ہے؟''
''ایسے ہی ہنستا ہے، دماغ ٹھیک نہیں۔'' حمت نے بمشکل ہنسی روک کر کہا تھا۔
''او..... ستیاناس، پاگل ہے تم۔'' وہ دھڑا دھڑ اساگ کاٹتی جا رہی تھی، حمت ساگ کے ڈھیر کو دیکھ کر اچانک بولی۔
''یہ ساگ کون کھائے گا؟ میز پہ نظر آیا تو صندیر خان میز ہی الٹ دینے میں دیر نہیں کرے گا۔'' حمت نے پری کو احساس دلایا تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔
''جاناں بی نپٹ لے گا، اسی کی پسند کا ہے یہ بھینسوں کا چارہ۔'' حمت بھی پری کی بات سے متفق ہو گئی تھی، پھر حمت کو کچھ یاد سا آ گیا۔
''تم اپنے بابا سے ملنے نہیں گئی؟''
''سرکار کے بنگلے پہ؟'' پری نے اپنا شغل ترک کر کے پوچھا تھا، حمت نے سر ہلایا۔
''ام جائے گا، بابا نے بھی بلایا ہے۔'' پری نے بتایا تھا۔
''کیوں بلایا ہے؟ ملنے کے لئے؟'' حمت احمقانہ انداز میں بولی۔
''نہیں..... وہاں پہ صاحب واپس آ گیا ہے نا، اس کے واسطے تین چار سالن پکا کر ام فریج میں رکھ آئے گا۔'' پری کی آواز نسبتاً بلند تھی، یوں کہ سیڑھیاں اترتی نیل بر لمحہ بھر کے لئے تھم گئی، پری کے جواب نے اس کے پیروں میں زنجیر ڈال دی تھی، اس سے آگے بڑھنا محال ہو گیا تھا، اس کا دل دھک دھک دھڑکنے لگا، سرکاری بنگلے کے صاحب کا نام سن کر دل کی دھڑکنوں میں جو بے

ترتیمی آئی تھی اس نے نیل بر کی ہتھیلیوں کو نم کر دیا تھا، وہ رک گئی تو یوں لگا، دل بھی لمحہ بھر کے لئے رک سا گیا ہے۔

اس کا دل چاہا وہ پری سے بنگلے کے صاحب کے بارے میں بات کرے، اس سے پوچھے، سوال کرے، لیکن وہ اپنی اس خواہش کو بے ساختہ دبا گئی تھی کیونکہ سامنے ہی وہ جلاد جہاندار نام کی تلوار آ رہا تھا، نیل بر چاہتی تھی اس کے قریب سے کترا کر گزر جائے، یا جلدی سے کچن میں گھس کر حمت سے باتوں میں خود کو مصروف کر لے، کیونکہ ان دنوں اسے جہاندار کی چبھتی، کھوجتی نگاہوں سے خوف آنے لگا تھا، یوں لگتا تھا، جہاندار کی دو آنکھیں اس کے پیچھے لگی رہتی ہیں، اس کی نگرانی کرتی ہیں۔

ابھی وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانا چاہتی تھی جب جہاندار بالکل اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، یوں کہ نیل بر کے گزرنے کی جگہ باقی نہیں بچی تھی۔

''کیا ہے؟'' اسے تن کے کھڑا دیکھ کر نیل بر نے جز بز ہوتے ہوئے پوچھا تھا، وہ خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتا رہا، بولا کچھ نہیں تھا، اس لئے نیل بر بہت جھنجلا رہی تھی۔

''بہت کچھ ہے، سنو گی کیا؟'' اس کا انداز ناقابل فہم قسم کا تھا، نیل بر الجھ سی گئی، جہاندار کو الجھانے کی پرانی عادت تھی۔

''کیا سناؤ گے؟'' نیل بر تپ کر بولی۔

''جو کچھ تم سننا چاہو۔'' جہاندار کا انداز معنی خیز ہو گیا تھا، نیل بر کی الجھن بھی بڑھ گئی تھی۔

''کیا سنانا چاہتے ہو؟'' اب وہ جان چھڑا رہی تھی، کہ جلدی جہاندار ہٹے اور وہ امام کے بارے میں پری سے بات کر سکے۔

''ہر وہ بات جو تم تک پہنچ کر بڑی سنسنی خیز ہو جائے گی۔'' اس کی معنی خیزیت برقرار تھی، نیل بر کی نیلگوں آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی۔

''وہ کیا بات ہے؟''

''ایسے تھوڑی بتاؤں گا۔'' جہاندار واپس اپنے پراسرار خول میں سمٹ گیا تھا، نیل بر چڑ گئی تھی۔

''تو پھر کیسے بتاؤ گے؟'' اس نے نخوت سے پوچھا تھا۔

''بڑے دھماکہ خیز انداز میں۔'' اس کی معنی خیزیت بڑھتی جا رہی تھی۔

''مطلب؟'' اب کہ نیل بر بے ساختہ چونکی۔

''مطلب بھی سمجھا دوں گا، وقت آنے پر۔'' وہ سنجیدگی سے بولتا ہوا کوریڈور کی طرف مڑ گیا تھا اور نیل بر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

اندھیرے چھٹ گئے

ام ایمان

لنچ ٹائم کی بیل پر اس نے بے ساختہ گردن
موڑ کر وال کلاک پر نظر ڈالی، کام میں مسلسل
مصروف نو سے دو بجے تک کا یہ ٹائم کیسے گزرا تھا
اس کا احساس ہی اسے نہ ہوگا، اس کی پچھلے دو دن
کی جانے والی چھٹی کے سبب بہت سا کام جمع ہوا
تھا دو فائلز تو وہ بارہ بجے مکمل کر کے قریشی صاحب
کو بھجوا چکی تھی جبکہ تیسری اور آخری فائل کے
صرف آخری اور اہم مندرجات سکرین سے کاغذ
پر منتقل کر کے اسے تین بجے تک مین برانچ
بھجوانے تھے، سر تو جو دکھ رہا تھا سو دکھ رہا تھا ایک
سکون کا احساس بھی اندر کہیں ہلکورے لے رہا تھا
کہ اس نے مقررہ وقت پر اپنا کام مکمل کر لیا تھا
ہال میں جانے کی بجائے وہ کچھ دیر اپنی چیئر کی
بیک سے سر ٹکا کر بیٹھی رہی پھر اپنا ٹفن کھول کر
سینڈوچ نکال کر کھایا اس میں لذت کے ساتھ
امی کی محبت بھی شامل تھی اس لئے کچھ زیادہ ہی
مزے کا لگا، وضو کر کے اس نے نماز پڑھی، اس
کے ساتھ اس کیبن میں ثانیہ بھی ہوتی تھی جو آج
چھٹی پہ تھی ورنہ ثانیہ کی موجودگی میں اتنی خاموشی
ہرگز نہیں ہوتی تھی، بشیر کی لائی ہوئی چائے نے
ایک بار پھر اسے تازہ دم کیا نتیجتاً وہ چار بجے
فارغ تھی اس اہم کام سے نبرد آزما ہونے کے
بعد اس نے روزمرہ کا کام نپٹایا عصر کی نماز وہیں
ادا کرنے کے بعد ضروری کاغذات سمیٹ کر
درازیں وغیرہ لاک کیں اور باہر آ گئی، فنانس کی
رابعہ بھی اپنے کمرے سے باہر نکلتی دکھائی دی
دونوں سیکنڈ فلور سے نیچے آ گئیں، گزشتہ ماہ سے
آفس کی طرف سے ملنے والی پک اینڈ ڈراپ کی
سہولت نے سارے سٹاف کو نہال کر دیا تھا،
جہاں پہلے وہ مغرب کے ٹائم پہنچتی تھی اب کافی
پہلے پہنچ جاتی تھی۔

''ارے میرا شہزادہ آیا ہوا ہے۔'' بیرونی

مکمل ناول

دروازہ کراس کرتے ہی اسے ریحان کھیلتا نظر آ گیا، اسے گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے وہ لاؤنج کی جانب بڑھی۔

''کب آئے ہو آپ لوگ؟ ماما بھی آئی ہیں کیا؟''

''جی لالہ دن کو آ گئے تھے ہم لوگ، ماما نے کہا دو دن لالہ کے پاس رہیں گے، شہزاد پاپا چھوڑ کے گئے ہیں۔'' اس کے ساتھ چپکے چپکے ریحان نے کان میں اسے ساری تفصیل بتا چکا تھا، لاؤنج میں ہی امی کے پاس بیٹھی سحاب اسے نظر آ گئی، اس سے ملنے میں ایسی مگن ہوئی کہ امی جب کھانا لے کر آئیں وہ چونکی۔

''میں خود ہی گرم کر لیتی امی، خاصی خاموشی ہے گھر میں بھابی نظر نہیں آ رہیں وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔

مجھے دیکھ کر تیوری پہ بل ڈال کے بیگ اٹھا کے بغیر کسی کو بتائے یہ جاوہ جا، اب ہماری امی کی جرأت تو ہے نہیں بہو بیگم سے باز پرس کرنے کی۔'' اس نے سوال پر سحاب نے کہا تو ریحان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''کیا مطلب تیوری چڑھالی ہے انہوں نے، شادی ہو جانے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ماں باپ کے گھر سے بیٹی کا رشتہ ختم ہو گیا، ابا نہیں رہے ہماری امی تو سلامت ہیں ناں پھر کون سا ان کے خاوند کے محتاج بیٹھے ہیں ہم۔''

''افوہ کیا ہو گیا ہے بیٹا! کھانا کھاؤ تم سکون سے، بہو کی تو عادت ہے ہر بات پر منہ بنانے کی، کس کس بات کا غصہ کرو گی تم۔'' امی کے تھکے تھکے لہجے پر وہ جو مزید بولنے کا ارادہ رکھتی تھی چپ رہ گئی۔

''ریحان تم میرے پاس آ جاؤ بیٹا! لالہ کو کھانا کھانے دو۔'' سحاب نے ریحان کو بلایا۔

''نہیں بیٹھنے دو اس کو یہیں۔''

''احمد نہیں آیا ابھی تک، خدا خیر کرے، بیٹا فون کر کے پتا تو کرو ذرا بھائی کا۔''

''چھ ماہ ہو گئے آپ کی بہو کو اس گھر میں آئے اور آپ کے بیٹے کو تیور بدلے پر آپ کو ابھی بھی سمجھ نہیں آئی، بھابی بیگم میکے سدھار گئی ہوں گی اور ان کے شوہر نامدار بھی آفس سے سیدھے وہیں گئے ہوں گے۔''

''کیا بات ہے ریحاب آج آفس میں کام زیادہ تھا کیا جو ہی غصہ اور تھکاوٹ ہم پر اتر رہی ہے۔'' سحاب نے قصداً ہلکا پھلکا لہجہ بناتے ہوئے اس کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

''نہیں کچھ ایسا خاص کام نہیں تھا اور امی احمد بھائی کے نمبر پر کال جا رہی ہے وہ ریسیو نہیں کر رہے، میں نماز پڑھ لوں پھر ایک بار ٹرائی کرتی ہوں۔'' احمد بھائی پر غصہ تھا امی کو افسردہ کب دیکھ سکتی تھی وہ ریحان اس کی گود میں ہی سو گیا تھا، اس کو سحاب کے حوالے کرتے وہ امی سے مخاطب ہوئی، امی بھی اس کے ساتھ ہی نماز کے لئے اٹھ گئیں۔

شکر ہے احمد بھائی کے خود ہی کال کر کے امی کو تسلی کرا دی تھی ریحاب کا اندازہ درست تھا وہ واقعی آفس سے واپسی پر اپنی سسرال گئے ہوئے تھے، سحاب ریحان کو سلا رہی تھی وہ امی کے پاس سونے کا عادی تھا سو اب بھی انہی نے پاس سو گیا، ریحاب نے دودھ سب کو دیا، صبح ناشتے کے لئے آٹا گوندھ کر برتن دھو کر رکھے اور کچن سمیٹ کر امی کے کمرے میں آ گئی، پھر امی کو دوائی دے کر وہ ان کے پاؤں دبانے لگی۔

''سحاب بیٹا! خوش تو ہو ناں، شہزاد کیسا ہے تمہارے ساتھ، رقیہ بیگم زبان کی کڑوی ضرور ہیں پر دل کی بری نہیں ورنہ دوسری بار تمہارا رشتہ لینے

اس چوکھٹ پر نہ آتیں۔"

"پر۔" امی کے لہجے میں ہزاروں خدشات بولتے تھے۔

"جی امی! ٹھیک ہیں سب باتیں چھوٹی موٹی باتیں تو ہر گھر میں ہوتی رہتی ہیں۔" یہ بات اس نے نگاہیں جھکا کر ریحان کو تھپکتے ہوئے کہی مبادا آنکھوں سے چھلکتے کرب سے ہی وہ کوئی راز نہ کھوج لیں۔

"پھر بیٹا! ایسے چپ چپ کیوں ہو! ہنسو بولو۔" امی کی بے قراری پر اس نے گہری سانس لے کر آہستہ سے جی امی کہا اور پھر موضوع ہی بدل ڈالا۔

"امی پھر چچی لوگوں کی طرف سے کوئی بات ہوئی۔" ریحاب کے ہاتھوں کی حرکت ست پڑ گئی۔

"پتا نہیں کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ کیا اتنی گنہگار بندی ہوں میں رب کی کہ وہ ایک کے بعد ایک امتحان میں ڈالتا چلا جاتا ہے مجھے، ابھی تمہاری طرف سے بمشکل سکون کی سانس لی تھی کہ احمد نے پسند کی شادی کر کے برسوں پرانی منگنی کو تو توڑا ہی، بہن کی زندگی بھی داؤ پہ لگا دی، ان کی طرف سے مکمل خاموشی ہے لیکن حسان......" وہ تھک کر چپ ہو گئیں۔

"کیا امی، کیا حسان نے کچھ کہا ہے؟"

"یہی تو پریشانی ہے کہ اس کی طرف سے بھی مکمل خاموشی ہے، ہاں اڑتی پڑتی ایک دو جگہ سے یہی سنا ہے کہ وہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ نہ تو خود رشتہ لیں گے نہ کہیں اور کرنے دیں گے، احمد تو اس دن سے یہ سن کر سخت غصے میں ہے اس نے اور اس کی بیوی نے ایک دو جگہ رشتوں کی بات چلائی ہے، دیکھو حالات کی یہ نیا کس پار لگتی ہے؟" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔

"اچھا اتنی فکر مت کریں، اللہ ہے ناں سب کچھ بہتر کرنے والا، وہ ضرور کوئی راہ نکالے گا، وہ آزماتا بھی تو اپنے پیاروں کو ہے، لوگ تو کسی کو خوش دیکھ ہی نہیں سکتے، آپ ایک دفعہ حسان سے بات کریں کہ اصل بات کیا ہے پھر کسی اور رشتہ میں دلچسپی لیں۔" اس نے امی کے ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی، وہ گہری اور طویل سانس لے کر رہ گئیں، پھر امی کے نیند میں چلے جانے کے بعد دونوں اٹھ کر سحاب کے کمرے میں آ گئیں، ریحاب اور سحاب، سحاب کی شادی سے قبل اسی کمرے میں رہا کرتی تھیں، سحاب کی شادی کے بعد ریحاب ویسے تو اسی کمرے میں ہوتی تھی پر رات کو امی کے پاس آ جایا کرتی تھی۔

"کیا بتاؤں ریحاب! شادی جیسا جوا دوبارہ کھیلا میں نے اور دونوں ہی بار ہار میرا مقدر بن گئی۔" سحاب جو بہت دیر سے صبر کیے بیٹھی تھی ماں کے آگے تو چپ رہ گئی تھی دوست جیسی بہن کے سامنے زیادہ ضبط نہ کر سکی اور شہزاد کے متعلق کوئی سوال پوچھنے پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

"اس نے جذبات میں آ کر مجھ سے شادی تو کر لی پر اپنے ظرف کو وسیع نہیں کر سکا، جان بوجھ کر میری پچھلی زندگی کے حوالے دے دے کر مجھے ٹارچر کرتا ہے، ریحان جس کی شخصیت کو توڑ پھوڑ سے بچانے کے لئے میں اس پل صراط کو پار کرنے میں کامیاب ہوئی آج شہزاد کا رویہ اس کی باتیں ننھے ریحان کے ذہن میں کیسی کیسی نفسیاتی گرہیں ڈال رہی ہیں تم نہیں جانتی ہو؟ ماں ہیں تو وہ مجھ پر احسان جتانے سے باز نہیں آتیں کہ ایک بیوہ کو اپنے کنوارے بیٹے کی زندگی میں لا کر انہوں نے کتنا بڑا احسان کیا ہے اور بیٹے کو میری ہر ادا، ہر کام، ہر مسکراہٹ میں میری

پچھلی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے، میں نہ جی پا رہی ہوں نہ مر پا رہی ہوں، میرا بیٹا اپنی شخصیت کھو رہا ہے، سہتا جا رہا ہے۔'' وہ اپنی زندگی کی پرت پرت کھول کر بہن کے سامنے رکھ رہی تھی۔

''مما! آپ کو ایک بات بتاؤں؟'' کسی سوچ میں گم بیٹھی حجاب کے گھٹنے کو ہلا کر پنکی نے مخاطب کیا۔

''ہوں، کیا ہے پنکی۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئی جیسے پنکی کے ساتھ ساتھ ساری دنیا سے خفا ہو۔

''دادی کہہ رہی تھیں اب میری دو، دو مما ہو جائیں گی، ایک حجاب مما، ایک راحیلہ مما، کتنا مزہ آئے گا ناں مما، میں اپنی ساری فرینڈز کو بتاؤں گا یہ بات کہ میری راحیلہ آنٹی جو مجھے پڑھاتی ہیں، اچھی اچھی چیزیں بنا کے دیتی ہیں، مجھے اپنے پاس سلاتی ہیں، اب میری می بننے جا رہی ہیں۔'' خوشی سے بولتی پنکی کو بولتے یہ احساس ہی نہ ہوا کہ اس کی مما کے آنسو ٹھہر گئے تھے وہ ساکت ہو گئی تھی تو فیصلے کی گھڑی آ گئی تھی۔

رات ہی تو زبیر نے یہ روح فرسا خبر اس کی سماعتوں میں انڈیلی تھی۔

''تم میری محبت ہو حجاب، میری بیوی اور زندگی بھی...... میں مطمئن اور خوش تھا کہ کیا ہوا جو اللہ نے مجھے نرینہ اولاد نہیں دی، صاحب اولاد تو کیا ہے ناں، بعض لوگوں کو تو یہ نعمت بھی نصیب نہیں ہوتی میں نے تمہاری اس کمزوری کو کبھی ایشو نہیں بنایا کہ تم اب ماں نہیں بن سکتی ہو زندگی بھر۔''

''کک...... کیا ہوا زبیر! مجھے پتہ ہے زبیر یہ سب میں آپ کے ان جذبات کی قدر کرتی ہوں پھر آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں دوبارہ۔'' زبیر کے لہجے و انداز میں ایسا کچھ تھا کہ وہ بے قراری سے چونک کر ان کے ہاتھ تھام گئی۔

''لیکن اب مجھے لگتا ہے حجاب میں ہار گیا، اپنی ماں کی محبت کے آگے، ان کی دی قسم کے آگے، وہ اپنی یتیم بھانجی کو میرے ہمراہ ہنستا بستا دیکھنا چاہتی ہیں اپنی مری بہن کے آگے سرخرو ہونا چاہتی ہیں۔''

''یتیم بھانجی کو آپ کے ساتھ بسانا تھا، مری بہن کے آگے سرخرو ہونا تھا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''پھر...... پھر میری زندگی کیوں برباد کی، بے اولاد تو نہیں ہیں ناں ہم لوگ، میں اب ماں کبھی نہیں بن سکوں گی، اس میں میرا کیا قصور ہے زبیر۔'' وہ چیخ کر بولی، نیند میں لیٹی پنکی اس کے چیخنے سے کسمسا گئی۔

''یہ گھر تمہارا ہے، میں تمہارا ہوں حجاب یقین کرو، لیکن میں اپنی چند دنوں کی مہمان ماں کو ناں نہیں کر سکا، یقین کرو تمہاری کوئی حق تلفی نہیں ہو گی، اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہو گا وہ اوپر والے پورشن میں رہے گی۔''

''بس کریں خدا کے لئے بس کریں زبیر، ایک عورت سے اس کا مان سمان، اس کی گرہستی چھین کر آپ کہتے ہیں کہ میں تمہارا ہوں، یہ گھر تمہارا ہے، میں...... میں وعدہ کرتی ہوں کہ راحیلہ کا کہیں بہت اچھی جگہ رشتہ کرا کے شادی کرداں گی آپ یہ ضد چھوڑ دیں۔'' اب وہ غصہ چھوڑ کر لجاجت سے بولی، زبیر اس کی آنکھوں میں آس و امید دیکھ نظریں چرا گئے۔

''بات میری ضد کی نہیں ہے حجاب، میری ماں کی آخری خواہش ہے، وہ میرا وارث دیکھنا چاہتی ہیں۔''

''اور راحیلہ بھی آپ کو بیٹا نہ دے سکی تو، وہ بھی ایک بیٹی دے کر پھر بانجھ ہو گئی تو۔'' اس کی تیز آواز پر وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔

ابا کے ہوتے ہوئے زندگی کے سب رنگ

کلرنگ تھے، بے فکری، خود اعتمادی اور باپ کی محبت جیسے سہاروں کے ہمراہ زندگی کی پرسکون جھیل میں پہلا کنکر سات سال پہلے تب پڑا جب حجاب جو اس وقت بی اے میں تھی کو زبیر نے اپنے دوست کی شادی میں دیکھا اور وہیں دل ہار گیا، ان کی ماں جو یتیم بھانجی کو بہو بنانے کا خواب دل میں لئے بیٹھی تھیں انہوں نے صاف انکار کر دیا لیکن زبیر کی ضد اور راحیلہ کے سمجھانے پر کہ اس کا جہاں نصیب ہوگا وہاں ہو ہی جائے گا سو ہتھیار ڈالتے ہوئے وہ بھی بیٹے کی رضا میں راضی ہو کر حجاب کو بیاہ کر لے آئیں، حجاب اپنے ابا کی بڑی اور لاڈلی اولاد تھی سو سسرال میں بھی لاڈلی ہی بننا اس کی قسمت میں لکھا تھا، بیٹے کا لگاؤ دیکھ کر اس کی ساس بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر اس سے محبت سے پیش آتیں پھر راحیلہ تو تھی ہی وفا و محبت سے گندھی لڑکی اس نے حجاب کو اس گھر میں کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی اور اس کے حصے کا ہر کام خود کر لیا کرتی تھی، پنکی کی پیدائش پر ایک تکلیف دہ خبر ان سب کے لیے یہ تھی کہ حجاب میں کچھ ایسی پیچیدگی پیدا ہوئی تھی کہ وہ دوبارہ ماں نہیں بن سکتی تھی، حجاب پہ جان کر دھک سے رہ گئی اس کی ساس بہت افسردہ ہوئیں پر زبیر کی محبت کا رنگ وہی تھا، آہستہ آہستہ حجاب نے بھی قسمت سے سمجھوتا کر لیا۔

☆☆☆

سحاب کی منگنی ابا نے اپنی مرضی سے اپنے چچازاد بھائی کے گھر کر دی تھی۔

اصل مسئلہ تب ہوا جب سحاب نے شہزاد سے شادی سے انکار کر کے اپنی دوست کے بھائی سے شادی کا عندیہ کیا دیا مانو ابا کے غضب کو آواز دی۔

''میری آزادی اور محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، اس نے احمد کی ماں..... کہہ دو اس سے کہ میری زندگی میں ہرگز ایسا ممکن نہیں ہے چھوڑے یہ پڑھائی وغیرہ جو اسے بے حیائی کا درس دے رہی ہے۔'' وہ غصے میں کف اڑاتے یہاں سے وہاں ٹہل رہے تھے۔

''تعلیم تو شعور دیتی ہے، آگہی دیتی ہے، آپ تعلیم کو تو ایسے الزام مت دیں، بچی ہے، نادان ہے ابھی، کوئی غلط کام نہیں کیا اس نے اپنی پسند بتائی ہے صرف، اصل میں شہزاد کی امی کی زبان سے خائف ہے اور کچھ نہیں میں سمجھا دوں گی، آپ بھی تو غصے میں آگئے ہیں، جوان بچوں سے سختی سے نہیں نرمی سے بات کرنی چاہیے۔'' امی ان کا غصہ دھیما کرنے کو بولیں۔

''اسی نرمی اور پیار کا تو یہ نتیجہ ہے احمد کی ماں، اسے روکو، سمجھاؤ اسے، مجھے زندہ درگور مت کرے وہ۔'' وہ تھک کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

''امی یہ میری زندگی ہے اور اس کو گزارنے کا فیصلہ بھی مجھے ہی کرنا چاہیے ناں، بہت غلط کرتے ہیں وہ والدین جو اپنی محبت کو کیش کراتے ہوئے اپنی مرضی اپنے بچوں پر مسلط کرتے ہیں یہ جانے بنا کہ اس رشتے میں ان کی رضامندی ہے بھی یا نہیں۔'' اس نے تو امی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا، حجاب شادی شدہ تھی اور سمجھدار بھی سو وہ چاہتی تھی کہ سحاب اپنی ضد چھوڑ دے۔

ریحاب جس کی شہزاد کے ساتھ کزن ہونے کے ناطے کچھ علیک سلیک بھی تھی وہ بھی حجاب کو روکنے کی اپنی سی کوشش کر رہی تھی پر سحاب نے جانے کیا دیکھا تھا کامران میں کہ دو سالہ نسبت کو کسی خاطر میں نہ لا رہی تھی۔

''میں شادی کروں گی تو کامران کے ساتھ ورنہ...... ورنہ۔'' ابا گزر رہے تھے جب بہنوں کی آپس میں ہوتی تکرار کے چند الفاظ ان کے

کانوں میں پڑے وہ کچھ لمحے سوچتے رہنے کے بعد آگے بڑھ آئے اور دروازہ پورا کھولنے پر سحاب کی آخری اور حتمی بات جس خودسر لہجے میں سنائی دی تھی اس نے ان کے اندر کے ہزار دھڑکوں کو جگا دیا، ابا کو دیکھ کر حجاب، ریحاب تو چونکی ہی تھیں سحاب بھی خفیف سی ہوگئی۔

''ورنہ کیا کرو گی تم۔'' اس نے اس کی کہی بات دوبارہ سے دوہرائی، امی سے بہنوں سے دوبدو بحث کرنا الگ بات تھی ابا سے ضد وہ بھی ایسی بات پر، وہ کچھ دیر خاموش رہی جونہی خیال آیا کہ یہی وقت ہے اگر وہ آج نہ کہہ پائی تو کبھی اپنا من پسند جیون ساتھی نہیں پا سکے گی، اسی سوچ نے اسے بہادر کیا۔

''جس بات کا حق مجھے میرا مذہب، معاشرہ دیتا ہے اس سے آپ لوگ کیوں محروم کرنا چاہتے ہیں مجھے۔'' نظریں جھکا کر اور دل کڑا کر کے ہی سہی وہ کہہ گئی۔

''یہ مذہب اور معاشرہ تمہیں اس وقت یاد کیوں نہیں آئے جب تم نے شہزاد کے نام کی انگوٹھی پہنی تھی اس کے گھر سے مختلف مواقعوں پر آئے تحفے تحائف حق سمجھ کر وصول کرتی رہی ہو، یہ تعلیم دی ہے میں نے تمہیں اور یہ تربیت ہے تمہاری ماں کی اپنے نفس کی منہ زوری کو لگام دینے کی بجائے اسے اتنا سر پر چڑھا لو کہ وہ تمہیں ماں باپ کو رسوا کرنے پر مجبور کر دے۔'' غصے میں ان کی آواز اونچی ہوگئی۔

''ابا...... ابا آپ جائیں میں اسے سمجھا لوں گی۔'' حجاب گھبرا کے ابا کی طرف بڑھی اور ان کے بازو سے تھام کر لجاجت سے بولی جبکہ ریحاب بھی غصے سے سحاب کو دیکھ رہی تھی، جیسے اسے ابا کے سامنے محبت کرنا ناگوار گزر رہا ہو۔

''میں نے اپنی زندگی کا جو فیصلہ کرنا تھا کر چکی کسی کو کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سحاب کی خودسری اس پل ابا کی موجودگی نظرانداز کر گئی تھی جبھی غصے میں حجاب کو مخاطب ہو کر کہا۔

''اس بے شرم لڑکی سے کہو کہ آج ہی اس لڑکے اور اس کے گھر والوں کو بلوائے میں مزید اس کو اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا اور اس سے کہنا کہ کسی خوش فہمی میں نہ رہے اس لڑکے سے شادی کی صورت میں اس کا ہم سب سے رشتہ ختم ہوگا، ہم سمجھیں گے یہ مر گئی ہے۔'' ابا کا اس پل ایسا ہارا انداز دیکھ کر حجاب تو رو ہی دی تھی، ریحاب کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے پر سحاب بے یقینی سے کھڑی ابا کو دیکھتی رہی جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ اس کے پیارے ابا جنہوں نے اپنی اولاد کی ہر خواہش منہ سے نکلتے ہی پوری کی تھی اس پل اتنے سنگدل بن جائیں گے، کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند ابا کو جاتے دیکھ کر امی جنہوں نے دھڑکتے دل اور برستی آنکھوں سمیت اس ساری گفتگو کو سنا تھا تیر کی تیزی سے اندر آئیں اور بے دردی سے اسے پیٹ ڈالا۔

''اس لئے، اسی دن کے لئے تمہیں پال پوس کر جوان کیا کہ باپ کے منہ آ لگو، ارے بد نصیب، تمہارا باپ ان لوگوں میں سے جو بیٹیوں کو خدا کی رحمت سمجھ کر انہیں اتنی محبت، اعتماد اور ہر سہولت دیتے ہیں کہ وہ خدا کے فرمان کی اس کے نبی کی سنت کی پیروی پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں، پر نہیں جانتے تھے کہ یہ رحمت ایک دن زحمت بن کر ان کو ایسی آزمائش میں ڈالے گی جس سے وہ ساری عمر نکل نہیں پائیں گے۔'' روتے روتے ان کا گلا رندھ گیا۔

''ایسا کیا کیا ہے میں نے کہ تماشا ہی بنا دیا آپ لوگوں نے، اپنی پسند بتائی ہے اور اپنا حق مانگ رہی ہوں۔'' اتنی لعنت ملامت برداشت نہ

کر پائی سحاب، تبھی چیخ اٹھی۔
''اس لڑکی سے کہو میری نظروں سے کہیں دور چلی جائے اس وقت۔'' امی کا سانس پھول گیا تھا۔
''ریحاب لے جاؤ اس کو یہاں سے۔''
حجاب نے ریحاب کو کہا اور امی کو پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا، پانی پلایا، پر ان سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اگلے دن کو وہ لڑکا اپنی ماں اور بہن کو لے کر چلا آیا، اس کی ماں خود اپنے بیٹے کی ضد پر مجبور ہو کر آئیں گی، ابا نے صاف بتا دیا کہ چونکہ ان کی اس شادی میں مرضی شامل نہیں ہے سو شادی کے بعد ان کا سحاب سے کوئی تعلق نہیں ہوگا ایسی صورت میں بھی ان کو یہ رشتہ قبول ہے تو وہ اسی جمعہ کو صرف چند لوگوں کو لا کر لڑکی کو سادگی سے رخصت کرا لے جا سکتے ہیں اس کے بعد وہ ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر خود چلے گئے تھے، باقی گھر کے کسی فرد نے وہاں آ کر ان سے ملنا گوارا نہیں کیا تھا، لیکن جتنا مجبور سحاب اپنے گھر والوں کو کر چکی تھی اس سے دو گناہ وہ لڑکا اپنی ماں کو مجبور کر کے لایا تھا جبکہ اس کی بہن چند ماہ پہلے ہی تو سحاب کی دوست بنی تھی اور ان کی تازہ تازہ دوستی نے ہی یہ رنگ دکھایا تھا کہ وہ دونوں اس اسٹیج پر آ کھڑے ہوئے تھے جہاں محبت کے آگے ماں باپ بہن بھائی رشتے معاشرہ سب کچھ ہیچ تھا، پھر ابا جو ایسی خوش فہمی میں تھے کہ اتنے سرد مہر رویے اور ایسے قطعی فیصلے کے بعد وہ لوگ پھر نہیں آئیں گے، جاتے ہوئے وہ جمعے کو آنے کا عندیہ دے کر چلے گئے اور محض تین دن بعد والے جمعہ کو مختصر لوگوں کے ہمراہ آ بھی گئے تھے، سحاب یہ سوچ کر چپ تھی کہ ایک دفعہ شادی ہو جائے تو وہ سب کو منا لے گی تو یہ اس کی خام خیالی تھی، احمد تو مرنے مارنے پہ تل گیا تھا امی نے منتیں ترلے کر کے اسے بمشکل ٹھنڈا کیا تھا، پھر اسے ایسے رخصت کیا گیا تھا کہ ایسی خاموشی سے کیا کسی کا جنازہ رخصت کیا جاتا ہو، ابا کی اسی دن طبیعت بے حد خراب ہو گئی تھی انہیں ہسپتال لے جانا پڑا تھا، شدید ذہنی دباؤ کا نتیجہ ایک مائنر اٹیک کی صورت نکلا تھا، اگلے دن جب ذرا طبیعت سنبھلی تھی انہوں نے شہزاد کو بلوایا تھا اور اس کے آنے پر بستر پر پڑے پڑے ہاتھ جوڑ کر رو پڑے۔
''میں نے کبھی کسی کا حق نہیں کھایا، کسی سے ناانصافی نہیں کی، زندگی کے ہر معاملے میں ایمانداری کے تقاضوں پر اترنے کی کوشش بھی کی پر تمہاری امانت کی حفاظت نہیں کر سکا مجھے معاف کر دو۔''
شہزاد جس نے جب سحاب کی شادی کا سنا تھا زخمی شیر بنا ان کے گھر آیا تھا پر اس وقت ابا کو ہسپتال لے جایا جا چکا تھا، آج ان کا پیغام ملتے ہی وہ اڑتا ہوا یہاں پہنچا تھا ارادہ تو تھا کہ سحاب کی اس حرکت پر انہیں بے حد ذلیل کرے گا، آخر کو ماں باپ کا کچھ نہ کچھ ساتھ تو ہوگا جو اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا پر اس پل اس نحیف بوڑھے پر اسے اتنا ترس آیا کہ وہ آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھام گیا۔
''مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے انکل، آپ فکر مت کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' بھاری لہجے میں اتنا کہہ کر اس نے مزید کچھ نہ بولا گیا وہ تیزی سے وہاں سے نکل آیا، گھر آ کر اس نے خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کیا، اس نے ضبط سے بھینچے ہونٹوں کے ساتھ شیشے کی ٹیبل پر ایک مکا مارا ایسے کہ ہاتھ لہو سے بھر گیا، سو بھر گیا، شیشہ ٹوٹنے کی آواز پر اس کی ماں بھاگی چلی آئی تھیں، اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا کہ چند ماہ بعد جو

لڑکی اس کی زندگی میں شامل ہونے والی تھی وہ کسی اور کے سنگ اپنا گھر بسا چکی تھی۔

''سحاب کے بی اے کے امتحان کے بعد جو کہ تین ماہ بعد تھے ان کی شادی کی ڈیٹ رکھی جانی تھی، سحاب کے ابا کی وجہ سے وہ ان کے گھر بہت کم جا پاتا لیکن کسی خاندانی تقریب میں وہ جس طرح اس کو دیکھ سرخ چہرہ لئے شرم سے سر جھکا کر یہاں وہاں ہو جاتی اس سے اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ پسندیدگی کے اس سفر میں وہ اس کے ہمراہ تھی، ابھی چند ماہ پہلے ہی تو اس نے ایک تقریب میں اسے دیکھا تھا پھر بات کرنے کے بہانے ہی ڈھونڈتا رہ گیا تھا، اس کے کان میں شرارت سے کچھ کہتی ریحاب کو اس نے خفگی سے کچھ کہہ کر سامنے نظر آتے شہزاد کو دیکھ کر شرما کر جس طرح سر جھکایا تھا اس کے چہرے کے کھلتے رنگوں کو دیکھ کر وہ سرشار ہی ہو گیا تھا، تو پھر نقب کہاں اور کیسے لگی تھی؟ کل ہی تو ان کو کسی رشتہ دار کی زبانی سحاب کی اچانک رخصتی کا پتہ چلا تھا، وہ دونوں ماں بیٹا افتاں و خیزاں ان کے گھر بھاگے تھے وہاں جا کر گھر پہ تالا لگا دیکھ کر ہمسایوں کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ آج ان کی بیٹی کی رخصتی سادگی سے کی گئی جس کے بعد والد کی طبیعت اتنی خراب ہوئی کہ انہیں ہسپتال لے جانا پڑا تھا، وہ ماں بیٹا دل میں ہزاروں سوالات اور الجھنیں لئے گھر لوٹ آئے تھے، شہزاد نے احمد کے نمبر پر کال کی تھی، لیکن وہ اسے آف ملا تھا ساری رات ایک چبھن ایک تکلیف نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

سحاب آئی تھی اس دہلیز پر ایک نہیں سینکڑوں بار پر ہر بار اسے خالی اور نامراد لوٹنا پڑا تھا، ابا نے کہا تھا جو اسے تعلق تو ایک طرف زبان کا رشتہ بھی رکھے گا اس کو ابا سے اپنا رشتہ ختم کرنا پڑے گا، پھر ایک روز جب ابا نے حجاب اور امی کی موجودگی میں ریحاب کو بلوایا تھا، تمہاری بھی اپنی شادی کے حوالے سے کوئی پسند ہے تو ابھی بتا دو؟'' ان کی ایسی دوٹوک بات پر اس نے گھبرا کر امی کو مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

''وہ ریحاب! ابا اس لئے پوچھ رہے ہیں کہ چچا کی فیملی بہت دنوں سے حسان کے لئے تمہارا رشتہ مانگ رہی ہے، سحاب کے اس اقدام کے بعد ابا نے مناسب سمجھا کہ تم سے پوچھ لیا جائے پہلے۔'' حجاب جو ابا سے زیادہ قریب بھی تھی فوراً ہی ریحاب کی الجھن بھانپ کر اس کی مدد کے لئے بولی جبکہ ابا ہنوز سرد تاثرات لئے بیٹھے رہے، امی تو تھیں ہی سدا سے کمزور دل گھبراتے ہوئے ایک نظر ریحاب پر ڈالتیں تو ایک نظر ابا پر، ریحاب تو ابا کا مطمع نظر جان کے سن کھڑی رہی، سحاب کے ایک غلط قدم کے بعد وہ ہر بات کو اسی کے تناظر میں دیکھنے لگے تھے، وہ آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ ابا کے بے حد قریب آ گئی پھر ان کے قریب صوفے پر بیٹھنے کی بجائے نیچے ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''ابا! میں آپ کی بیٹی ہوں، میری زندگی کا صرف یہ فیصلہ ہی نہیں ہر چھوٹا بڑا فیصلہ کرنے کے مجاز آپ ہیں کیونکہ آپ میرے باپ ہیں آپ کو حق ہے اپنی اولاد کے بارے میں ہر فیصلہ کرنے کا، میں نے تو اپنے سبجیکٹ تک آپ کی مرضی سے منتخب کیے آپ کے مشورہ سے پھر، پھر آپ نے کیسے سوچا کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ میں خود کروں گی، آپ کریں گے، میرے ابا کریں گے، آپ کی بیٹی اف نہیں کرے گی چاہے وہ شخص حسان ہو یا کوئی دوسرا میرے لئے وہی قابل قبول ہو گا جسے میرے ابا منتخب کریں گے۔'' ان کے

گھٹنے پر ہاتھ رکھے وہ روتے ہوئے کہہ گئی، سحاب کے جانے کے بعد ابا کی بیماری پر ان کی سرد مہری اس حساس لڑکی کے لئے بے حد جان لیوا تھی اب اس کی رضا مندی اگر اس کے ابا کا پرانا رویہ واپس لا سکتی تھی تو یہ مہنگا سودا نہ تھا اس کے لئے پھر والدین کے پاس تو دور اندیشی کی نظر ہوتی ہے، تجربات کے نتائج سے حاصل ہونے والی پرکھ ہوتی ہے، یہ سب نہ بھی ہو تو دعاؤں کا انمول خزانہ اور محبتوں کا بحر بیکراں تو ہوتا ہی ہے اولاد کے لئے، ان کا کیا گیا فیصلہ بھلا کب اولاد کے لئے برا ہو سکتا ہے بس نصیب آڑے نہ آ جائے اس نے دل میں یہ سوچ کر ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا تھا، ابا کی پتھرائی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر ان کی داڑھی کو بھگو گئے تھے، ایک بیٹی نے ان کا اعتماد توڑا تھا تو دوسری نے ان کا مان لوٹایا تھا انہیں، ان کا کپکپاتا ہاتھ ریحاب کے سر پر آن ٹھہرا۔

''جیتی رہو۔'' آہستہ سے کہے گئے یہ دو الفاظ ریحاب کو ڈھیروں خوشی اور سکون عطا کر گئے، امی اور حجاب نے بھی سکون کی سانس لی تھی یہ جانے بغیر کہ یہ سکون صرف چند دنوں کا ہی تھا، ابا نے چچا کو بلا کر نہ صرف ہاں کہی تھی بلکہ احمد کی مرضی جاننے کے بعد چچا کی بیٹی حمرہ کا رشتہ بھی احمد کے لئے طلب کیا گیا تھا، طے یہی پایا تھا کہ حسان کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد اور احمد کے جاب ملنے کے فوراً بعد دونوں شادیاں کر دی جائیں گی، گھریلو ہی تقریب میں منگنی کی رسم ادا کی گئی تھی۔

☆☆☆

''پلیز پلیز حجاب ایک بار میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' حسان کی ضد اپنی جگہ حجاب بغیر ریحاب کی مرضی جانے ایسا نہیں کر سکتی تھی کیونکہ سحاب کی نسبت وہ ڈرپوک اور شرمیلی لڑکی تھی پھر سب سے بڑا خوف تو ابا کا تھا جو ایسی باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے، پھر بھی ہچکچاتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئیں۔

پہلے چچا کا پورا خاندان ابا کے ہاں آیا تھا نسبت طے کرنے کے بعد پھر یہاں سے ریحاب کے علاوہ باقی سب لوگ احمد کی منگنی کی رسم ادا کرنے گئے تھے جب حجاب نے موقع پا کر حسان کو اشارہ کیا تھا۔

''سنو ریحاب! حسان تم سے کچھ بات کرنا چاہ رہا ہے، سب چچا کے گھر ہیں تم اس سے مل لو میں ہوں باہر، فکر مت کرنا۔'' وہ ابھی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی چوڑیاں اتار رہی تھی، ایسی اچانک افتاد پر بے حد گھبرا کر مڑی، اتنی دیر میں وہ باہر نکل گئی تھیں۔

''جلدی کرو بھئی پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔'' حجاب کی بات سن کر وہ بے حد گھبرا گئی گویا وہ یہیں تھا، اس نے لپک کر بستر پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح سے لپیٹ لیا ایسے کہ ماتھے پہ لگی دمکتی بندیا اس میں چھپ گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس کے اندر آنے پر وہ غیر محسوس طریقے سے رخ موڑ گئی، رشتہ کی ایک ڈور بندھنے سے احساسات بھی بدل گئے تھے، حالانکہ اپنے کالج میں وہ ایک پر اعتماد لڑکی تھی پر اس پل اس کی خود اعتمادی اس کا ساتھ چھوڑ کر دور کہیں جا چھپی تھی۔

''کیا ہے ریحاب ایک سلام کا جواب دینے میں دو منٹ لگا دیئے تم نے جب مجھے صرف پانچ منٹ کا ٹائم دیا گیا ہے، یہ بتاؤ کیسا محسوس کر رہی ہو اس انگوٹھی کو پہن کر، اسے صرف ایک انگوٹھی مت جاننا، یہ ایک رشتہ ہے، ایک احساس ہے اور سب سے بڑھ کر ایک محبت

ہے۔'' وہ یکدم ہی اس کے سامنے آ کر بولا تھا، ریحاب نظریں جھکا گئی۔

''دل میں بو خالص جذبے میں کئی برس سے دبائے پھر رہا ہوں انہیں کسی خاص وقت پر ظاہر کرنے کا متمنی تھا میں...... اور مجھے لگا کہ وہ خاص دن آج ہے کو کہ منگنی کوئی ایسا رشتہ نہیں جو پائیداری کی ضمانت پر بات اگر زبان کی ہو، محبت کی ہو یا پھر دل کی، یہ کچا پکا رشتہ بھی مضبوط سہارا ہوتا ہے۔''

''وہ...... حسان آپ...... جائیں ابا کو پتہ چل گیا تو بہت برا لگے گا انہیں۔'' وہ جو اپنے والہانہ جذبوں کے اظہار کے بعد ویسا ہی کوئی اقرار چاہ رہا تھا خاصا بدمزہ ہو کر رہ گیا، خیر اس کا دیدہ زیب روپ اس کی بات کا اثر زائل کر گیا تھا ابھی وہ اسے دیکھ بھی نہ پایا تھا پوری طرح کہ گھبرائی ہوئی حجاب داخل ہوئی۔

''حسان، پانچ منٹ کے دس کر دیئے تم نے اور وہاں سے فون بھی آ چکا ہے۔'' جلدی جلدی مچاتی حجاب کے ساتھ وہ ٹھنڈی سانس بھرتا اس کے ساتھ ہی نکل گیا، ریحاب کی اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی، پھر ریحاب کے لاکھ تغافل برتنے پر بھی ایک کھٹا میٹھا سا تعلق بندھ ہی گیا تھا ان کے درمیان اس نے حجاب سے اس کا نمبر لے کر اسے ٹیکسٹ کیا تھا کہ وہ اسے کال کرے گا وہ رات کو ضرور اٹینڈ کرے، پہلے وہ جو اسے منع کرنے والی تھی کچھ سوچ کر رک گئی تھی کہ بات ہونے پر وہ زیادہ سہولت سے اسے سمجھا پائے گی۔

''حسان!'' اس کے بات شروع کرنے پر وہ بولا۔

''جی جان حسان۔'' اسے طرز تخاطب پر اس کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا تھا۔

''آپ ایسے بات کریں گے تو میں بات نہیں کر پاؤں گی۔'' اس کی سنجیدگی سی آواز سن کر وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''مجھے آپ کی بات کا بھی یقین ہے اور آپ کے جذبوں کا بھی، لیکن یقین نہیں ہے تو منگنی جیسے ناپائیدار رشتے پر، میں کبھی بھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی حسان جس پر کل مجھے پچھتانا پڑے یا میرے والدین کو کوئی تکلیف ہو۔''

''کیا مطلب...... کیا کہنا چاہتی ہو تم، میں جھوٹا ہوں، یا مذاق میں اتنے لوگوں کے درمیان یہ رشتہ جوڑا ہے یا خود پر یقین نہیں ہے تمہیں۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بھڑک اٹھا، وہ اس کا ایسا سخت لہجہ سن کر گھبرا ہی تو گئی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے حسان جیسا آپ سوچ رہے ہیں میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ منگنی کے دوران میں کسی بھی قسم کے میل ملاپ یا بات چیت کو نامناسب خیال کرتی ہوں اور ہمارا مذہب بھی نامحرم سے کوئی بھی تعلق رکھنے کی ممانعت کرتا ہے۔''

''نامحرم؟'' اس کی اتنی سنجیدہ اور لمبی بات کے جواب میں حسان کے غصہ کھائے دماغ پر یہ دو لفظ ہتھوڑے کی طرح برسے تھے۔

''گو ٹو ہیل۔'' اس نے زوردار آواز میں سیل آف کر کے سامنے اچھال دیا تھا، ریحاب نے ڈھیلے ہاتھوں سے سیل کو ٹیبل پر رکھا اور خود چیئر کی بیک سے سر کو ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

پہلے نہ تو ان کے گھر کا یا حول اتنا سخت تھا نہ خود اس کی اپنی سوچ اس قسم کی تھی، سحاب کی شادی کے بعد اس نے جب جب اس کی خود سری، ماں باپ کے مقابل آنے کے متعلق گہرائی سے سوچا تھا یہی بات سمجھ میں آئی تھی کہ انسان

خصوصاً عورت کے کردار و شخصیت سنوار اور بگاڑ میں دو چیزیں بہت اہم ہیں ایک سوچ دوسری نظر، اسلام میں کوئی بھی بات یا عمل ایسا نہیں ہے جو فطرت کے خلاف ہو، اس لئے اسے دین فطرت کہا گیا ہے کہ اس کے احکامات میں انسان کی فلاح کا راز پنہاں ہے، اسلام میں بار بار مرد عورت کو نظر جھکا کے رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کی پہلی نظر غیر ارادی ہوتی ہے دوسری کے پیچھے شیطان کارفرما ہوتا ہے، اہم ہے نظر کا پردہ جو کر لیا تو گناہ سے دور کرتا ہے، دو مخالف نا محرموں کے درمیان کشش رکھی گئی ہے یہ بات حتمی ہے، شیطان اپنا پہلا وار یہی کرتا ہے نفس کو مجبور کر کے نظر اٹھانے پر، پھر نظر ٹکرانے پر سوچ میں مخالف جنس کے لئے وسعت لانے پر کمر بستہ ہوتا ہے اور ایک نظر کا پردہ نہ رکھنے پر ہم انسان شیطان کو ایسی کمک فراہم کرتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے تباہی کے گڑھے کھودتا چلا جاتا ہے اور ہم بخوشی اس میں گرتے چلے جاتے ہیں، سحاب بھی تو خوش تھی شہزاد کے ساتھ منگنی کروا کے شادی سے محض چند ماہ پہلے ہی کالج میں نئی مائیگریٹ ہو کر آنے والی لڑکی سے اس کی دوستی پھر گھر آنا جانا شروع ہوا پھر اس کی باتوں میں دوست کی باتوں سے زیادہ اس کے بھائی کا ذکر آنے لگا، اس کی کہی باتیں ریحاب کو یاد آتیں۔

''پتا ہے ریحاب میں نے اس کو دیکھا پھر دل کیا بار بار دیکھتی جاؤں، ایسا ہی وہ بھی کہتا ہے، پہلے بھی میں اپنی دوست سے ملنے جاتی تھی، اب اس کو دیکھنے جاتی ہوں۔'' اس کے ڈھٹائی سے کہنے پر ریحاب دنگ رہ گئی تھی۔

''اور...... اور شہزاد؟'' اس نے اٹک اٹک کر کہا تھا۔

''چھوڑو بھئی شہزاد کو، مجھے اب اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس کے منہ بنا کر کہنے پر اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا اور پھر اس کی شادی کے بعد مسلسل سوچنے پر کہ اس نے کیوں ایسا کیا ہوگا، کیوں ماں باپ کی بیس سالہ شفقت و محبت پر اس نے چند دن کی محبت کو ترجیح دی تھی، کچھ عرصہ اسلامیات کی کلاس میں دیا جانے والا نظر کا پردہ کا مفہوم پورے سیاق و سباق سمیت سمجھ آ گیا تھا، وہ اپنی نظر کی حفاظت کرنے لگی تھی، وہ نظر جھکا کے چلنے لگی تھی اسے پتہ چل گیا تھا کہ نظر کی حفاظت شرم و حیا کی کنجی ہے، ایسے ہی تو نہیں کہا گیا کہ۔

''تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرو۔'' اس بات کی روح کو سمجھتے ہی اس کا لاابالی پن ختم ہوا تھا، کالج میں لڑکیاں منگیتروں کے قصے سنائیں تو وہ اٹھ جاتی، ایکٹرز کی خوبصورتی و وجاہت کے قلابے ملانے میں وہ جو کبھی ان کے برابر ہوتی تھی اب موضوع بدل جاتی، اب کیسے حسان سے بے تکلفی برت سکتی تھی بھلے وہ اس کا منگیتر کیوں نہ تھا، تھا تو نہ محرم ہی۔

☆☆☆

''ہیلو بھئی کہاں گم ہیں ہماری پیاری سی بیگم۔'' کامران نے چٹکی بجا کر اپنے خیالوں میں گم صم بیٹھی سحاب کے سامنے آ کر چٹکی بجائی وہ چونک گئی، پھر اپنے سامنے اپنے محبوب شوہر کو دیکھ کر پہلے اس کی آنکھیں بھر آئیں پھر وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، کامران بے حد گھبرا گیا۔

''کیا ہو گیا ہے سحاب کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو ریحان تو ٹھیک ہے ناں۔'' اس نے اپنے آٹھ ماہ کے بیٹے کا نام لے کر بے قراری سے پوچھا، ان کی شادی کے ساتھ ہی اس کی بہن بھی بیاہ کر اپنے میاں کے ہمراہ سعودیہ چلی گئی تھی اس کی ساس کو معمولی سے بخار نے ایسے لپیٹا کہ وہ ان کو

ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر راہ عدم کو سدھار گئی تھیں، بیٹے کی پیدائش کے وقت اسے وہ سب یاد آئے تھے خصوصاً امی اور ابا، ماں بن کر دل میں گزار آیا تھا تو ماں باپ کے جذبات اور محبت کی ناقدری کا دکھ بے طرح ستانے لگا تھا اسے، رات ایک برا خواب دیکھا تھا، امی ابا کے بارے میں تو بس ریحان کے لے کر چل پڑی کہ شاید اس کی معصوم صورت دیکھ کر ہی رحم آ جائے ان کو، آخر کو شادی ہی کی تھی مرضی سے گناہ تو نہیں کیا تھا کہ ایسی سزا سنا دی جو جان کر ہی آنے لگی تھی پر پتا ہے امی تمہیں گھر پر، سوچا تھا اتنے دن بعد ملی ہیں دیکھیں گی تو گلے سے لگا لیں گی۔

''جانتے ہو؟ کیا کہا انہوں نے۔'' وہ تڑپ گیا، بیوی کی ایسی مخدوش صورت دیکھ کر، پر کچھ بھی بولے بغیر نم آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔

''کہنے لگیں، بس یہیں سے لوٹ جاؤ ریحاب، ہم نے جب سے یہ سوچ لیا کہ تم مر گئیں، اب خدا کے لئے واپس لوٹ جاؤ جہاں سے آئی ہو، یہاں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے، تمہارے ابا کی حالت بڑی مشکل سے سنبھلی ہے تمہیں دیکھ لیا تو ویسی مشکل گھڑی پھر سے جھیلنے کی تاب نہیں ہے ہم میں جو تمہارے جانے کے بعد ہم نے تمہارے ابا کی بیماری کی صورت بھی بھگتی تھی، صرف یہی نہیں انہوں نے بازو سے پکڑ کر مجھے دہلیز سے باہر کر کے دروازہ ہی بند کر دیا، میں بھی خوش نہیں رہ پاؤں گی کبھی دل سے خوشی کو محسوس ہی نہیں کر پاؤں گی۔''

کہتے ہی وہ اتنی بری طرح سے روئی کہ کامران کو اس کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

''میرے بچے کو دیکھنا تو ایک طرف، مجھے بھی نہیں دیکھا انہوں نے۔'' وہ ماں باپ بہن بھائی کو یاد کرتی تھی، پر امید بھی تھی کہ کبھی نہ کبھی وہ اس کو معاف ضرور کر دیں گے پر اس طرح روئی پہلی بار تھی۔

☆☆☆

ابا میں وہ پہلے جیسی بات نہیں رہی تھی بہت گم صم رہنے لگے تھے چاہتے تھے کہ جلد ہی ریحاب کو بیاہ دیں پر کچھ پریشان سے ضرور ہو گئے جب سنا کہ حسان سکالرشپ پر امریکہ جا رہا تھا، حسان کتنا ہی سلجھا ہوا نوجوان کیوں نہ تھا مغرب کی ہوا بھی تو مقناطیسی تھی انسانوں کو باندھ لینے والی کبھی ڈالرز میں، کبھی مغربی حسن میں تو کبھی سپر پاور ٹیکنالوجی میں، پر جب حسان کی تربیت ان کے گھر کے ماحول پھر خود حسان کی شخصیت کا تصور کرتے تو کچھ تسلی ہوتی تھی۔

''ابا!'' وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھے جب ریحاب نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

''میں...... میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔'' اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے اٹک اٹک کر کہا، کچھ عرصہ پہلے تک اپنی ہر بات، ہر فرمائش دھڑلے سے بات منوا لینے والی ریحاب اپنی مشکل سے ہی ابا سے کوئی بات کر پاتی تھی، اب بھی ابا کے بغور دیکھے جانے پر گھبرا گئی۔

''آپ...... آپ کچھ بھی مت سوچیں نہ ہی پریشان ہوں، میں آپ کی بیٹی ہوں اور آپ کے دیئے گئے اعتماد اور محبت کا کبھی بھی ناجائز فائدہ نہیں اٹھاؤں گی، آپ کو کبھی بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ کچھ آگے آئی اور وہ سب کچھ کہہ کر ابا کی تسلی کرانا چاہی جو ابا کے چہرے پر رقم تھا پر وہ خدشات کو بیان نہیں کر پا رہے تھے۔

''ٹھیک ہے، احمد سے کہہ دینا تمہیں فارم لا دے گا۔''

''وہ تو میں نے منگوا بھی لیا۔'' اس کے جلدی سے بول اٹھنے پر جہاں ابا مسکرا دیئے وہاں

وہ زبان دانتوں تلے دبا کر رہ گئی، پر دل میں طمانیت کی لہریں ضرور اتر گئی تھیں کہ بہت دن بعد ابا اسے اپنے پہلے والے ابا نظر آئے تھے، پھر دو تین دن بعد ہی حسان ان سب سے ملنے چلا آیا تھا اگلے دن اس کی فلائیٹ تھی، حجاب بھی زبیر بھائی اور اپنی بیٹی کے ہمراہ آئی ہوئی تھی، کھانا کھانے کے بعد جب سب چائے پی رہے تھے وہ غیر محسوس طریقے سے کچن میں برتن دھوتی ریحاب کے پاس چلا آیا، آہٹ پر وہ چونک کر مڑی اور دروازے میں اسے ایستادہ دیکھ کر سلام کیا۔

''کچھ چاہیے؟'' اس کے ایسے مسلسل دیکھنے پر وہ گھبرا کر بولی تھی۔

''تم نے میرا اور میرے جذبوں کا بہت مذاق اڑایا، بہت توہین کی ریحاب، اتنی کہ میں خود تم سے کلام نہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جب تک تم خود مجھے نہ بلاتیں پر اب پردیس میں دل سے ہر شکوہ مٹا کر جانا چاہتا ہوں، قبل از وقت دعوے کرنا نہ میں پسند کرتا ہوں نہ میری عادت ہے لیکن تایا، تائی کے چہرے پر تفکرات دیکھے ہیں میں نے کچھ خدشات تمہارے دل میں بھی ہوں گے تو یقین رکھنا کہ میں اپنے عہد اور رشتے نبھانے والا بندہ ہوں، جیسے جا رہا ہوں انشاءاللہ ویسے ہی لوٹوں گا، بس میرے مقصد میں کامیابی کے لئے دعا گو رہنا، دعائیں سفر اور پردیس میں زادِ راہ کا کام دیتی ہیں، کچھ کہو گی نہیں، کوئی لفظ، کوئی جملہ جس کے سہارے یہ لمبا عرصہ گزار سکوں۔'' ساری بات سنجیدگی سے کرنے کے آخر میں وہ ذرا سا مسکرایا۔

''میں نے جو کچھ آپ سے کہا تھا اس میں آپ کی یا آپ کے خیالات کی توہین ہرگز مقصد نہیں تھا بلکہ وہ سراسر میرے اپنے خیالات تھے، اگر انہوں نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو اس کے لئے معذرت چاہتی ہوں۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''اور..... اور مجھے آپ پر یقین ہے کہ آپ جیسے جا رہے ہیں ویسے ہی لوٹیں گے اور میں آپ کا انتظار کروں گی۔'' نظریں جھکا کر کہتے وہ ہلکا سا مسکرائی بھی تھی، حجاب کی کچن سے باہر آواز سن کر وہ دونوں ہی چونکے تھے۔

''اور اچھی لڑکی دیارِ غیر جا کے بسنے والوں کو نہیں ستاتے اس لئے کبھی کبھار فون کروں گا، بات ضرور کرنی ہے، تھوڑی سی بات کرنے سے آپ کے خیالات و افکار کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اس نے اس کے قریب آ کر ایک لمحے کو اس کا ہاتھ تھام کر دبایا پھر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

زندگی اپنے دامن میں بے شمار رنگ چھپا کر رکھتی ہے، پھر وقت آنے پر ایک ایک کر کے ان رنگوں کو دکھا اور بتا دیتی ہے، کبھی خوشی کا، کبھی غم کا، کبھی حیرت کا، سحاب کو بھی زندگی نے پہلے پہل بے فکری کا رنگ دکھایا تھا بہت سہل جب وہ ماں باپ کے زیر سایہ تھی، شفقت و محبت کے سائے تلے ہر غم و دکھ سے آزاد، پھر زندگی کی سیدھی شاہراہ پر چلتے چلتے ذرا سے قدم کیا ڈگمگائے کہ اس نے بغاوت کی تھی، ماں باپ سے کٹ کر جینے کا احساس بھی عجب بے بسی لئے ہوا تھا، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ تہی داماں تھی، اولاد تھی، شوہر کی محبت تھی، گھر تھا، نہیں تھے تو خون کے رشتے، ان سے دوری اور ان کی ناخوشی کا احساس اسے خوش نہیں ہونے دیتا تھا، مگر اب زندگی نے جو رنگ دکھایا تھا اسے وہ سب سے بھیانک رنگ تھا، گھور اندھیرے جیسا سیاہ رنگ جس کی سیاہی نے لپک کر اس کی پوری زندگی کو ہی لپیٹ میں

لے لیا تھا، گھر سے خوش باش روانہ ہونے والے کامران جو خود اپنے قدموں پر چل کر گیا تھا، مقرر وقت پر واپس تو آیا تھا پر چل کر نہیں چار کندھوں پر سوار ہو کر، ایک ہی شہر تھا پتہ نہیں کس نے اس کے میکے اطلاع دی تھی کہ ایسی بری گھڑی میں وہ اپنی ناراضی بھلا کر بھاگے آئے تھے، ابا ناراض تھے، انہوں نے تعلق بھی ختم کر دیا تھا پر ایسی بددعا تو کبھی بھی نہیں نکلی تھی ان کے دل سے، بے ہوش پڑی سحاب پر نظر ڈالتے ہی کلیجہ پھٹ سا جاتا تھا، کامران کی ماں کچھ ماہ پہلے ہی گزر چکی تھیں، سو سسرال کے نام پر صرف اس کی بہن تھی جو ساتوں سمندر دور تھی سو وہ بھی بھائی کی وفات کا سن کر صرف زار و قطار رو ہی سکی تھی، تیسرے دن امی نے کچھ کہے بغیر ہی اس کا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا، ان کی دیکھا دیکھی حجاب بھی ساتھ لگ گئی تھی وہ ابھی پوری طرح اپنے حواسوں میں کہاں تھی کہ کچھ کہہ پاتی بس خالی خالی نظروں سے سب کچھ دیکھ کر رہ گئی تھی، اس کی سب سے بڑی خواہش کہ اس کے اپنے اس کے پاس ہوں، پوری ہوئی تھی تو وہ اس خوشی کے احساس کو محسوس کرنے پر قادر نہ تھی، مغرب سے پہلے پہلے ہی احمد ایک گاڑی اور ٹرک لے کر آیا تھا جس پر اس کا سامان لوڈ کروا کے وہ لوگ واپس آئے تھے، نجانے کیوں سحاب نے جب اس دہلیز پر قدم رکھا تو اپنی اور کامران کی کچھ دنوں پہلے ہونے والی گفتگو نے اس کے قدم وہیں ساکت کر دیئے اور دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا، زندگی میں ایک خالی پن خود بخود ہی عود آیا تھا، وہ گھنٹوں چپ چاپ بیٹھی رہتی، ریحان کو زیادہ تر امی یا پھر یونیورسٹی سے آنے کے بعد ریحاب ہی سنبھالتی تھی، حجاب کچھ دن رہی تھی پھر وہ بھی لوٹ گئی تھی۔

''میں جتنا بھی تم سے ناراض تھا بچے پر یقین کرو ایسا کبھی بھی نہیں چاہا تھا میں نے۔'' ابا اس کے پاس آ کر رکے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''یہ زندگی ہے اور اس کی کتاب میں بہت سے ایسے تلخ باب آتے ہیں جو نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں پڑھنے پڑتے ہیں۔'' ان کی آواز بھیگ گئی، سحاب کی سسکیاں بھی تیز ہو گئیں۔

''رونا اگر مسائل کا حل ہوتا تو آج آدھی سے زیادہ دنیا اسی شغل میں مصروف نظر آتی، صبر کرو کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔'' انہوں نے جونہی اس کا سر تھپتھپایا تھا وہ ساکت رہ گئے جب وہ زور زور سے روتے ہوئے ان کے سینے سے آ لگی۔

''میں نے آپ کا دل دکھایا تھا ناں ابا، دیکھیں تو اللہ نے کیسی سزا دی مجھے، ایسا منہ کے بل گرایا کہ کبھی اٹھ ہی نہیں پاؤں گی اب۔''

''نہ..... نہ..... میرا بچہ، ایسے نہیں کہتے وہ اللہ تو بڑا مہربان ہے، ستر ماؤں جتنی محبت کرنے والا..... وہ تو بندوں کو آزماتا ہے، آزمائش دیتا ہے تو اس میں پورا اترنا بھی سکھاتا ہے، وہ کبھی بھی اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑتا۔'' وہ اس کا سر تھپکتے اسے دھیرے دھیرے بتاتے چلے گئے، سحاب کا رونا پہلے ہچکیوں پھر سسکیوں میں تھما اور ابا کی باتیں دل پر جمی دھند کو صاف کرتی چلی گئیں۔

حسان کا بھی فون آیا تھا، بہت دیر تک سحاب سے بات کرنے کے بعد پھر اس نے ریحاب سے بات کرنا چاہی، سحاب نے آنسو صاف کرتے ہوئے فون ریحاب کو دیا تھا۔

''سحاب کو ٹائم دو، اس کو جذباتی سہاروں کی سخت ضرورت ہے آج کل، باقی ہم انسان تو

ہے بس اللہ تعالیٰ کی مشیت کے آگے راضی برضا۔" سلام کے بعد اس نے اسے سحاب کے بارے میں اسے ہدایات دی تھیں اور افسوس کا اظہار کیا تھا، پھر کچھ باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

"تم بہت تبدیل نہیں ہو گئی ہو؟"

اگلے دن جب ریحاب یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی، جب سحاب نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہیں یہ تبدیلی اچھی لگ رہی ہے یا بری؟" ریحاب نے جواب کی بجائے سوال کرتے ہوئے اسکارف کو اچھی طرح سے سر پر جمایا۔

"نہ اچھی نہ بری...... عجیب۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"آج کی ریحاب میں اور کچھ عرصہ پہلے والی ریحاب میں زمین آسمان کا فرق ہے، تم نے تو سر پر دوپٹہ کبھی نہیں لیا تھا، اب اسکارف لینے لگی ہو، پہلے کوئی بات بری لگنے پر آسمان سر پر اٹھا لیتی تھی اب مسکرا کر چپ ہو جاتی ہو چاہے جتنی بڑی بات ہو جائے، کل احمد نے تمہیں ڈانٹا مجھے لگا اب اس کی شامت آ گئی پر تم نے نظر انداز کر دیا میں تو بہت ہی حیران ہوں، ابا بیماری میں ایسے چڑچڑے ہو گئے ہیں ان کی ہر کڑوی کسیلی بغیر ماتھے پر شکن لائے سنتی ہو، تمہیں کیا ہوا ہے ریحاب؟" سوال کرتے کرتے اس کا لہجہ اچانک کھوجنے کا انداز لئے چلا آیا، ریحاب چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی پھر اس کے پاس آ بیٹھی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا ہے سحاب، بس زندگی کے کچھ اصول وقت کی ترتیب کے مطابق استعمال کرنا سیکھ لئے ہیں، باقی رہا اسکارف اور میری ظاہری حالت تو پردے کی اہمیت کو سمجھ گئی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ ہر لڑکی کو ایسی توفیق دے، بات بس سوچ بدلنے کی ہوتی ہے، عمل تو بہت بعد کی بات ہے، بس تھوڑی سی سوچ کا بدلنا تھا کہ یہ تبدیلیاں خود بخود زندگی کا حصہ بنتی چلی گئیں۔" اس نے سحاب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے کہا یہ نہ کہہ سکی کہ تمہارا ایک قدم اس کے لئے سوچ بدلنے کے کتنے ہی در وا کر گیا تھا۔

"ریحاب! میں...... میں آگے پڑھوں تو کیا ابا مان جائیں گے؟ میرے آگے تو زندگی کا طویل سفر پڑا ہے، ریحان ابھی چھوٹا ہے کل بڑا ہوگا اس کی ضروریات بڑھیں گی تو اخراجات بھی بڑھیں گے، ابا پر کب تک بوجھ بنی رہ سکتی ہوں میں؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

"ابا سے بات کر کے دیکھنا، میرا نہیں خیال وہ منع کریں گے رزق دینے کا وعدہ میرے رب کا ہے وہ ہر فرد کے حصے کا اس تک ضرور پہنچائے گا، ریحان کے اخراجات کا ابھی چھوڑو جیسے چل رہا ہے ویسے چلنے دو، اصل بات یہ ہے کہ تعلیم کی اہمیت کو سمجھو اس کو مکمل کرو، جو وقت گزر گیا اس پر کیا پچھتانا، مستقبل اور حال کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے، چلتی ہوں میرا اپوائنٹ نکل جائے گا۔" ریحاب نے گھڑی دیکھ کر کہا اور بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی، سحاب نے ایک رشک بھری نظر سے اسے جاتے ہوئے دیکھا اس سے چھوٹی ہوتے ہوئے بھی وہ کتنی سمجھداری اور معاملہ فہمی سے کام لیتی تھی، زندگی گزارنے کا واضح لائحہ عمل جو اس نے طے کیا تھا اس پر کاربند تھی اس لئے ابا اس کی ہر بات مان بھی لیتے تھے اور سن بھی لیتے تھے جبکہ وہ خود ہمیشہ سے جذباتی، عجلت پسند اور قدرے خود سر تھی اور شاید قدرت نے اسی خود

سری کی سزا ہی اسے دی تھی، خود ترسی کی ایک عجیب کیفیت نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ابھی سحاب خود میں ابا سے بات کرنے کے لئے ہمت جمع کر ہی رہی تھی کہ انہی دنوں گھر میں دو نہایت ہی عجیب باتیں ہوگئیں، احمد جس کی ابھی تین چار ماہ قبل ہی ایک نجی کمپنی میں جاب ہوئی تھی اور ابا اور امی تایا کے گھر شادی کا عندیہ بھی دے آئے تھے کہ احمد نے نازیہ سے شادی سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی اعلان بھی کر دیا کہ وہ اپنے باس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے، پھر اسی دن شہزاد کی امی کا شہزاد کا دوبارہ سحاب کے لئے رشتہ لے کر آنا خاصے اچنبھے کی بات تھی، سحاب نے سنتے ہی فوراً انکار کر دیا تھا۔

''میں نے پڑھا اور سنا تھا کہ اولاد انسان کے لئے آزمائش ہوتی ہے اس بات کا تجربہ مجھ سے زیادہ اور بھلا کیسے ہوگا، بلاؤ احمد کو، میں خود اس سے بات کرتا ہوں۔'' انہوں نے امی سے مخاطب ہو کر کہا تو وہ دل ہی دل میں ہولتی ہوئی احمد کو بلانے چل دیں، وہ تو احمد کے تیور دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں اور چاہ رہی تھیں کہ باپ بیٹا مقابل نہ ہی آئیں تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ دونوں کے غصے سے واقف تھیں، شہزاد کی امی کو سوچنے کے بعد جواب دینے کا کہا گیا تھا، سحاب کی رائے سے قطع نظر۔

''میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لئے بلایا ہے کہ تمہاری بات تمہاری تایا زاد کے ساتھ طے ہے اور کل ہی تمہاری ماں اور میں شادی کی تاریخ لینے جا رہے ہیں، پسند اور محبت کے اس بھوت کو سر سے اتار دو تو زیادہ بہتر ہے۔'' بہت دنوں بعد وہ اپنے پرانے گرجدار انداز میں بات کر رہے تھے۔

''دیکھ رہی ہیں آپ امی اس گھر کا اصول، بیٹیوں کے لئے تو اتنی آزادی ہے کہ ایک کو اس کی مرضی سے بیاہ دیا دوسری لڑکوں کے ساتھ پڑھنے جاتی ہے اور اکلوتے بیٹے کی خوشی کا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔'' وہ ماں سے مخاطب ہو کر جس انداز میں بولا تھا دونوں میاں بیوی گنگ رہ گئے۔

''احمد! میں نے ایسی تربیت تو کبھی بھی نہیں تم لوگوں کی بیٹا کہ ماں باپ کے منہ کو آجاؤ۔'' امی روہانسی ہو کر بولیں۔

''بہت دنوں سے وہ لڑکی تمہارے نام منسوب ہے پہلے تم نے کبھی ایسی بات نہیں کی، تم سے پوچھ کر تمہارا رشتہ طے کیا تھا، تمہیں کوئی اعتراض نہیں تھا اب جب وہ لوگ شادی کی تیاری میں مصروف ہیں تم کہتے ہو، تمہیں یہاں شادی نہیں کرنی اور تم نے اپنی خود غرضی میں اتنا بھی نہیں سوچا کہ تمہاری بہن کی زندگی بھی اس گھر سے جڑی ہے۔'' ابا کو بالکل گم صم ہی دیکھ کر امی نے احمد سے کہا۔

''میں یہ سب نہیں جانتا مجھے شادی صرف اور صرف نتاشا سے کرنی ہے بس۔'' اس نے خود سری سے کہا اور ان کی بات سنے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

''یا اللہ! ایسا کون سا گناہ سرزد ہوگیا تھا مجھ سے جس کی سزا مجھے اولاد کی خودسری کی صورت میں مل رہی ہے، میں اپنے مرے بھائی کو کیا منہ دکھاؤں گا۔'' ابا کے تھکے لہجے میں کہنے پر امی تیزی سے ان کی طرف مڑیں۔

''آپ...... آپ سنبھالیں خود کو، میں پھر بات کروں گی اس سے، وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے ہمارے ساتھ۔'' ابا کو تسلی دیتے ہوئے امی کو اپنے لہجے کے کھوکھلے پن کا خود ہی اندازہ ہوگیا تھا، جبکہ دوسرے کمرے میں بخوبی یہ سب کچھ سنتی سحاب

کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے، اسے احساس ہو رہا تھا کہ آج والدین کے جس دکھ کو وہ اپنے دل سے محسوس کر رہی تھی اس کی خود سری کی بدولت چند برس قبل پہلے اس کے والدین اس کی وجہ سے بھی اس اذیت سے گزرے تھے، مگر تب کی اور اب کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق تھا، شام کو جب ریحاب کو اس صورتحال کا پتہ چلا اسے نئے سرے سے دکھ ہوا تھا، ان سب میں ابا کے وہ زیادہ قریب تھی سوامی سے پتہ چلتے ہی کہ جب اسے احمد سے بات ہوئی ہے وہ کمرے میں تھے، کھانا بھی برائے نام کھایا تھا وہ چائے لے کر آہستہ سے ناک کر کے ان کے کمرے کی جانب آ گئی۔

''ابا!'' وہ جو ایزی چیئر پر نیم دراز تھے، چہرے پر تفکرات کا جال سمیٹے، چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

''چائے پی لیں۔'' اس نے کپ ان کے ہاتھ میں پکڑایا اور چپ چاپ ہمیشہ کی طرح کارپٹ پر ان کے قدموں کے برابر بیٹھ گئی، جتنی دیر میں ابا نے چائے ختم کی تھی ایک گمبھیر سی خاموشی نے سارے کمرے میں ڈیرہ جمائے رکھا تھا۔

مالی ایک جذبے کے ساتھ بیج بوتا ہے، پودا سر نکالنے پر جذبے میں جوش بھی شامل ہو جاتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ان دونوں جذبوں پر محبت حاوی ہو جاتی ہے اس کی توجہ، لگن، محبت اور شوق کا ثمر جب پھل یا پھول کی صورت نکلتا ہے تو وہ ایک توانائی اپنے اندر ابھرتی محسوس کرتا ہے، پر بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ چھونے پر، ہاتھ لگانے پر اس کے ہاتھ لگا پودا کانٹا چبھو کر اسے زخمی کرتا ہے یا پھل کھانے پر وہ کڑوا نکلتا ہے تو وہ صدیوں کی تھکن خود میں اترتی محسوس کرتا ہے جو اس کی روح کو گھائل کرتی ہے اسے ڈھا دیتی ہے، ایسے ہی اولاد ہوتی ہے، ماں باپ کی محبت کو اس کی مجبوری بنا دینے والی، ایسی ہی تھکن آج میں اپنے اندر محسوس کر رہا ہوں، ماں باپ بھی تو اس مالی کی مانند ہوتے ہیں اولاد زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر رکھنے والے، اپنے منہ کا نوالہ اولاد کے منہ میں دینے والے، ابا کو شاید اپنا غم گسار چاہیے تھا دل کے زخم دکھانے کو وہ تھکے تھکے سے بولتے چلے گئے، ریحاب شرمندگی سے سر جھکائے بس آنسو بہائے گئی، بس میں نہیں تھا ورنہ لمحوں میں حالات کو بدل کر اپنے باپ کے چہرے پر غموں سے کھنڈی زردی کو ہٹا کر خوشیوں کا اجالا بھر دیتی۔

''ہر انسان کے بس میں تو کچھ بھی نہیں ہے ابا! اللہ پر بھروسہ رکھیں وہ سب ٹھیک کر دے گا۔ اس کی رندھی آواز پر ابا نے ایک طویل سانس لی۔

''ہاں بچے اب اسی کا ہی سہارا ہے جس نے ان آتی جاتی سانسوں کو سنبھالا دے رکھا ہے ورنہ اندر سے تو میں کب کا ختم ہو چکا، خیر تم پریشان نہ ہو ابھی تو ہم والدین زندہ ہیں ناں تم لوگوں کے مسائل، پریشانیاں اپنے سر لینے کے لئے، زندگی کا پل کا بھی بھروسہ نہیں ہے بچے، سحاب کو سمجھاؤ کہ میں اس کی شادی کر کے سکون سے مرنا چاہتا ہوں، شہزاد کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا وہ سب کچھ بھلا کر اگر آج بھی اس کا طلبگار ہے تو اس میں اللہ کا کرم ہی ہے ورنہ ہم گنہگار کس قابل ہیں، اس کی والدہ کا دو بار فون بھی آ چکا ہے اور ایک بار تو وہ خود بھی ہو کر گئی ہیں، ایک دو دن میں اس سے پوچھ کر مجھے بتا دینا تا کہ ان بھلے مانس لوگوں کو بار بار انتظار کی سولی پر نہ لٹکایا جائے تو بہتر ہے، وہ اس کو اس کے بیٹے

سمیت اپنانے کو تیار ہیں اس سے زیادہ بھلا اعلیٰ ظرفی کیا ہوگی ان کی۔" ابا آہستہ آہستہ اس سے کہہ رہے تھے، وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی، پھر رات کو اس نے سحاب تک ابا کا مدعا ہی نہیں پہنچایا تھا، ان کی گفتگو، ان کی حالت، ان کے الفاظ سب کچھ ساتھ ہی بتایا تھا، شاید وہ دل سے یہی چاہتی تھی کہ اب کی بار سحاب کی طرف سے ابا کو کوئی دکھ نہ پہنچے، سحاب جو ایک بار دوٹوک انکار کر چکی تھی، چپ بیٹھی رہ گئی، ابا، امی کا خیال، احمد کی وجہ سے گھر کا تناؤ پھر اپنے اور بچے کے مستقبل کے حوالے سے بہت سے سوالات اسے پھر انکار کرنے سے روک رہے تھے۔

"تم جوان ہو، خوبصورت ہو، پھر ایک بیوہ بھی تو اتنی بڑی عمر کیسے گزار سکتی ہو، تم نے چار دیواری کے اندر زندگی گزاری ہے، تحفظ، محبت اور اعتماد دیکھا ہے، اللہ نہ کرے جو باہر کی گرم ہوا بھی تمہیں چھو جائے، تمہارے بھائی کے تیور وہی ہیں جو تم دیکھ رہی ہو، ہم ماں باپ چراغ سحری کی مانند جو نجانے کب بجھ جائے، کم از کم اتنا سکون تو ہوگا ناں مرتے وقت کہ اپنے فرائض پورے کر کے تم لوگوں کو اپنے اپنے گھروں کا کر دیا، والدین کے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہوتی۔" امی نجانے کب اس کے پاس آ کر بیٹھی تھیں اسے پتہ نہیں چلا تھا، وہ بھی آہستہ آہستہ کہتی چلی گئیں، ان کی باتیں سنتی سحاب کو اس پل پتہ نہیں کیا ہوا کہ امی کے گلے سے لگ کر روتی چلی گئی۔

"امی آپ جیسا چاہیں ویسا کریں، بس میرے حق میں دعا کیجئے گا۔" وہ سسکتے ہوئے بولی تو ایک تشکر بھری سانس امی کے منہ سے نکل گئی۔

"والدین تو سراپا دعا ہوتے ہیں اولاد کے لیے، ان کی تو زندگی عبارت ہی اولاد کے دم سے ہوتی ہے، اللہ تم سب کو خوش رکھے (آمین)۔" انہوں نے اسے الگ کر کے اس کی پیشانی چومی اور دعا دے کر کہا۔

اگلے ہفتے ہی شہزاد کی امی کو رخصتی کی تاریخ دے دی گئی تھی، پھر ایک شام وہ اس گھر سے ایک بار پھر رخصت ہوئی تھی فرق صرف یہ تھا کہ اس بار ایک اطمینان اور سکون تھا جس نے اس کو گھیر رکھا تھا کہ وہ اپنے والدین کی مرضی سے رخصت ہوئی تھی اور اللہ نہ کرے اگر زندگی کے کٹھن سفر میں کوئی کٹھنائی آئی بھی ماں باپ کی دعا اسے اس تک آنے سے روک دے گی، فی الحال ریحاب نے ریحان کو اپنے پاس روک لیا تھا کہ کل جب وہ ولیمہ پر آئیں گے تو اسے ساتھ لے کر آئیں گے، دوسرا وہ ریحاب سے بہت ہل گیا تھا، سو خوش ہو کر باقی سب کے ساتھ ماں کو رخصت کیا تھا۔

☆☆☆

پہلی بار جب وہ دلہن بنی تھی تو دل میں امنگیں تھیں، خواب تھے من پسند جیون ساتھی کے ملنے کی خوشی تھی، دل کی دھڑکن تو اب بھی بے حد تیز تھی پر اس بار دل میں وسوسے تھے، خوف تھا، خدشات تھے، بالآخر طویل انتظار کے بعد وہ آیا تھا۔

"پتہ نہیں کیوں بہت چاہتے ہوئے بھی میں ویسے خوش نہیں ہو پا رہا ہوں جیسے ہونا چاہیے تھا، یہ احساس ہی مجھے خوش نہیں ہونے دے رہا ہے کہ مجھے ٹھکرا کر تم نے کسی اور کو میری جگہ دی اپنے دل میں اور آج جب میرے نام کی مہندی لگا کر میری سیج سجائے بیٹھی ہو تو کیسے اس کو دل سے نکال کر مجھے جگہ دے سکتی ہو؟" گمبھیر آواز میں وہ یاسیت سے بولا تو سحاب نے جھٹکے سے اپنا سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سرخ آنکھوں سے خود کو

بغور دیکھتے پا کر وہ نظریں جھکا گئی، اسے لگا اپنی زندگی میں قسمت کی دوسری بازی بھی وہ ہار گئی تھی۔

''کچھ کہو گی نہیں۔'' اسے مسلسل چپ دیکھ کر اس نے کہا۔

''آپ صرف اس بات کا یقین کر لیں کہ آج اگر اس جگہ میں آئی بیٹھی ہوں تو اپنی پوری رضا مندی کے ساتھ اور جو گزر گیا وہ کل تھا، میرا آج صرف آپ ہیں اور یہی حقیقت ہے۔'' اس کے آہستہ سے کہے گئے ان الفاظ نے شہزاد کے دل میں لگی آگ کو ختم تو نہیں البتہ کم ضرور کر دیا تھا، جبھی اس کے چہرے کے تنے نقوش ڈھیلے پڑ گئے اور اس نے نرمی سے سحاب کا ہاتھ تھاما اور گزرے ماہ سال کے ہجر کے قصے سنانے لگا، ابھی ابا اور امی پوری طرح سکون کا سانس بھی نہ لے پائے تھے کہ احمد نتاشا سے نکاح پڑھا کر اسے گھر لے آیا تھا، وجہ یہ بیان کی تھی کہ اس کے والد کی طبیعت بگڑنے پر وہ بیٹی کے مستقبل سے پریشان ہو کر اس کا فوری نکاح چاہتے تھے چونکہ امی ابا راضی نہ تھے لہٰذا اسے ایمرجنسی میں یہ قدم اٹھانا پڑا، اپنے اس فعل پر اسے ہرگز شرمندگی نہ تھی، خاندان میں بات کا پھیلنا تھا کہ تائی خود ان کے گھر آ کر امی ابا کو لعنت ملامت کر گئی تھیں۔

''ارے تم لوگوں کی تو عادت ہے کہ ایک جگہ رشتہ طے کر کے دوسری جگہ شادی رچا لینا پر پتہ نہیں کیسے میں کیسے پھنس گئی تم لوگوں میں۔'' ان کا اشارہ یقیناً سحاب کے شہزاد سے پہلے رشتے کی طرف تھا۔

''بھابھی بیگم! آپ بیٹھیں تو سہی، بات تو سنیں ہماری۔'' امی ان کی منتیں کرتی رہ گئیں۔

''ارے کوئی تمہاری بیٹی کو ٹھکرائے تو پتہ چلے کہ کیسے کلیجہ کٹتا ہے، اب ہماری طرف سے بھی انکار سمجھو اور ہرگز کسی خوش فہمی میں نہ رہنا کہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی میں تمہاری بیٹی کو بیاہنے آؤں گی۔'' وہی ہوا جس کا سب کو ڈر تھا، چچی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا، امی کی تربیت اور بچوں کو دی جانے والی آزادی کے بارے میں بھی بہت کچھ سنا کر گئی تھیں۔

احمد اور ابا گھر نہیں تھے، ریحاب یونیورسٹی گئی تھی جبکہ نئی دلہن کمرے میں محصور تھی، وہ تو جب سے آئی تھی اس کا یہی وطیرہ تھا کہ سارا دن کمرے میں بند رہتی، ناشتا ریحاب دے آتی تھی، کھانا ویسے بھی شروع سے امی خود بناتی تھیں کھانے کے ٹائم بھی وہ باہر نہیں آتی تھی حالانکہ ابا اور امی ہوتے تھے صرف، رات کو میاں کے آنے کے بن ٹھن کر کہیں جانے کو تیار ہوتی اور دونوں کہیں نکل جاتے تھے، رات کو امی نے ابا اور احمد کو یہ سب کچھ بتایا تھا۔

''تو نہ کریں، ان کا بیٹا کوئی زمین پر آخری مرد نہیں رہ گیا، ہو جائے گا ریحاب کا بھی میں دیکھ لوں گا، آپ فکر نہ کریں۔'' بے فکری سی بے فکری تھی، ابا تو جب سے وہ دلہن لے کر آیا تھا اس سے کلام ہی نہ کر رہے تھے جبکہ امی بس خاموشی سے ایک نظر اس پر ڈال کر رہ گئیں۔

''احمد ایسا کیسے کر سکتا ہے ریحاب؟ اتنی خود غرضی، اس نے ایک بار پھر تمہارا نہیں سوچا، حسان کا فون آیا تھا۔'' اس کی حیرت بھری رنجیدگی پر وہ چپ بیٹھی رہی تھی۔

''اماں نے مجھے فون کر کے بہت کچھ کہا ہے، یقیناً تم لوگوں کو بھی کہا ہوگا، ان کا غصہ بجا ہے ریحاب، درگزر کرنا اور ایک بات یاد رکھنا کہ میں اپنے قول کا پکا بندہ ہوں اماں کچھ کہیں، دنیا کچھ کہے، میں نے رشتہ باندھا ہے تو نبھاؤں گا بھی، تم صرف میری ہو بس، میں آ کر سب

سنبھال لوں گا۔'' اس پل ریحاب کی سسکی نکل گئی وہ مزید بے چین ہو گیا۔

''ایسا مت کرو ریحاب، مجھے تکلیف ہو رہی ہے تمہارے رونے سے، مشکلات آزمائشیں تو انسان کی زندگی کا حصہ ہیں، ان سے نکلنے کے بعد ہی زندگی نئی لگتی ہے، مقابلہ کرنا ہی تو بہادر انسانوں کا شیوہ ہے، وقت کبھی رکتا نہیں ہے، اچھے وقت کی یہ خوبی ہے کہ بے پناہ خوشی دیتا ہے، برے وقت کی یہ خوبی ہے کہ ٹھہرتا یہ بھی نہیں، گزر ہی جاتا ہے، اللہ کا تو کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہے پر یہ حکمت ہم نادان انسان کیسے جانیں۔'' یہ سب باتیں وہ بھی جانتی تھی پر کوئی وقت ہوتا ہے ناں کہ کوئی بہت اپنا اپنے الفاظ و انداز سے آپ کے دکھ کی شدت کو کم کر دیتا ہے نرمی سے، محبت سے، وہ آہستہ آہستہ بولتا اس کی ڈھارس بندھاتا چلا گیا۔

☆☆☆

سحاب آئی تھی بہت دنوں بعد شہزاد چھوڑ کے گیا تھا آج وہ ریحان کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آئی تھی، عجیب شعلہ شبنم کا سا رویہ ہے اس کا، کبھی موم کی طرح نرم، کبھی پہاڑ کی طرح سخت، کبھی پرانی محبت عود آئے تو زندگی جنت لگنے لگتی ہے اگلے ہی پل اسے میری پچھلی زندگی میں گزارے خوشگوار دنوں کا غم ستاتا ہے تو لگتا ہے زمین تنگ پڑ گئی ہو میرے لئے، ایسے ایسے سوالات، ایسی ایسی باتیں کہ میں کٹ کٹ کے مرتی ہوں، دوست جیسی بہن کے آگے وہ خود کو عیاں کر ہی بیٹھی حالانکہ امی کے سامنے اس نے خود کو خوش ظاہر کر کے مطمئن کر دیا تھا ان کو۔

''تم اپنی محبت کا یقین دلاؤ ان کو، وہ دل کے برے ہوتے تو کسی بھی پل تم سے اچھے طریقے سے پیش نہ آتے بس یہ تو انسانی فطرت ہے خصوصاً مرد اپنی بیوی کے متعلق ہر حوالے سے حساس ہوتا ہے، تم نے انہیں چھوڑ کر دوسرے شخص کو ان پر ترجیح دی تھی، مرد یہ چیز نہیں بھولتا، انہیں یہ سب بھولنے میں مدد دو اپنی توجہ سے، محبت سے، مجھے یقین ہے وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔'' اپنی بساط کے مطابق اس نے سحاب کو سمجھانے کی کوشش کی تھی جو اس کے پل میں تولہ پل میں ماشہ والے رویہ کے متعلق سخت کبیدہ خاطر ہوئی بیٹھی تھی۔

نتاشا نے اب احمد کے ساتھ ہی آفس جوائن کر لیا تھا کہ اس کے ابا کی کمپنی تھی ویسے بھی وہ ایک موڈی لڑکی تھی، گھر میں وہ بہت کم کسی سے مخاطب ہوتی اگر گھر پہ ہوتی بھی زیادہ تر وقت وہ دونوں میاں بیوی کا دفتر میں گزرتا وہاں سے وہ دونوں نتاشا کے باپ کے گھر چلے جاتے جہاں سے رات گئے ان کی واپسی ہوتی تھی۔

انہی یاسیت بھرے دنوں میں ریحاب نے ابا کی اجازت سے رزلٹ آتے ہی جاب شروع کر دی تھی، اس کی کلاس فیلو کے چچا کی نجی کمپنی میں حال ہی میں ایک فی میل ورکر کی جگہ خالی تھی، پرکشش تنخواہ کے ساتھ دیگر مراعات بھی تھیں حالانکہ احمد نے تو خوب ناک بھوں چڑھائی تھی، پر ابا نے کہا تھا کہ وہ ابھی زندہ ہیں اس لئے اسے ان کی بیٹیوں کے معاملات میں بولنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

☆☆☆

اس دن وہ معمول سے تھوڑا دیر سے گھر پہنچی تھی، گھر آنے پر اسے حجاب اور پنکی نظر آئیں تھیں ایک خوشگوار سی حیرت نے اس کا احاطہ کر لیا کہ بہت دنوں بعد ان کا چکر لگا تھا، پر امی کی بات اسے وہیں دہلیز پر ساکت کر گئی تھی۔

''پھر بھی بیٹا! تمہیں گھر چھوڑ کے نہیں آنا

چاہیے تھا، مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوا امی کہ ایک عورت اٹھ کر میرے گھر، میرے شوہر کو تقسیم کر لے اور میں احتجاج بھی نہ کروں، میری ساس کو یتیم بھانجی بیاہنی تھی تو دنیا ختم تو نہیں ہو گئی تھی مردوں سے، میری کمی کو میری کمزوری بنا کر بیٹے کو دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دی اور راحیلہ کو میری سوتن بنا کر نہ جانے کون سا بدلہ چکایا ہے، وہ لڑکی جس کو میں جوتے کی نوک پر بھی نہ رکھنا پسند کروں اسے میرے برابر لا کھڑا کیا، میرا اس گھر اس شخص سے اب کوئی تعلق نہیں رہا ہے بس۔'' حجاب نے روتے ہوئے امی سے کہا تھا اسی پل ساری بات ریحاب کی سمجھ میں آ گئی تھی، ایک تھکن سی رگ و پے میں سرائیت کرتی چلی گئی۔

☆☆☆

وہ کچن میں ناشتا بنانے میں مصروف تھی جب شہزاد کی دھاڑ اور ریحان کے رونے کی آواز نے اس کے اوسان خطا کر دیئے، روٹی توے پر چھوڑ کر وہ اندر کی طرف بھاگی تھی جہاں شہزاد ہاتھ میں کوئی فائل پکڑے بری طرح سے برس رہا تھا جبکہ ماں کو دیکھتے ہی ریحان بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا۔

''ماما...... مجھے یہاں نہیں رہنا شہزاد پاپا گندے ہیں، انہوں نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔'' وہ ماں اسے شکایت کرتے ہوئے چپک گیا، اس کی سسکیاں سحاب کے دل پر قیامت ڈھا گئیں۔

''کیا ہو گیا ہے شہزاد؟ کیوں چلا رہے ہیں؟ اور اس معصوم نے ایسا کیا کر دیا جو اس پر ہاتھ اٹھا دیا آپ نے؟'' بولتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا۔

''یہ دیکھو، اس معصوم کے کام اتنی اہم فائل پر انک گرا دی اس نے اور آج پریزینٹیشن ہے میری رات تین بجے تک جاگ کر کام مکمل کیا ہے اور شیطان کے پرکالہ نے ساری محنت برباد کر دی میری۔'' وہ پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں دھاڑا تھا، بچہ سہم کر مزید اس سے چپک گیا۔

''بہورانی! اگر لاڈلے کے لاڈ اٹھانے سے فرصت مل گئی ہو تو کچن کی خبر لے لو، کیا جلنے کے لئے چھوڑ آئی ہو۔'' اس پل سحاب کا دل چاہا اپنا سر کہیں دے مارے، صرف نام کا اس بچے کو اپنانے کا عہد کیا تھا ان لوگوں نے ورنہ اتنے اعلیٰ ظرف ہرگز نہیں تھے، شہزاد کی ساری محبت اور چاہت بھلے سحاب کے لئے آج بھی ویسے ہی شدت لئے ہوئے تھی پر بچے کو دیکھتے ہی اس کی تیوری پر بل پڑ جاتے، لہجہ خود بخود کھردرا ہو جاتا، اس کی ماں اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہی تھیں، ریحان کا ذرا سا شور انہیں ناگوار گزرتا، سارا دن بڑبڑاتے ہوئے گزرتا۔

''ارے پتہ نہیں کیسی عشق کی پٹی میرے بیٹے کی آنکھوں پر بندھی تھی کہ تھوک کو چاٹنے پر مجبور ہوا خود بھی مجھے بھی ساتھ ہی خوار کرا دیا، ارے اجازت تو دیتا مجھے ایک سے ایک لڑکی بیاہ کے لے آتی اس کے لئے پر نہ جی برتی ہوئی عورت پہ بھی راضی ہو گیا، چلو بیوہ تو برداشت تھی، بچہ بھی ساتھ، اس کو بھی باپ بن کے پال رہا ہے میرا بیٹا۔'' وہ کبھی خود ہی بولتی رہتیں، کبھی آئے گئے کو سناتے ہوئے کن اکھیوں سے سحاب کو بھی دیکھ لیتیں اور سب سے بڑھ کر ظلم تو تب کیا جب انہوں نے ریحان کو چھوٹے چھوٹے کام کرانا شروع کر دیئے، وہ بھی ایسے ایسے کام جن کو دیکھ کر سحاب کا کلیجہ کٹ کر رہ جاتا، کبھی کہتیں سارے گھر کے ڈسٹ بن کا گند بڑے ڈسٹ بن میں ڈال کر باہر ڈال آئے، کبھی کہتیں پاؤں میں بہت درد ہو رہا ہے پاؤں دبا دے، اس دن تو سحاب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا جب وہ کچن

سے لاؤنج میں آئی اور ننھے ریحان کو اماں کے پاؤں دباتے دیکھا۔

''کم بخت ہاتھوں میں دم ہے کہ نہیں، کھانے پینے میں کیسے تیزی دکھاتا ہے کم بخت، دودھ کے گلاس پہ گلاس چڑھا جاتا ہے اور ذرا سا کام کرتے ہوئے جان جاتی ہے۔'' وہ اس ننھی سی جان کو کتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی تھیں۔

''سحاب تیزی سے اندر آئی، ریحان بیٹا جاؤ۔ آپ اندر جاؤ میں آپ کی دادی اماں کو دبا دیتی ہوں۔'' اس نے اپنے آنسو ضبط کرتے بمشکل اپنا لہجہ نارمل رکھا تھا۔

''نہ بھئی ہم تو اپنے بیٹے کی اولاد کی دادی ہوں گے۔'' انہوں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تمہارے لاڈلے کے کیا ہاتھ ٹوٹ گئے تھے جو اسے اٹھا دیا، اب گھر کے کام کون دیکھے گا، جو تم یہاں بیٹھ گئی ہو۔'' ان کو پھر بھی سکون نہ ملا، سحاب گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''آپ کو دبا لوں تھوڑی دیر پھر جاتی ہوں کچن میں۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور آنسو بھری آنکھوں سے ان کو دبانے لگی۔

☆☆☆

''یہ تمہاری بہنوں نے عجیب ڈرامہ لگا رکھا ہے، اول تو میں گھر میں بہت کم ہوتی ہوں جو ایک آدھ دن سکون کو ملتا ہے وہ ان کی نذر ہو جاتا ہے پہلے ریحان کا شور دماغ کھائے رکھتا تھا اب حجاب بی بی بیٹی کو لے کر مستقل گھر چھوڑ کے آ بیٹھی ہیں ایک چھٹی کا دن ملتا ہے وہ ان دونوں کے بچے مل کر وہ ادھم مچاتے ہیں کہ ذرا جو مجال ہے بندہ آرام کر لے۔''

آج ہفتہ وار تعطیل تھی تو وہ دونوں گھر پر ہی تھے، سحاب بھی ریحان کو لے کر آئی ہوئی تھی جبکہ حجاب تو پنکی سمیت کب سے تھی ہی یہیں، ریحان طبعاً خاموش اور کم گو بچہ تھا جبکہ پنکی اپنے گھر بھر کی لاڈلی ہونے کی بنا پر شوخ و چنچل مزاج رکھتی تھی یہاں بھی اپنی چونچالیوں کے باعث رونق لگائے رکھتی جبکہ ریحان کبھی پنکی کے ساتھ مل کر کھیل ہی لیتا تھا ورنہ شہزادا اور اس کی ماں کے رویے کے باعث سہمتا جا رہا تھا۔

''بھئی تم سے تو کوئی کچھ نہیں کہتا، تم جو چاہے کرو، باقی شادی شدہ بیٹیاں حق رکھتی ہیں اپنے باپ کے گھر پر، تمہیں کیا کہتی ہیں، چلتا رہنے دو جیسا چل رہا ہے۔'' احمد نے اس کے اعتراض کو رد کر دیا تو نتاشا منہ بنا کر چپ رہ گئی۔

''میں بھی بہت اداس ہوں آپ کے بغیر، ماما نے مجھے گندے والے سکول میں داخل کرا دیا ہے، مجھے اپنا بڑا سکول بہت یاد آتا ہے، فرینڈز یاد آتے ہیں، آپ دادی اور راحیلہ آنٹی یاد آتے ہیں سب بہت، ماما چپکے چپکے روتی ہیں، ہم یہاں کیوں آ گئے بابا؟ ہمیں لے جائیں۔'' وہ ٹھنک کر کہہ رہی تھی اپنے خیال میں گم حجاب اچانک ہی وہاں آئی تھی پھر پنکی کو فون پر بات کرتا دیکھ کر وہیں چلی آئی تھی۔

''کس سے بات کر رہی ہو بیٹا، کون ہے؟'' وہ اس کے نزدیک آ کر بولیں، جواباً پنکی نے کچھ کہے بغیر ریسیور ماں کو پکڑا دیا اور خود صوفے پر جا کر بیٹھ گئی، حجاب نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ریسیور کان سے لگا کر ہیلو کہا۔

''کون؟'' دوسری طرف سے آتی زبیر کی آواز اسے وہیں ساکت کر گئی۔

''کیسی ہو حجاب! ایسے بھی کوئی کرتا ہے بھلا؟'' ان کی بھاری آواز ایک پل کو وہ سارے درد بھلا گئی تھی، یاد رہا تھا تو اتنا کہ وہ دشمن جان کبھی رگ جان سے بھی قریب تر تھا۔

''اپنا گھر بھی کوئی چھوڑ کے جاتا ہے، بھلا، آ کر دیکھو تو تمہارا گھر، تمہارا کمرہ سب سے بڑھ کر تمہارا زبیر تمہارے بنا ادھورے ہیں۔'' ان کے اس طرح کہنے پر حجاب کی سسکی نکل گئی، مرد کی زیادتی اور ظلم کتنا بڑا کیوں نہ ہو اس کی طرف سے کہا گیا ایک پیار بھرا جملہ عورت کی ساری ناراضگی بہالے جاتا ہے۔

''آپ نے بہت برا کیا زبیر میرے ساتھ بہت برا، مجھے جیتے جی ہی مار ڈالا آپ نے، یہ کیسی محبت تھی اور کیسے دعوے تھے کہ ایک معمولی عورت کو میرے برابر لا کھڑا کیا، میرے حق میں برابر کی حقدار بن کر آ گئی اور آپ کہتے ہیں کہ ایسے کیوں کیا میں نے۔'' وہ ایک بار پھر پھٹ پڑی تھی، آنسو بھل بھل بہتے اپنی بے بسی کی داستان سنا رہے تھے، اس کے ناراض ہو کر آنے کے بعد زبیر تین دفعہ اسے منانے اور لینے کے لئے آئے تھے، وہ ان کی آمد کا سن کر خود کو کمرے میں بند کر لیتی تھی، اپنا سیل اس نے جب سے آئی تھی آف کر رکھا تھا، بہت دنوں بعد ان کی آواز سن کر دل میں عجیب گداز پیدا ہو رہا تھا۔

''حجاب میری زندگی میں اپنی اہمیت جانتے ہوئے بھی ایسی بات کر رہی ہو، میں نے بہت چاہا تمہیں دکھ نہ دوں پر اماں کو ناراض نہیں کر سکا، یقین کرو، راحیلہ بہت اچھی لڑکی ہے اس کے میری زندگی میں آ جانے سے تمہاری حیثیت و اہمیت پر کوئی فرق نہیں پڑا۔''

''کیسے فرق نہیں پڑا، ایک عورت نے میرا شوہر، میرا گھر بانٹ لیا اور آپ کہتے ہیں میری حیثیت کو کوئی فرق نہیں پڑا، میں اس بات کو سوچ کر نہ جی پا رہی ہوں نہ مر پا رہی ہوں، ایک ایک پل کانٹوں پر بسر ہو رہا ہے میرا۔''

''جی تو میں بھی نہیں پا رہا ہوں یار، پلیز میں آ رہا ہوں لینے تمہیں۔'' وہ عجب بے بسی سے بولے تھے، ایک پل کو حجاب کا دل کیا سب بھلا کر ان کے ساتھ چل پڑے پر دوسرے پل اپنے نقصان کی یاد آتے ہی دل میں دھڑکتا گوشت کا لوتھڑا ایک دم پتھر بن گیا۔

''میرا اب آپ سے اور آپ کے گھر سے کوئی تعلق نہیں رہا۔'' کہتے ہی اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر خود صوفے پر بیٹھتے بیٹھتے گہرے گہرے سانس لئے گویا میلوں مسافت پیدل طے کر کے آئی ہو، پنکی نجانے کہاں تھی، وہ جس کام کو یہاں آئی تھی وہ سرے سے بھول کر اپنی زندگی کے اس المیے پر نوحہ کناں ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

پے در پے حالات کی تلخی برداشت نہ کر پائے تھے، ورات کو ٹھیک ٹھاک سونے والے ابا صبح اٹھ ہی نہ پائے تھے، ایک قیامت سی قیامت تھی جو اس گھر پر ٹوٹی تھی، دنیا دکھاوے کو پھپھی بھی آئی تھیں اور وقت کا کام تو ہر حال میں گزرنا ہی ہے سو چپکے سے گزر رہا تھا پر گھر والوں کو یہی لگتا کہ مشکلات بھرا ایک دور جس سے وہ سب نبرد آزما ہیں صدیوں سے ان کے اوپر ہی آن ٹھہرا ہے اور آگے بڑھنا بھول گیا ہے، ریحاب نے ایک بار پھر سے آفس جوائن کر لیا تھا پھر ایک بے حد مصروف سے دن میں جب اسے ایک گیسٹ کے آنے کی اطلاع ملی تھی وہ حیرانی سے سوچتی ویٹنگ روم کی جانب آ گئی تھی کہ اس سے ملنے بھلا کون آ سکتا تھا، حسان کو سامنے دیکھ کر حیرت سے گنگ رہ گئی تھی۔

''دیکھ لو پورے کا پورا احسان احمد کسی خیانت کے بغیر تمہارے لئے بچا کے لایا ہوں حالانکہ جگہ جگہ بھٹکنے کے بے شمار مواقع موجود تھے پر میں نے کہا تھا ناں کہ میں عہد کا پکا بندہ ہوں۔'' ریحاب کو نجانے کیا ہوا تھا کہ وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر

بری طرح رو دی تھی۔
''ارے...... ارے میں تو نجانے کیا سوچ کر تمہارے پاس آیا ہوں، خوشی سے کھلتے رنگ اس چہرے پر دیکھنے اور تم مجھے رو کر پریشان کر رہی ہو۔'' وہ اضطراری کیفیت سے بولا۔
''حسان! ابا نہیں رہے میں بہت سے محاذوں پر تنہا لڑتے کمزور پڑ رہی ہوں، ابا تھے تو ہمارے اوپر آنے والی ہر بات خود پر روک لیتے تھے ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا تھا ہمارے مسائل خود بخود کیسے سلجھ جایا کرتے تھے، اب کچھ نہیں بچا، بھابھی تو پہلے دن سے پرائی تھیں اب ابا کے بعد تو گویا ان کی زبان پر کانٹے اگ آئے ہیں، حجاب کو الگ گھر چلے آنے پر سناتی ہیں پنکی معصوم بچی ہو کر ان کھٹکتی ہے اور مجھ سے تو خدا واسطے کا بیر باندھ لیا ہے، جب سے چچی آپ کے رشتے سے منع کر کے گئی ہیں ہر دوسرے روز احمد کے توسط سے کوئی رشتہ لے کر چلی آتی ہیں، ایک دفعہ تو امی نے منع کر دیا کہ ابو کو گزرے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں پر مجھے نہیں لگتا کہ ہم زیادہ دیر ان کو روک پائیں وہ بھی اس صورت جب چچی خاندان میں ہر جگہ آپ کا رشتہ دیکھتی پھر رہی ہیں، اڑتی پڑتی بھابھی تک پہنچتی نہیں کہ وہ انہیں پڑھا چڑھا کر احمد کو لگانا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔'' رندھے گلے کے ساتھ وہ کیا بتانا اور جتانا چاہ رہی تھی وہ سب سمجھ گیا تھا، کچھ دیر پہلے والی شوخی و چونچالی مفقود تھی، حسان کے مزاج میں، اب وہ سنجیدگی سے اسے سنتے ہوئے کچھ سوچ بھی رہا تھا۔
''ان سب باتوں سے قطع نظر یہ بات کبھی مت بھولنا رابی! کہ تم صرف میری ہو اور نہ ہی کسی کو بھولنے دینا تاوقتیکہ میں اماں کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہ کر دوں۔'' ابا کا افسوس کرنے اور تسلی دینے کے بعد اس نے قطعی لہجے میں اسے باور کرایا تھا۔
''جلد ہی یہ اندھیرے چھٹ جائیں گے کیونکہ میں روشن اجالے کی چند کرنوں کی جھلک دیکھ چکا ہوں، صرف اور صرف میرے ساتھ رہنا ہے بس تم سے اتنی گزارش ہے میری...... چلتا ہوں...... اپنا خیال رکھنا۔'' اسے ایک بار پھر سنہرے سپنوں کی سنہری ڈور میں باندھ کر وہ چلا گیا تھا۔
گھر آنے پر پنکی کے ساتھ کھیلتا ریحان نظر آیا تھا، امی نے بتایا تھا کہ سحاب کی طبیعت خراب ہونے کی بنا پر وہ اس کا صحیح خیال نہیں رکھ پا رہی تھی سو شہزادا سے یہاں چھوڑ کے گیا تھا کہ جب تک سحاب ایسی کنڈیشن میں ریحان یہیں رہے گا۔
''کیا ہوا سحاب کو؟ زیادہ طبیعت تو خراب نہیں؟ یہاں آ کر رہ لیتی کچھ دن؟'' اس نے ایک ہی سانس میں بہت سے سوال پوچھ ڈالے۔
''ارے بھئی کچھ ایسا نہیں ہوا ہے بس ابتدائی مہینوں میں بعض عورتوں کے ساتھ ایسی صورتحال ہو جاتی ہے، تم جا کے کھانا کھا لو پہلے۔'' حجاب نے اس کی تسلی کرائی تھی پھر جب اس کی سمجھ میں یہ بات آئی تو اس نے بے ساختہ خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک لمحے میں کئی بدگمان سوچیں اس کے ذہن کے جزیرے سے آ کر ٹکرائی تھیں۔

☆☆☆

''آپ مان کیوں لیتیں اس بات کو کہ قسمت میں ایسے ہی ہونا لکھا تھا پھر نازیہ کا رشتہ بھی تو ہو گیا ہے، اب آپ کو اعتراض کس بات پر ہے؟'' حسان جھنجلا کر بولا۔
''لو بھلا بتاؤ، غیرت بیچ کھائی ہے تم نے تو، ایسے معاملوں میں تو لوگ غیرت کے مارے کھڑے کھڑے قتل کر دیتے ہیں، کئی کئی بچوں کی

ماؤں کو طلاقیں ہو جاتی ہیں اور تم ہو کہ بہن کی بے عزتی کا کوئی احساس کیے بغیر کہتے ہو، میں دوبارہ اس گھر سوالی بن کر جاؤں جہاں سے میری بیٹی کو ٹھکرایا گیا، میرے جیتے جی تو یہ ہو نہیں سکتا، آگے تمہاری جو مرضی آئے کرو۔'' وہ جب سے واپس آیا تھا اماں کو سمجھانے میں ہی لگا تھا کہ اس سب میں اس کا یا ریحاب کا کیا قصور ہے پھر اب تو اس کی بہن کا رشتہ بھی ایک بہت اچھی جگہ ہو گیا تھا، لیکن اماں کی ضد تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، انہوں نے تو اس کے لئے لڑکیاں بھی دیکھنی شروع کر دی تھیں اور بیٹی کے ساتھ ساتھ اسے بھی نپٹانے کا پورا ارادہ تھا ان کا پر اس کی ضد پر روزانہ ایک آدھ بار تو اس معاملے پر بحث ہونا اب اس گھر کا معمول بن چکا تھا، دونوں فریق ہی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے، انہی دنوں میں حسان کو ملنے والی شاندار جاب بھی اسے خوش نہیں کر پا رہی تھی، اماں اب اس کی اس معاملے میں ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے جذباتی بلیک میلنگ پر اتر آئی تھیں۔

☆☆☆

''آج ذرا جلدی آ جانا، تمہارے بھائی کے کوئی ملنے والے ہیں انہوں نے شام کو آنا ہے۔'' وہ گھر سے نکلنے ہی والی تھی جب امی نے اسے کہا تھا وہ ساکت رہ گئی تھی۔

''تم صرف میری ہو، یہ بات نہ خود بھولنا نہ ہی کسی کو بھلانے دینا۔'' چند دن پہلے کی کہی گئی بات اس کی سماعتوں میں ایک بھر پھر گونجی۔

''مگر امی......'' اس نے کچھ کہنا چاہا جب امی کی تھکی آواز نے اس کے اگلے الفاظ چھین لئے۔

''کچھ مت کہو ریحاب، بھابھی بیگم نے اپنے بیٹے کا کہیں اور رشتہ کرنے کا صرف زبانی اعلان نہیں کیا تھا اس پر عمل بھی کر ڈالا ہے، کل شاہانہ آئی تھیں یہاں یہی بتانے کے لئے کہ تمہاری چچی ان کی بیٹی کا بڑی چاہت سے رشتہ طلب کر رہی ہیں جبکہ وہ لوگ بھی ہاں میں جواب دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' انہوں نے اپنی ایک عزیزہ کا نام لے کر بتایا تو ریحاب کو حسان کے کچھ دن پہلے کیے گئے دعوے اپنا مذاق اڑاتے محسوس ہوئے، کچھ کہے بغیر وہ دہلیز پار کر گئی تھی۔

سارا دن اس مضمحل سی حالت میں گزرا اس کا، بہت بار دل کیا کہ اس ستمگر سے باز پرس تو کرے کہ اسے ایک وعدے کا پابند کر کے وہ خود کیوں نئے راستوں کی طرف پرواز کر رہا تھا پر اس نے جب سے خود سے عہد کیا تھا کہ کسی بھی نا محرم کی طرف کسی قسم کے رابطے میں پہل نہیں کرے گی چاہے وہ اس کا منگیتر ہی کیوں نہ ہو، سو آج تک اس عہد پر کار بند تھی، دل پر پیر رکھ کر خاموشی سے وہ وقت گزارا اور شام کو جلدی چھٹی لے کر آ گئی تھی۔

احمد اور ثنا شاگھر پر ہی تھے اور آنے والوں سے شاید پہلے سب طے تھا جو وہ انگوٹھی اسے پہنا کر باقاعدہ رسم بھی کر گئے تھے، ان کے جانے کے بعد احمد نے امی کو کچھ رقم دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ شادی کی تیاری شروع کر دیں وہ مزید رقم کا بھی کچھ دنوں میں بندوبست کر لے گا کیونکہ وہ ان لوگوں کو دو ماہ بعد شادی کی تاریخ دے چکا ہے، پھر دونوں میاں بیوی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے، اگلے دن سحاب چلی آئی تھی اسے فون کر کے امی نے بلوایا تھا تا کہ شادی کی تیاری ساتھ ساتھ ہو سکے، آتے ہی اس نے ریحان کو والہانہ انداز میں پیار کیا تھا اور ساتھ چپکا کے بیٹھ گئی تھی۔

تعطیل ہونے کے سبب ریحاب بھی گھر ہی

تھی۔

''وہ بہت کینہ پرور شخص ہے، میرے بچے سے میرا لگاؤ اور توجہ برداشت نہیں کر پا رہا، ریحان کو یہاں چھوڑنے کا فیصلہ اس کا تھا میری مرضی کو اہمیت دیئے بغیر، اسے لگتا ہے ریحان کی موجودگی میں خود کا اور آنے والے بچے کا ٹھیک سے خیال نہیں رکھ پاؤں گی، میرے لئے اس کی محبت کی شدتوں میں اضافہ ہی ہوا ہے پر اس ننھے وجود کے لئے پیار بھرا ایک لفظ بھی نہیں ہے، مجھ سے شدید محبت کا دعویدار شہزاد میرے بچے سے شدید نفرت کرتا ہے۔'' امی جب کچن میں تھیں بہنوں کو اکیلے پا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، شہزاد کی تنگ دلی نے ان دونوں کو بھی افسردہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

''ریحاب! تمہارا فون ہے۔'' دو تین دن بعد ابھی وہ آفس سے آئی ہی تھی کہ حجاب نے اس سے آ کر کہا۔

''کس کا ہے؟'' وہ استفہامیہ انداز میں کہتے اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی جبکہ حجاب کچھ کہے بغیر لاؤنج سے باہر نکل گئی تھی، لینڈ لائین فون ان کے لاؤنج میں تھا اس نے الگ رکھا ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا کہ دوسری طرف سے آنے والی زوردار آواز اس کے اوسان خطا کر گئی تھی۔

''کیا بکواس کی تھی میں نے کہ ایسا کچھ مت ہونے دینا اور تم نے...... تم نے نہ صرف انگوٹھی بھی پہن لی بلکہ شادی کی تیاریاں بھی کرتی پھر رہی ہو، یہ ہے تمہاری نام نہاد اخلاقیات کو وعدہ کر کے مکر گئی ہو۔'' وہ بول نہیں رہا تھا پھنکار رہا تھا۔

''حسان! میں نے آپ سے کوئی وعدے نہیں کیے تھے کبھی بھی میں نے پہلے بھی اپنے والدین کے آگے سر جھکایا تھا اب بھی ایسے ہی کیا ہے، اگر کسی کوشش کا ذمہ لیا تھا تو وہ آپ نے لیا تھا میں نے نہیں، بہرحال آپ نے نیا رشتہ بنا لیا بہت اچھا کیا، بہت مبارک ہو، مجھے آئندہ کبھی فون مت کیجئے گا کیونکہ میرا اب آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' دل کے درد کو دبائے اس نے دوٹوک کہا تھا اور فون بند کر کے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

اسے ابھی آفس آئے بمشکل آدھا گھنٹہ ہوا تھا جب وہ سیدھا اس کے کیبن میں آ گیا تھا، اس کے ساتھ والی لڑکی اس کے تیور دیکھ کر ایکسکیوز می کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

''کیا بات ہے؟ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' اس نے کسی قدر ناگواری سے پوچھا، ایک بار وہ اس کا آنا نظر انداز کر گئی تھی اب روز روز اس کا یہاں آنا اس کی ریپوٹیشن پر کئی سوال اٹھا سکتا تھا جبکہ اب اس سے کوئی تعلق بھی باقی نہ بچا تھا۔

''تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چل رہی ہو۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ اس کی ٹیبل پر ہتھیلیاں ٹکا کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔

''کک...... کہاں؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''میرے ساتھ اور کہاں، ہم آج ہی نکاح کریں گے، جب گھر والے ہماری خواہش، مرضی اور خوشی کا خیال نہیں رکھے رہے تو ہم کیوں رکھیں۔'' اس نے اطمینان سے ایسے کہا جیسے ان کے درمیان بہت دوستانہ تعلقات ہوں اور اس کے کہتے ہی وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑے گی، ریحاب تاسف سے اس کی خودغرضی کو دیکھ

کررہ گئی تھی۔

''مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ مجھے ایسی لڑکی سمجھتے ہیں تو بہت غلط سمجھتے ہیں، میں مر کر بھی ایسا کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں ہوں جس سے میرے ماں باپ کی عزت پر حرف آئے اور میرے مرحوم باپ کی روح کو تکلیف پہنچے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''بھلے تمہارے دل اور روح کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے؟'' وہ میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''جی ہاں، میرے ماں باپ کی عزت کے لئے میری جان بھی چلی جائے تو بھی پرواہ نہیں یہ تو پھر معمولی سا دل ہی ہے اور آئندہ آپ یہاں کبھی نہیں آئیں گے کیونکہ میں اب کسی اور کے نام سے منسوب ہوں۔''

''ایسی کی تیسی کسی اور کی، جب تک میں زندہ ہوں ایسا ہو نہیں سکتا یہ بات یاد رکھنا۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا اپنی بات مکمل کر کے اسے گم صم چھوڑ کے کب کا جا چکا تھا، ریحاب کے لئے گویا ایک نیا امتحان تیار تھا۔

''یا اللہ وہی کرنا جو ہم سب کے حق میں بہتر ہو۔'' واپس آنے پر اسے پتہ چلا کہ امی سحاب کی طرف گئی ہوئی تھیں وہ ڈلیوری کے لئے ہاسپٹل میں تھی اور شام تک شہزاد نے بے حد خوش ہو کر ان کو فون کر کے ایک بیٹے کا باپ بن جانے کی اطلاع دی تھی۔

''ریحان! یہاں آؤ، تمہاری ماما تمہارے لئے ایک پیارا سا بھیا لے کر آئی ہیں۔'' اس نے سیڑھیوں میں خاموش بیٹھے ریحان کو بلا کر کہا تو واقعی وہ خوش ہو گیا۔

''رابی لالہ! کہاں ہے میرا بھیا، میں نے جانا ہے اس کے پاس، اپنی ماما کے پاس۔''

بچے کی خوشی پر اس کا دل کٹ کر رہ گیا، شہزاد کے گھر وہ ان ماں بیٹے کے رویے سے سہما رہتا، یہاں آکر اپنی ماں کے لئے بے حد اداس ہو جاتا تھا۔

''ٹھیک ہے ابھی چلیں گے، پہلے آپ کھانا کھا لو، پھر میں اپنے ریحان کو چھوٹا بھیا دکھانے لے جاؤں گا۔'' اس کے کہنے پر ریحان نے خوشی سے سر ہلایا اور اس کے ساتھ ہو لیا شہزاد کی تیوریاں اسے دیکھ کر چڑھ گئی تھیں۔

''ریحاب! ابھی تو سحاب خود کو نہیں سنبھال پا رہی دو دو بچوں کو کیسے سنبھالے گی، فی الحال اس کو ساتھ لے جاؤ، میں کچھ دنوں تک اسے لے جاؤں گا، ریحان کی ضد پر کہ وہ ماما اور بھیا کے پاس رکے گا۔'' شہزاد جلدی سے بولا تھا، ریحاب نے سحاب کے نقاہت زدہ چہرے کو مزید زرد ہوتے دیکھا تھا پر کچھ کر نہ پائی تھی اور ریحان کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

☆☆☆

''دیکھ لئے اپنی اولاد کے کرتوت...... شکل مومناں کرتوت کافراں ہونہہ، حلیہ دیکھ کے کوئی کہے بی بی سیدھی مدرسے سے درس کے لئے تشریف لا رہی ہے اور رنگ ڈھنگ تو دیکھو کیسے ان شریف لوگوں کو تگنی کا ناچ نچا دیا۔'' نتاشا بھابھی کی تلوار سے تیز دھار والی زبان تھی اور گنگ بیٹھی تینوں ماں بیٹیاں۔

''پر بھابھی اس میں ریحاب کا کیا قصور ہے، سو بجن دشمن ہوتے ہیں انسان کے اب اس کو کیا پتا کہ کون ان لوگوں کو فون پر دھمکا رہا ہے۔'' حجاب نے زیادہ دیر برداشت نہ ہوا تو وہ بول اٹھی۔

''دشمن کیوں اسی کے کوئی سجن ہوں گے جن سے یہ دھمکیاں دلوا رہی ہے ان بھلے مانسوں کو، آخر کو دفتروں میں کام کرتی ہے، دنیا دیکھ رکھی

ہے اس نے، ایسے ہی نہیں اس کی ماں روتی ہوئی انکار کر گئیں کہ نہ بھئی میرا اکلوتا بیٹا ہے میں نے ایسی لڑکی نہیں بیاہ کے لانی جس کے ساتھ میں میرے بیٹے کی جان کے لالے پڑ جائیں۔"

"بس کریں بھابھی ان لوگوں کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے اور دفتر میں تو آپ بھی کام کرتی ہیں۔" حجاب کی بات نتاشا کو سلگا گئی اس نے خود تو حد کی ہی شام کو احمد کے آنے پر نمک مرچ لگا کے سارا قصہ سنایا کہ وہ بھی بیوی کا ہمنوا بن گیا۔

"اپنی اولاد کو سمجھانے کی بجائے، آپ اس بیچاری کے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہیں جو آپ لوگوں کی ہمدردی میں مری جا رہی ہے، ایک بیٹی کو گھر چھڑوا کے گھٹنوں سے لگا رکھا ہے دوسری کو اتنی ڈھیل دے دی ہے کہ حد نہیں۔"

"بس کرو احمد...... خدا کے لئے بس کرو، یہ میری بیٹیاں ہیں، کوئی جانور نہیں ہیں جن کے گلے میں پٹے ڈال کے رکھوں اگر یہ گھر بیٹھی ہیں یا ان کا نصیب نہیں جڑ رہا تو اس میں ان کا کیا قصور ہے یہ تو قسمت کا پھیر ہے جس کو جہاں لے جائے، مجھے اپنی بچیوں پر پورا اعتماد ہے۔" امی نے لرزتی آواز میں کہا، ریحاب تو کب کی جا کر کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے تو کیجئے ان پر اعتبار میرے پاس روتی ہوئی مت آیئے گا جب حد پار ہو جائے۔" یہ کہہ کر اس نے ساتھ سوں سوں بیوی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرے میں یہ جا وہ جا۔

"ماما...... ماما! ہم اپنے گھر چلتے ہیں یہاں سب آپ کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں، پہلے تو نتاشا ممانی بولتی رہی تھیں، آج ماموں بھی پتہ نہیں کیا بول رہے ہیں آپ کے بارے میں۔" پنکی جو اس سارے میں ٹکر ٹکر سب کی شکلیں دیکھ رہی تھی، روہانسی ہو کر بولی تو

حجاب نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا۔

"تو جاؤ دفع ہو جاؤ باپ کے پاس جس کے کیے کی سزا بھگت رہی ہوں میں۔" اس نے غصے سے کہا کہ پنکی روتے ہوئے اندر کی جانب بھاگ گئی تھی۔

"جبکہ ریحان شکر ہے اس تماشے سے تھوڑی دیر پہلے ہو گیا تھا، جس لڑکے سے ریحاب کا رشتہ طے ہوا تھا نتاشا اور احمد کا کولیگ تھا گزشتہ کچھ دنوں سے اس کو فون پر دھمکیاں مل رہی تھیں کہ اگر اس لڑکی سے شادی کرے گا تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور آج صبح تو حد ہی ہو گئی تھی، اس کی گاڑی پر فائرنگ کر کے اسے نہ صرف خوفزدہ کیا گیا تھا بلکہ بعد میں فون کر جتا بھی دیا گیا تھا کہ یہ صرف معمولی سا دکھاوا تھا اگر وہ باز نہ آیا تو اس بار گولی کا نشانہ خطا نہیں جائے گا، ان لوگوں کے انکار پر اس نے سارا نزلہ ان ماں بیٹیوں پر اتارا تھا اس کے خیال میں ریحاب اس ڈرامے سے واقف تھی، اس میں شامل تھی۔"

"تم...... تم انتہائی گھٹیا انسان ہو۔" دوسری طرف کی ہیلو سنتی ہی وہ بول اٹھی تھی۔

"زندگی میں پہلی بار تم نے میرا نمبر ملایا ہے اس بات پر خوش تو ہونے دو یار، یہ کیا گولہ باری ہی شروع کر دی۔" اس کے برعکس دوسری طرف آواز نہایت خوشگوار تاثر لئے ہوئے تھے۔

"شہریار پر حملہ تم نے کروایا ہے ناں اور دھمکیاں بھی تم دے رہے ہو ناں فون پر اس کو، اس کو ابھی بھی شک تھا کہ شاید یہ اس کی غلط فہمی ہو۔"

"جی ہاں جان من، بالکل ٹھیک واقف ہو میری نیچر سے، آخر کو ہونے والی نصف بہتر ہو۔" وہ کھلکھلایا۔

''ویسے یار بڑا ہی بزدل بندہ نکلا ایک فائر سے ہی میدان چھوڑ کے بھاگ گیا خیر اپنے ساتھ اچھا کیا اس نے، سنو اس وقت میں ذرا شہر سے باہر ہوں ورنہ تمہیں خود آ کر اپنا کارنامہ بتاتا اور اس خوبصورت چہرے کے تاثرات دیکھتا کہ کیسے داد دیتا ہے مجھے، اپنا خیال یہ سوچ کر ہی رکھ لینا کہ تم تمہارے پاس میری امانت ہو، بھولنا مت۔'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا تھا، ریحاب غصے سے کھول کر رہ گئی تھی۔

بیگ کھول کر دیکھنے پر حجاب دھک سے رہ گئی تھی، وہ ہمیشہ سے کھلا خرچ کرنے کی عادی تھی، زبیر اسے خرچ کی قدر میں اچھی خاصی رقم پکڑایا کرتے تھے اب بھی جس وقت وہ گھر چھوڑ کر آئی تھی ایک معقول رقم اس کے پاس موجود تھی لیکن وہ کیسے خرچ ہوتی گئی پتہ ہی نہ چلا، آخر کو اسے یہاں آئے سات ماہ کا عرصہ بھی گزر چکا تھا پھر وہ تو محض ہزاروں روپے ہی تھے ابھی وہ شاید سوچ میں کافی دیر گم رہتی جب پنکی کی کراہ پر وہ چونکی اور گھبرا کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا جو بخار کی شدت سے دہک رہا تھا اب وہ ہلکے ہلکے کراہ رہی تھی۔

''پنکی میری بچی!'' اس نے جھک کر اس کی گرم پیشانی چومی۔

شام کو ہونے والا معمولی سا بخار رات کو اتنی شدت اختیار کر جائے گا یہ سوچا ہوتا تو ڈاکٹر کے پاس ہی چلی جاتی اس نے تو گھر میں موجود بخار کا سیرپ اسے پلا دیا تھا پھر کچھ ہی دیر میں بخار اتر بھی گیا تھا وہ بچی تھی پھر سے کھیل کود میں مگن ہو گئی تھی اب رات کے ایک بجے، لیکن پنکی کی بگڑتی حالت نے کچھ اور سوچنے کی مہلت کہاں دی تھی اسے، امی کو جگا کر اس نے پنکی کے پاس بٹھایا اور چند دن پہلے والے احمد کے تیور اور باتیں بھلا کر اس نے ان کا دروازہ دھڑ دھڑایا، احمد کی شکل دیکھ کر روتے ہوئے ساری صورتحال بتائی تھی وہ چپ چاپ سلیپر پہن کر ساتھ آ گیا، پھر پنکی کی حالت دیکھ کر اس نے کہا۔

''تم تیار ہو جاؤ اس کو ہسپتال لے جانا پڑے گا میں نتاشا کو بتا کر آتا ہوں۔'' سنجیدگی سے کہتا وہ پلٹ گیا۔

''افوہ معمولی سا بخار ہی ہے ناں، کیا ضرورت ہے ہسپتال وغیرہ جانے کی، ایسے چونچلے ہی کرنے تھے آپ کی بہن نے تو رہتی اپنے گھر، اب یہ نیا خرچہ۔'' اس نے غصے سے کہا۔

وہ ہونہہ کہہ کر بڑبڑاتی الماری کی جانب بڑھی جبکہ باہر کھڑی حجاب کو جیسے کسی نے آری سے کاٹ کے رکھ دیا تھا، بچی کو ایمر جنسی میں داخل کر لیا گیا تھا۔

''زبیر...... زبیر پنکی، پنکی بیمار ہو گئی ہے، میں مر جاؤں گی اگر اسے کچھ ہو گیا تو۔'' احمد نے ہی زبیر کو کال کر کے بتایا تھا اب محض آدھے گھنٹے بعد وہ یہاں تھے جب ان کو سامنے دیکھ کر حجاب ضبط کی طنابیں چھوڑ بیٹھی تھی۔

''حوصلہ کرو، صبر کرو، ٹھیک ہو جائے گا سب، اللہ سے دعا مانگو، وہ بہتری کرے گا۔'' وہ اس کو بازو کے حصار میں لئے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''اللہ کا شکر ہے، اب آپ کی بچی خطرے سے باہر ہیں، اتنے تیز بخار میں گہری بے ہوشی پریشان کن تھی، ویسے آپ میں سے ان کے پاپا کون سے ہیں۔'' وہ غنودگی میں بھی اپنے پاپا کو یاد کر کے بلاتی رہی ہیں، ڈاکٹر کوریڈور کا موڑ مڑنے تک ساری تفصیل زبیر کو بتاتے چلے گئے، حجاب تشکر کا سانس لیتی وہیں پڑے بینچ پر بیٹھ

گئی۔

''احمد یار! بہت شکریہ اس وقت جو زحمت آپ کو اٹھانی پڑی حالانکہ یہ میرا فرض تھا، خیر اب میں موجود ہوں یہاں، آپ گھر چلے جائیں، پنکی اب اللہ کے فضل سے ٹھیک ہے اور میں تو حجاب سے بھی کہوں گا کہ گھر جائے ویسے بھی صبح پنکی کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔'' زبیر بینچ پر نیند میں جھولتے احمد کو مخاطب کر کے رسان سے بولے۔

''نہیں نہیں احمد تم چلے جاؤ میں، میں یہیں ہوں اپنی بچی کے پاس۔'' حجاب گھبرا کے بولی۔

تھوڑی دیر میں احمد چلا گیا تو وہ دونوں پنکی کے پاس آ گئے تھے۔

''اس کو ڈرپ لگی ہوئی تھی اور وہ اس وقت نیند میں تھی، پنکی اپنے پاپا کو اور پنکی کے پاپا پنکی کی ممی کو اتنا مس کرتے ہیں کہ دونوں ہی بیمار پڑ گئے۔'' زبیر کے آہستہ سے کہنے پر اس نے چونک کر بغور ان کی جانب دیکھا، وہ واقعی بے حد کمزور ہو گئے تھے۔

''کیا ہوا آپ کو؟'' اس نے بے ساختہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ پوچھا لیکن زبیر کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ پنکی کی کراہ پر چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''پاپا!'' وہ کراہ کر بولی۔

''جی پاپا کی جان میں آپ کے پاس ہوں۔'' انہوں نے جھکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔

''میں نے گھر جانا ہے، آپ کے پاس جانا ہے، مجھے آپ بہت یاد آتے ہیں۔'' اس کی بات سن کر وہ دونوں تڑپ گئے تھے۔

''ہاں میرا بچہ، میری پنکی ٹھیک ہو کر اپنے پاپا کے ساتھ جائے گی، نہ صرف پنکی بلکہ پنکی کی ماما بھی ساتھ جائیں گے، آپ دونوں کا گھر آپ کے بنا بہت اداس ہے۔'' کن اکھیوں سے

انہوں نے خاموشی سے اپنے آنسو صاف کرتی حجاب کو دیکھ کر کہا۔

''سچ پاپا، ماما بھی ساتھ جائیں گی، ہم اپنے گھر جائیں گے؟'' اس کی نقاہت زدہ آواز میں بھی خوشی کا عنصر نمایاں تھا۔

''بالکل جائیں گی ماما بھی۔'' زبیر کی تائید پر اس نے ماں کی طرف دیکھا تو اس نے بھی اثبات میں سر ہلا کر مسکرا کر بیٹی کو دیکھا۔

''آپ بس جلدی سے ٹھیک ہو جائیں پھر ہم اپنے گھر جائیں گے۔'' اس کے آہستہ سے کہنے پر زبیر نے بے ساختہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا، جبکہ حجاب نے یہ کڑا فیصلہ صرف پنکی کی بیماری کی صورت نہیں کیا اس کے پیچھے کئی تلخ عوامل کارفرما تھے۔

جب تک ابا تھے اس گھر پر وہ جیسے چاہتیں تھیں اپنا حق جتاتی تھیں ان کے گزر جانے کے بعد بھابھی کھل کر میدان میں آ گئی تھی، اپنے گھر میں وہ حق جتا کر زبیر سے ہر خواہش، فرمائش پوری کرواتی تھی بلکہ اس کے کہے بغیر ضرورت کیسے پوری ہو جاتی تھی پتہ ہی نہیں چلتا تھا اور اس کی جمع پونجی ختم ہو جانے کے بعد اس نے جب سوچا تھا کہ ضرورتوں کا جو ایک سیل رواں اس کے اردگرد رقصاں تھا اس کو کیسے پورا کرے گی، پھر بھابھی کا تلخ رویہ احمد کا بھابھی کی تائید رکھتا انداز اور لہجہ اس کے لئے اس کے ماں باپ کے گھر کی زمین تنگ کیے دے رہے تھے، پنکی کی بیماری اور بعد کے حالات نے اس کے فیصلے پر حتمی مہر ثبت کی تھی، راحیلہ کو اوپر والا پورشن خالی کروا دیا ہے، اماں اس کے ساتھ رہتی ہیں، تمہارا گھر، تمہارا سب کچھ ویسے کا ویسا ہے مجھ سمیت میرے جذبوں سمیت، پنکی کے سو جانے کے بعد انہوں نے حجاب کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس

کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا تھا۔

''ظرف کی وسعت سوچ کی وسعت سے جڑی ہوتی ہے، تھوڑا سا سوچ کو وسیع کر لو ظرف خود بخود گنجائش نکال لیتا ہے اور یقین کرو حجاب کسی بے سہارا کو نام اور تحفظ دینے کا احساس بہت طمانیت بھرا ہے، تم اسے کھلے دل سے قبول کرو گی تو تمہارا شکر گزار ہوں گا میں اور زندگی کی کئی کٹھنائیاں آسانی میں بدل جائیں گی، نہیں بھی کر سکو گی تب بھی میرے دل میں آج بھی تمہاری جگہ ویسے ہے جیسے پہلے دن تھی۔'' ان کا کہنا تھا کہ کب سے جذباتی سہارا ڈھونڈتی حجاب ان کے شانے سے سر ٹکا کر روتی چلی گئی۔

زبیر کو یقین تھا کہ اشکوں کی یہ بارش تھمنے کے بعد کا مطلع صاف ہو گا ان کے دلوں کا بھی ان کے گھر کا بھی، رنج اور شکووں کے بادل چھٹ جائیں گے۔

☆☆☆

اس کا بیٹا اب گھٹنوں کے بل چلنے کی کوشش کرنے لگا تھا، پھر وہ سہارا لے کر کھڑا ہونے بھی لگ گیا پر شہزاد نے لاکھ اس کے کہنے پر بھی نہ ریحان کو واپس لانا تھا نہ لایا اپنے بیٹے کو دیکھ کر پرائے بیٹے کے لئے نیت میں کھوٹ آ گیا تھا، جبکہ سحاب کی اس سے محبت ختم کرنے میں ناکام رہا تھا جو دن بدن زیادہ ہوتی جا رہی تھی، بے حس انسان نہیں جانتا تھا کہ جدائی محبت کی شدت کو بڑھا دیتی ہے، بعض اوقات بیٹے کو بلاتے، اسے پکارتے سحاب کے منہ سے ریحان کا نام نکلنے کی دیر ہوتی کہ اچھے بھلے خوشگوار موڈ میں بیٹھے شہزاد کا پارہ آسمان پر جا پہنچتا، وہ اسے امی کے گھر بہت کم جانے دیتا، امی اب بیمار رہنے لگی تھیں، ان کا اصرار تھا کہ ریحان کو اب سنبھالنے میں انہیں مشکل ہوتی ہے کل کو جب ریحاب کی شادی ہو جائے گی وہ کیا کریں گی، نتاشا کو اس کا معصوم وجود کھٹکتا تھا وہ سو باتیں سناتی بھی اس کی کسی شرارت پر ایک آدھ تھپڑ بھی جڑ دیتی، سحاب یہ سب سن کر صبر کا گھونٹ بھر کر رہ جاتی، اس روز بھی امی کا فون سنتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، جب اندر آتے شہزاد کو یہ منظر آگ ہی لگا گیا۔

''کون سا ایسا روگ ہے جس کا ہر وقت سوگ مناتی نظر آتی ہو تم۔'' وہ دھاڑا۔

''بکواس کرتی ہو کہ میں تمہاری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہوں، ایسا سچ ہوتا تو چوبیس گھنٹے تم روتی نظر نہ آتی، کس چیز کی کمی ہے یہاں تمہیں روپے پیسے ضروریات زندگی، آسائشیں مگر سال ہو گیا خوشی کی ایک رمق دیکھنے کو ترس گیا ہوں میں تمہارے چہرے پر۔'' اس نے سہم کر جلدی جلدی اپنے آنسو صاف کیے۔

''ریحان...... ریحان کی یاد آ رہی تھی تو...... زندہ ہی ہے...... مر تو نہیں گیا ناں جو ایسے رو رہی ہو، ہر ماہ اس کا خرچ دیتا ہوں تمہیں اس کی ضروریات کے لئے، لیکن...... اسے برداشت نہیں کر سکتا میں، یہ میں کہے دے رہا ہوں۔'' آج اس نے سفاکیت کی حد ختم کر دی تھی، ایسی سنگدلانہ بات پر سحاب کے آنسو ٹھٹھر کر رہ گئے تھے، وہ کرسی کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا تھا، وہ خود بھی بچے کا باپ تھا پر ایک ماں کی ممتا کو امتحان میں ڈال رکھا تھا۔

☆☆☆

''آپ نے کیسے ہم کو یاد کر لیا۔'' نتاشا کو واقعی بے حد حیرت ہو رہی تھی کہ جعفر رشتے میں اس کی امی کے کزن تھے دولت گویا اس کے گھر کی باندی تھی ایک بیٹی، ایک بیٹا دونوں کو بیاہ کر فارغ تھے ایک بیوی وفات پا گئی تھیں دوسری نے خود ہی طلاق لے لی تھی پھر شادی کا نام نہیں لیا تھا

انہوں نے، ابھی پچھلے ہی ہفتے نتاشا کے والد نے ایک گرینڈ فنکشن کیا تھا جس میں موصوف انوائیٹڈ تھے، فنکشن سے واپسی پر چونکہ اسی طرف جا رہے تھے سو دونوں میاں بیوی کو ڈراپ کرنے کی ذمہ داری بھی لے لی کہ عین ٹائم پر احمد کی گاڑی دغا دے گئی تھی، نتاشا کے بے تحاشا اصرار پر ایک کپ چائے پینے کی خاطر گھر چلے آئے تھے۔

امی ریحان کو لے کر حجاب کے گھر پنکی کی طبیعت کا پتہ کرنے گئی ہوئی تھیں، ریحاب جو کہ آفس سے تھکی ہاری آئی تھی کھانا کھا کے جو سوئی تھی عشاء کی خبر لائی تھی، جب ان میاں بیوی نے زور زور سے بیل بجا کر اسے بوکھلا دیا تھا، گیٹ کھولنے پر اسے احمد، نتاشا کے ساتھ خود کو چمکدار نظروں سے دیکھتے وہ صاحب بھی نظر آئے تو سر پر ٹکا دوپٹہ مزید ٹھیک کرتے اس نے سلام کیا اور فوراً وہاں سے چلی گئی، یہ جانے بغیر کہ وہ بے حد سادگی میں بھی کسی پر قیامت ڈھا گئی تھی۔

''کیا بات ہے ماموں...... دل آیا بھی تو کیسی لڑکی پر...... خیر کوشش کروں گی۔'' وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

''اچھا لالچ دے رہے ہیں۔'' دفعتاً اس کی آنکھیں چمک اٹھیں جب ریحاب سے رشتہ کے بدلے میں انہوں نے اپنی کمپنی میں پچیس پرسنٹ شیئرز ہولڈر بنانے کا لالچ دیا تھا۔

''جی...... جی احمد سے بات کر کے جلد ہی گڈ نیوز دیتی ہوں۔'' وہ چہچہا کر بولی تھی، پھر فون بند کر کے بے چینی سے احمد کا انتظار کرنے لگی اسے یقین تھا جعفر ماموں کی عمر پر احمد کو اعتراض ہوا بھی تو ان کی دولت اور ان کی آفر احمد کو بھی جلد ان کا ہمنوا بنا دے گی۔

☆☆☆

''اب تو نازیہ بھی اپنے گھر کی ہو گئی ہے اور ماشاء اللہ سے خوش ہے وہ، اب آپ کے اعتراض کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی۔'' ادھر حسان اماں کو سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا، دوسری طرف ریحاب سے بھی کوئی رابطہ نہ ہو پا رہا تھا غالباً اس نے اپنا نمبر تبدیل کر لیا تھا، لینڈ لائن پر ایک دو بار فون کرنے پر احمد کی آواز سننے پر اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

''ہاں اماں...... بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں، پہلے پہل تو مجھے بھی بہت غصہ تھا پر اب مجھے یوں لگتا ہے کہ کیسے معمولی بات کا بتنگڑ بنا کر ہم بڑے بڑے فیصلے کر لیتے ہیں، بھائی کی خوشی کو دیکھیں اور اپنی ضد چھوڑ دیں، کیا فائدہ ایسی ضد لگانے کا جس سے کئی دل ٹوٹ جائیں۔'' نازیہ بھی اب شادی شدہ ہو کر معتبر بن گئی تھی تو بھائی کی ہمنوا بن کر ماں کے پاس آ بیٹھی۔

''وہ تو اللہ نے کرم کر دیا ناں ہم پر ورنہ ان لوگوں نے تو پوری کی تھی ناں پر جہاں کہے گا وہاں چلی جاؤں گی سوائے اس گھر کے جہاں سے میری بیٹی کو دھتکارا گیا، دنیا میں لڑکیاں کم پڑ گئی ہیں جو اسی کے پیچھے پڑ گیا ہے، ابھی شادی کے بغیر یہ حال ہے اس کا، شادی کے بعد اس نے کہاں پوچھنا ہے ماں کو، نہ بابا میں تو کبھی نہیں جاؤں گی بھلے جو ہو جائے۔'' ان کی ہٹ دھرمی پر اس نے صرف ایک زخمی نظر ماں پر ڈالی تھی پھر ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھا کر تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''کیا ہے اماں، شریف اولاد ہے آپ کی اس لئے اس کے ضبط کا امتحان لے رہی ہیں ورنہ اپنی مرضی کر لی تو پھر پچھتائیں گی آپ۔'' نازیہ نے ناراضی سے کہا تو اس کے کچھ دیر قبل والے تیور یاد کر کے اماں کا دل بھی ہول گیا۔

☆☆☆

''ابا کے بعد میں ہی اس گھر کا سربراہ ہوں تو میں نے ریحاب کا رشتہ ایک بہت اچھی جگہ طے کر دیا ہے، پچھلی دفعہ کے تلخ حقائق کے پیش نظر میں زیادہ بھیڑ بھاڑ اور شور شرابا نہیں چاہتا بس پندرہ دن بعد کی رخصتی کی تاریخ دے دی ہے میں نے آپ نے جو تیاری کرنی ہے کر لیں، روپے پیسے کی بالکل فکر مت کریں۔''

حجاب...... سحاب کو ایمرجنسی پہنچنے کا کہہ کر اب احمد نے یہ نیا شوشا چھوڑا تھا۔

''پر احمد ہم کوئی گنہگار یا چور تھوڑی ہیں جو ہماری بہن میں کوئی عیب تو نہیں ہے جو ایسے چھپ چھپا کے یہ سب کریں۔'' حجاب نے ہی پہل کی تھی، احمد نے ناگواری سے اسے گھورا۔

''میں تم لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے اور میں بھی اس کا بھائی ہوں کوئی دشمن نہیں ہوں، آخر کو اس کے بھلے کو ہی فیصلہ کروں گا، آج شام کو ان کو میں نے چائے پر بلایا ہے آپ لوگ مل لیں، تسلی کر لیں۔'' اب کے اس نے صلح جویانہ انداز میں کہا تھا، وہ ماں بیٹیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں، جبکہ ریحاب احمد کی پہلی بات سن کر ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، ریحان مستقل ماں سے چپکا بیٹھا تھا، دفعتاً شہزاد کی آواز سن کر سحاب چونکی تھی وہ تو اسے چھوڑ کر گیا تھا پھر شام کو لینے کے لئے آنا تھا اسے۔

''الماری کی چابی تمہارے پرس میں ہے، وہ نکال دو آج ایک ضروری پے منٹ کرنی ہے، پیسے الماری میں پڑے ہیں۔'' سب کو سلام کرتا وہ سحاب سے مخاطب ہوا اور ایک ناگوار نظر ریحان پر ڈالی جو اس کی گود میں بیٹھا تھا اور اسے دیکھ کر چھپنے لگا تھا، سحاب نے پرس کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، حجاب نے اپنے پاس رکھا اس کا پرس اسے پکڑایا۔

''منا کہاں ہے؟'' صوفے پر بیٹھے شہزاد نے متلاشی نظروں سے اپنے بیٹے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔

''منا یہ کھیل...... ارے منا کہاں گیا۔'' وہ ریحان کو اتار کر پرس پھینک کر گھبرا کر اٹھی، ابھی جب سب یہاں بیٹھے تھے تو اس نے منے کو کچھ کھلونے دے کر اپنے پاؤں کے پاس کارپٹ پر بٹھا لیا تھا اور گاہے بگاہے اس پر نظر ڈالتی رہی تھی پر جونہی ریحان نیند سے اٹھ کر اس کے پاس آیا تھا پتا نہیں کب اس کی توجہ منے سے ہٹی اور وہ رینگتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا، سحاب کے پیچھے شہزاد اور پھر امی اور حجاب بھی آ گئیں اب شہزاد اس سے آگے نکل کر یہاں وہاں دیکھنے لگا احمد ابھی گھر سے باہر نکل کر گیا تھا جبکہ ریحاب ان سب کی آوازیں سن کر اپنے کمرے سے باہر آئی تھی، دفعتاً کچن سے منے کی کلکاری پر شہزاد ادھر کو لپکا تھا پر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے منے نے دروازے کے پاس بالکل نیچے لگے ساکٹ میں اپنی دونوں انگلیاں گھسائیں اور ایک زوردار چیخ کے ساتھ وہیں گر کر تڑپنے لگا۔

''منا!'' شہزاد لپک کر آگے آیا اور اس کے وجود کو بازوؤں میں بھرتا وہ پل بھر کو سحاب کے پاس رکا۔

''تمہاری لاپرواہی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' سحاب تو وہیں بیٹھتی چلی گئی، امی اور حجاب اس کے پاس آ گئیں جبکہ صورتحال کو سمجھتی ریحاب بھاگ کے شہزاد کے پیچھے آئی اور خود ہی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی، شہزاد نے منے کو اس کی گود میں دے دیا تھا، بچہ یا تو خوف کے باعث چپ تھا یا شاک ہی اتنا شدید تھا، لیکن وہ

بالکل نڈھال تھا اور اس کی دونوں انگلیاں زخمی تھیں، نزدیکی ہسپتال میں بچے کو داخل کر لیا گیا تھا، پندرہ بیس منٹ کی طبی امداد کے بعد ڈاکٹر نے کچھ ہدایات اور دوائیوں کے ساتھ اسے خطرے سے باہر قرار دیتے ہوئے گویا ان کی جان میں جان لوٹائی تھی۔

''مبارک ہو شہزاد بھائی، اللہ نے آپ کے بیٹے کی جان بچالی۔'' اس نے دل سے کہا تھا جبکہ شہزاد گلے میں اٹکتی نمی کے باعث کچھ بول نہیں پایا تھا بس نم آنکھوں کے ساتھ منے کو سینے سے لگائے محض سر ہلایا تھا۔

''شہزاد بھائی، ایک بات کہوں، لیکن اس شرط پر کہ آپ پوری بات سنیں گے بھی اور برا بھی نہیں مانیں گے۔'' منے کو تھپک کر سلاتے ہوئے اس نے کہا تو شہزاد نے ایک نظر اسے دیکھ کر صرف سر ہلا دیا تھا۔

''میری ناقص رائے کے مطابق اللہ اپنی غلطیوں کو سدھارنے کا موقع اپنے بہت خاص بندوں کو دیا کرتا ہے اور وہ بھی بغیر کسی نقصان کے، اللہ نے آج جو عظیم احسان آپ کی ذات پر کیا ہے اسی کے طفیل ایک ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کر دیں، یقین کریں خوشیاں خود بخود آپ کے آنگن میں براجمان ہو جائیں گی، یتیم کی کفالت تو بہت عظیم لوگوں کا شیوہ ہے ایسا کرنے والا اور ہمارے پیارے آقا کے بیچ صرف دو انگلیوں کا فاصلہ ہوگا، آپ بھی جانتے ہیں، اپنے ظرف کے پیمانہ کو ذرا سا پھیلا لیں ایک معصوم کو باپ کی محبت وشفقت مل جائے گی آپ کو بیوی کی پوری محبت اور شکر گزاری کا احساس ملے گا اور بچوں کو خوشگوار ماحول، ورنہ آپ کے گھر کا کوئی بھی فرد کبھی پوری طرح خوش نہیں ہو پائے گا، ماں کے جگر کے ٹکڑے کو اس سے الگ کر کے آپ نہ خوش رہ پائیں گے نہ کسی کو خوش کر سکیں گے، ہو سکتا ہے آج کا واقعہ ایک سبق ہو، لینے والوں کے لئے۔''

وہ دلگرفتہ سی کہتی چلی گئی، ہونٹ بھینچے ڈرائیو کرنے والے شہزاد کے تاثرات سے کچھ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔

''منے کو اس کی ماں کو جا کے دو، میں شام کو آؤں گا سب کو لینے۔'' بغیر کسی تاثر کے اس نے یہ دو جملے کہے تھے اور یہ جا وہ جا۔

منے کو کندھے سے لگائے جس پل وہ اندر آئی سب بے چینی سے ان کے منتظر تھے اور سب سے بری حالت سحاب کی تھی جو سوئے سوئے بچے کو چومتے ہوئے بس روئے جا رہی تھی۔

وہ ایک طرف خاموش کھڑے ریحان کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اور اسے کہانی سنا کر سلا دیا تھا بچہ اس رونے دھونے والے ماحول سے پریشان ہو رہا تھا۔

''آج تو جعفر صاحب کو منع کر دیا ہے میں نے لیکن کل کی تیاری کر رکھیے گا، وہ شام کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھائیں گے۔'' احمد نے امی سے کہا تھا۔

شام کو حسب وعدہ شہزاد آ گیا تھا، سحاب منے کو اٹھا کر کھڑی ہو گئی جب اس نے کچھ کہے بغیر کھانا وغیرہ کھا کر چلنے کا کہا تھا۔

''یہ کیا...... ریحاب تم نے اپنی بہن کو میرا پیغام نہیں دیا تھا۔'' اس کے حیرت بھرے استفسار پر وہ سب چونک گئیں، ریحاب خود حیران ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔

''بھئی ہماری بیگم صاحبہ نے تو چھوٹے شہزادے کو اٹھا لیا ہمارے بڑے شہزادے کو تو بلائیں اس سے کہیں شہزاد پاپا لینے آئے ہیں بس بہت رہ لیا نانی اماں کے گھر اب اپنے گھر چلیں، میں نے کہا تھا ناں کہ میں ان کو لینے آؤں گا تیار

رہیں۔'' وہ خوشگوار بہت سے بولا تو جہاں سحاب کے چہرے پر خوشی کے رنگ پھیلے تھے وہاں ریحاب کی آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں، وہ بھاگ کر ریحان کو بلا لائی تھی، شہزاد نے جھک کر اسے چوما پھر گود میں اٹھالیا۔

''اچھا بھئی ہم لوگ چلتے ہیں۔''

''شکریہ شہزاد بھائی۔'' اس نے ساتھ چلتے آہستہ سے کہا تھا۔

''پاگل لڑکی شکریہ تو تمہارا ادا کرنا ہے میری آنکھیں کھولنے کے لئے۔'' وہ اس کے سر پر چپت لگا کر بولا جبکہ سحاب الجھی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ کر رہ گئی اور کچھ سمجھ نہ آنے پر خوشی سے آگے بڑھ گئی۔

ریحاب کو ابھی نماز کے ساتھ شکرانے کے نفل ادا کرنے تھے، آہستہ آہستہ ہی سہی اس کے پیارے لوگوں کی راہ سے کانٹے ہٹتے جا رہے تھے، لگتا تھا زندگی سہل ہونے کو ہے ایک پل کو بے تحاشا خوشی کا خیال آیا پر اگلے پل اپنی زندگی کی الجھنوں کا سوچ کر وہ پریشان ہوئی پھر اللہ پر توکل کرتے ہوئے نماز کے لئے وضو کرنے چل دی۔

☆☆☆

''ہیلو...... سنگدل لوگو۔'' وہ بے حد مصروف تھی جب اگلے دن وہ اس کی ٹیبل کے پاس آ کر اپنے مخصوص انداز سے بولا تھا، ریحاب نے جھٹکے سے اپنا سر اٹھا کر دیکھا وہ بہت دنوں بعد سامنے تھا، دل ایک بار تو بے تحاشا دھڑک گیا۔

''اب تو تمام عمر اسی چہرے کو دیکھنا ہے جناب ایسی بھی کیا بے صبری۔'' اس کے شوخی سے بولنے پر وہ سٹپٹا گئی۔

''میں نے آپ کو پہلے بھی منع کیا تھا کہ یہاں مت آیا کریں لیکن آپ پہلے کب کوئی بات مانی ہے جواب مانیں گے۔''

''مانیں گے جناب، آپ ہی کی مانی ہیں اب، فی الحال تو آپ گھر چلیں تائی جی نے آپ کو یاد فرمایا ہے اور ناچیز کو حکم ملا ہے کہ ان کی زیادہ الجھی کم سلجھی بیٹی کو لے آیا جائے۔''

''جھوٹ مت بولو حسان، بھلا امی کیوں بلائیں گی مجھے اور...... اور تمہیں کیوں بھیجیں گی، کیا ہوا ہے وہ ٹھیک تو ہیں ناں۔'' یکا یک اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں، پھر کچھ خیال آنے پر اس نے بیگ میں سے اپنا سیل نکال کر لینڈ لائن نمبر ڈائل کیا۔

''ہیلو ریحاب! بیٹا حسان کے ساتھ جلدی سے گھر آ جاؤ، میں نے ہی بھیجا ہے اسے۔''

''کیوں امی؟ آپ ٹھیک ہیں ناں۔''

''ہاں بھئی تم جلدی سے آجاؤ بس۔'' کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا، تھوڑی دیر بعد وہ چھٹی لے کر ہزاروں الجھنیں لئے اس کے ساتھ گھر کی سمت روانہ تھی۔

''آپ...... آپ کیا کرنے آئے تھے وہاں، آج تو کچھ لوگوں نے آنا ہے۔'' اس نے پہلا سوال اس سے اور دوسرا خود سے جیسے خود کلامی کی تھی۔

''آپ کو ملنے، آپ کو دیکھنے آئے ہیں جناب اور ہم لوگوں نے ہی آنا تھا اور کس کی جرأت ہے آپ کے حوالے سے اس گھر میں قدم رکھ سکے ویسے یار رابی! ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ نہ تو خود مجھے بھولنا نہ کسی کو بھولنے دینا یہ تو میری قسمت اچھی تھی جو آج چلا آیا ورنہ تم تو خود ہی بھولے بیٹھی تھی مجھے کسی دوسرے کو کیا یاد کراتی۔'' اس کے لہجے میں مصنوعی تاسف تھا، گاڑی رکنے پر وہ جواب دیئے بغیر تیزی سے اتر کر اندر چلی آئی تھی۔

''میں ہی پاگل تھی جو نصیب سے لڑنے چلی تھی خواہ مخواہ کی ضد میں آکر اپنے بچے کی دل کی خوشی سے ہی منہ موڑ بیٹھی اس روز جو یہ مجھ سے خفا ہو کر نکلا تو گویا ہر چیز سے خفا ہونے کو تھا، خدانخواستہ زندگی سے بھی تبھی تو گاڑی درخت میں دے ماری وہ تو میرے اللہ کا کرم تھا مجھ بے عقل پر کہ اس کی جان بچ گئی، اب بھی سوچتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ اگر جو کوئی نقصان ہو جاتا تو میں جیتے جی ہی مر جاتی، بھابھی بیگم میری ساری کوتاہیاں، غلطیاں معاف...... میرے بچے کی خوشی...... میری ریحاب کو میرے بیٹے کی دلہن بنا دو، میں تو آج نکاح بھی کروا کے جاؤں گی بہت دکھ دیکھ لئے ہم لوگوں نے اب اور نہیں، میرے بیٹے کو نئی زندگی ملی ہے اب میں اس کی خوشیاں اس کو لوٹانا چاہتی ہوں، مجھے ناں مت کرنا......'' دروازے میں کھڑی ریحاب حیرت سے گنگ تھی کہ قسمت ایسے بھی خوشیوں کے دروازے کھولتی ہے اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے، دفعتاً پاس کھڑے حسان نے ٹہوکا دے کر گویا اسے اپنی موجودگی کا احساس کرانا چاہا وہ اسے دیکھ کر جھینپ گئی۔

''لو...... وہ آگئے میرا بیٹا اور میری بہو...... آؤ...... آؤ بیٹا۔'' چچی، امی کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر آئیں اور ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر لا بٹھایا۔

''چل حسان پہلے اپنی دلہن کو انگوٹھی پہنا اور پھر جلدی سے نکاح کا بندوبست کر۔'' چچی کے حکم کا منتظر حسان نے فوراً ہی جیب سے انگوٹھی نکالی۔

''پہنا دوں تائی۔'' وہ معصومیت سے بولا تھا، حیرت اور خوشی سے گم بیٹھی امی بے ساختہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئیں جبکہ شرمائی شرمائی سی ریحاب چچی کے ساتھ سمٹ گئی، انہوں نے بسمہ اللہ کہہ کر اس کا ہاتھ بیٹے کے آگے کیا جس نے جھٹ سے ایک خوبصورت انگوٹھی اس کے ہاتھ کی زینت بنا دی، حسان چچی کے کہنے کے مطابق نکاح کا بندوبست کرنے گیا تھا جبکہ امی باری باری احمد، سحاب اور حجاب کو فون کر کے فوراً گھر پہنچنے کا کہہ رہی تھیں، خوشی ان کے چہرے اور لفظوں سے ہویدا تھی جبکہ چچی کے پہلو میں اپنی انگوٹھی پر نظر دوڑاتے ریحاب نے سوچا تھا کہ تاریکی کے سائے کتنے ہی لمبے کیوں نہ ہوں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور روشن سویرا نمودار ہونے پر اندھیرے چھٹ ہی جاتے ہیں۔

☆☆☆

کمبل
سمیں کرن

''میں آپ کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری فرینڈ ریکوسٹ Accept کر لی، آپ جیسی شخصیت کو اپنے دوستوں میں شامل دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

فہیم راشد کی طرف سے پیغام پڑھ کر صبوحی اشرف نے تیزی سے ٹائپنگ کے لئے پیڈ پر انگلیاں چلائیں۔

''ارے فہیم راشد صاحب! کیوں شرمندہ کرتے ہیں؟ یہ تو خود میرے لئے باعث اعزاز ہے کہ آپ جیسی علمی ادبی اور مشہور عالم شخصیت نے مجھے اپنے حلقہ احباب میں شامل کر کے یقیناً میری عزت افزائی کی ہے۔''

فہیم راشد کی طرف سے جوابی پیغام آیا۔

''دراصل میں خود بہت کم کسی کو حلقہ حباب میں شامل کرتا ہوں، میرے اپنے فینز اور دوستوں کی تعداد میں نہ چاہتے ہوئے بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے گو کہ میں اس معاملے میں کافی محتاط پسند واقع ہوا ہوں، بس اک دن اتفاقاً ہی آپ کے پروفائل پہ نظر پڑ گئی اور آپ کی قابلیت وشاندار شخصیت، تعلیم ومشاغل اور آپ کے عمدہ ادبی ذوق نے بڑا متاثر کیا اور میں خود کو روک نہیں پایا۔''

صبوحی اپنی اس قدر تعریف پر جھینپ ہی گئی اور قدرے متاثر بھی ہوئی، یوں لگا فہیم ارشد نے بات کو بدلا تھا، اس نے دل میں سوچا ''اتنی بڑی شخصیت اور اس قدر عاجزی'' اور انکساری کہ اپنی تعریف پر بات ہی بدل دی، بلاشبہ وہ اپنے ملک کے اک مایہ ناز ادیب اور سکالر تھے۔

فہیم ارشد کی طرف سے پیغام آیا۔

''اچھا تو آپ درس وتدریس سے منسلک ہیں خوب اور کیا کرتی ہیں؟ بہت کم فیس بک پر نظر آتی ہیں؟ کافی عرصے بعد ریکوسٹ کا جواب آیا؟''

صبوحی نے جواب ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''جی جاب اور گھر داری کے بعد وقت ہی کہاں بچتا ہے؟ آپ سمجھ سکتے ہیں؟''

فہیم ارشد کی طرف سے کچھ دیر کے بعد جواب ملا۔

''جی میں سمجھ سکتا ہوں، خواتین پر دوہری ذمہ داریاں آجاتی ہیں جب وہ دونوں محاذوں پر سرگرم ہوں۔''

صبوحی اشرف نے صرف ''جی'' پر اکتفا کیا۔

وہ مقامی کالج میں معلمہ تھی سول سوسائٹی کا اک رکن، رکن فعال جو بغیر کسی نمود ونمائش کے خاموشی سے وقت کے کشکول میں اپنے حصے کے سکے گراتے چلے جاتے ہیں، یہ فیس بک کا سلسلہ بھی اسی سلسلے کی ضرورت کے تحت بنایا گیا تھا اور پھر اس کے ساتھ کچھ اچھے سنجیدہ لوگ دوستوں میں شامل ہونے لگے ان سے اچھی اور علمی گفتگو اک پرلطف تجربہ بن گیا اور یوں یہ سلسلہ ضرورت کے علاوہ فراغت ولطف کا مشغلہ وذریعہ بھی ٹھہرا، فہیم راشد سے پہلی تعارفی گفتگو نے اچھا تاثر چھوڑا، کچھ دیر کی رسمی گفتگو کے بعد وہ دونوں ہی آف لائن ہو گئے۔

☆☆☆

آج کافی عرصے کے بعد صبوحی آن لائن ہوئی تو فہیم راشد بھی آن لائن تھے، تھوڑی دیر بعد ان کا میسج چمکا۔

''آہا، آج تو آپ بھی موجود ہیں، بڑے عرصے بعد نظر آئیں۔''

صبوحی نے جواب بھیجا۔

''جی آپ جانتے تو ہیں دوہری مصروفیات۔''

فہیم راشد نے لکھا۔

''جی شادی تو خود باقاعدہ ایک ادارہ ہے۔''

''اچھا تو کیا کرتے ہیں آپ کے صاحب؟''

''جی وہ بزنس مین ہیں، ایکسپورٹ امپورٹ کا بزنس ہے، سو اکثر و بیشتر غیر ملکی دوروں پہ ہوتے ہیں۔''

''گڈ بڑا اچھا لگا یہ جان کر اور کتنے بچے ہیں آپ کے؟''

''جی ماشاء اللہ دو بچے ہیں میرے، بیٹا میٹرک میں اور بیٹی آٹھویں میں۔''

''چلیئے آپ کے بارے میں یہ جان کر خوشی ہوئی، آپ نے لکھا کہ آپ کا تعلق لاہور اور لائلپور یعنی موجودہ فیصل آباد سے ہے یہ دونوں شہر میرے دل میں بستے ہیں۔''

صبوحی نے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں۔

''اچھا یہ سن کر بڑی تقویت ملی بلکہ یوں کہیے کہ میرے اندر کے متعصب پاکستانی کو اک راحت ملی۔''

فہیم راشد نے یہ پڑھ کر اک بڑا سا ''سمائل فیس'' بھیج دیا۔

صبوحی کی انگلیاں کی بورڈ پر چلنے لگیں۔

''اچھا تو آپ کا تعلق لاہور اور فیصل آباد سے ہے، فیصل آباد میرا ننھیالی شہر ہے اور لاہور میں دودھیال اور اب میرا سسرال بھی، سو لاہور میں جڑیں بہت گہری ہیں۔''

فہیم راشد کی طرف سے پیغام آیا۔

''اور میری طرف یہ ترتیب الٹی ہے، آپ کا فیصل آباد اور میرا لائلپور میرا آبائی دودھیالی شہر جہاں میں نے آنکھ کھولی اور میری ماں لاہور سے تھیں سو بچپن میں ان کے ساتھ لاری یا ریل میں بیٹھ کر جایا کرتا تھا، یہ تقسیم سے پہلے کی باتیں ہیں تب تو آپ پیدا بھی نہیں ہوئی ہوں گی پھر تقسیم نے آپ کو اِدھر اور ہمیں اُدھر کر دیا۔''

صبوحی نے جواب ٹائپ کیا اک سمائل کا سائن بنایا۔

''ارے تب تو میری والدہ بھی پیدا نہیں ہوئی تھیں۔'' فہیم راشد نے جواب میں اک قہقہہ بھیجا اور صبوحی آنے والے پیغام کی راہ دیکھنے لگی۔

''اس کا مطلب ہے تم تو اک جوان لڑکی ہو ابھی، مجھ سے تو کافی چھوٹی ہوئیں پھر تو تم کہہ سکتا ہوں تم کو۔'' صبوحی کے پھیلتے لب پیغام پڑھ کر سکڑ گئے۔

''لڑکی نہیں اک ادھیڑ عمر خاتون، بڑے ہوتے بچوں کی ماں اور باہمی عزت کے لئے عمر تو بڑی غیر اہم شے ہے، میرے گھر میں تو چھوٹے سے بچے کو بھی ''آپ'' کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔'' پیغام کافی تیکھا تھا اور فہیم راشد نے کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلا۔

''تمہارے نکھرے ستھرے خیالات جان کر بڑی خوشی ہوئی مگر یہ بھی تو درست ہے کہ القابات و آپ جناب دلی احترام کے عکاس تو نہیں ہوتے، آپ جب لڑکیوں کو گھر کی خواتین کو ہمارے ہاں پنجاب میں بزرگ ''کڑیے'' کہہ کر بلاتے ہیں تو کیا بے توقیری ہوئی اور باہمی احترام مقصود نہیں ہوتا۔''

صبوحی کے تنے اعصاب کچھ ڈھیلے پڑ گئے اور جواب میں اس نے جی کے ساتھ اک مسکراہٹ بھیج دی۔

فہیم راشد کی طرف سے جو پیغام آیا، لکھا تھا۔

''اک تو تم آج کل کے جوان جلد باز بہت ہو۔'' صبوحی اک دم آسودہ سی ہوئی اور ''شرمندہ

ہوں'' کے ساتھ اک قہقہہ بھیج دیا۔
اس کے بعد کبھی کبھار ہوا کہ وہ دونوں اکٹھے آن لائن ہوئے، مزید گفتگو ہوئی تو فہیم راشد سے یہ بات چیت بڑی اچھی رہی۔
مہذبانہ انداز واطوار، گفتگو میں عملیت اور بے تکلفی کی سرحد کو ذرا سا چھو کر آتا کھلا پن جس کو صبوحی نے ان کے شعبے اور پیشے کا مزاج سمجھ اور جان لیا کہ اس گفتگو میں یادیں، حسرتیں، ماضی کے جھروکے تھے خاص طور پر جب وہ لکھتے۔
''تم اس شہر میں بستی ہو، جو میرے دل کے بے حد قریب ہے سو تم بھی مجھے بہت عزیز ہو۔''
ان جملوں میں اک خاص حسی تعلق جو شہر کی نسبت سے ابھرتا مگر عمومی طور پر اس کے لئے اک بزرگانہ شفقت لئے جملے ہوتے۔
اور صبوحی کے لئے ان جملوں میں چھپے احساس و درد کو سمجھ لینا کوئی اتنا بھی مشکل نہ تھا، یا شاید اس کے سادہ و پرخلوص دل کا شیشہ ہی اتنا صاف تھا کہ لفظ اس کے سامنے تصویریں بن جاتے تھے۔
یہی وجہ تھی کہ جب کبھی وہ آن لائن ہوتی اور فہیم راشد صاحب بھی موجود ہوتے تو ان کے درمیاں اچھی گفتگو ہوتی اک باہم مکالمہ تھا جو تدریجی مراحل سے گزر رہا تھا۔
اور یہ تو طے تھا کہ فہیم راشد کی گفتگو صرف علمی دلچسپ ہی نہ ہوتی بلکہ محققانہ و مدبرانہ انداز بھی جھلکتا جو صبوحی کو بھلا لگتا اور اس کے پوچھے گئے سوالات کے احسن جواب ملتے اور وہ جو شروع میں ان کے انداز میں کچھ بے تکلفی کھلی تھی اسے، اس نے جانا کہ شاید یہ مزاج کا حصہ تھا ورنہ وہ انتہائی مہذب، سلجھے ہوئے ادبی دانشور تھے اک بڑے قد کاٹھ کے ادیب تھے اور ان سے بات چیت ہونے کے بعد وہ ان کی کتابیں بھی خرید لائی اور جب ان کو پڑھا تو مزید ان کی قابلیت قائل ہو گئی، اک علم کا بہتا دریا تھا، خیالات ومزاج کیفیت میں وہ سلجھاؤ تھا کہ اس کو پختہ یقین ہو گیا کہ فہیم راشد اک انتہائی نفیس اور سلجھے ہوئے انسان ہیں اپنی تحریر کے ظاہر و باطن کی مانند ایک جیسے۔
پھر یوں ہوا کہ موسم نے انگڑائی لی اور بدلتے موسم دروازوں کھڑکیوں پر ٹھنڈی خشک ہواؤں کی دستک دینے لگے اور یہ موسم تو صبوحی پر ہمیشہ ہی بہت بھاری ہوا کرتا تھا۔
وہ بیمار پڑ گئی، اک طویل عرصہ گزر گیا آن لائن ہوئے، کسی سے بھی کوئی رابطہ کیے، دو ماہ اسی طرح گزر گئے، سردی شدید تھی وہ پژمردہ سی خاموشی سے کمبل میں دبکی پڑی تھی کہ اس کی بیٹی نے اسے زبردستی اٹھایا اور پیار سے بولی۔
''اٹھیں مما! کچھ فریش ہو جائیں، چائے پیتے ہیں اور ساتھ میں فیس بک آن کر لیتے ہیں۔''
تبدیلی کے خیال سے اس کا بھی دل کچھ بہل سا گیا، بیٹی جھٹ پٹ دو کپ چائے بنا لائی، بچے اکثر اس کے ساتھ ہی بیٹھ جایا کرتے تھے اور اکثر اچھے علمی ادبی سوالات و مکالمے سے لطف اندوز ہوتے تھے اس کی زندگی کے سب گوشے میاں اور بچوں پر کھلی کتاب کی مانند تھے وہ تو سادی سی بس علم پرور عورت تھی۔
بیٹی کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی رہی اپنی دوستوں کو پیغامات چھوڑے بچے بھی اسی کا اکاؤنٹ استعمال کرتے تھے الگ سے اجازت نہیں دی تھی اس نے، وہ اک سمجھدار اور ذمہ دار ماں تھی۔
جب اس نے دیکھا کہ ماں مصروف ہو گئی ہے تو وہ اٹھ کر چلی گئی اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ

ماں کو بستر میں سے نکالے اور اس کا دھیان بٹائے۔

صبوحی نے بہت سارے پیغامات کے جواب لکھے ابھی وہ جواب دینے میں ہی مصروف تھی کہ فہیم راشد آن لائن ہوئے اور کچھ دیر بعد ان کا پیغام آیا۔

''ارے بھئی کہاں غائب ہوگئیں؟ مجھے نہیں پتہ تھا کہ سردیوں میں تم زیر زمین چلی جاؤ گی۔''

جملہ معنی خیز اور علمی تھا صبوحی کا جی خوش ہو گیا۔

اس نے ''جی'' کے ساتھ صرف اک قہقہہ روانہ کیا اور لکھا۔

''سردی بھی تو خوب پڑ رہی ہے، آپ کے ہاں بھی تو یہی موسم چل رہا ہے، بس بیمار کر دیا مجھے تو اس موسم نے۔''

جواب آیا ''ہاں یہ تو ہے، موسم تو سرد ہے، سرد موسم میں اپنا خیال رکھو، میں تو پریشان تھا کہ کہاں غائب ہوگئیں؟''

صبوحی نے کی بیڈ پر انگلیاں چلائیں۔

''مجھے بھی آپ سے بات کر کے خوشی ہوئی۔''

فہیم راشد کا پیغام آیا۔

''اور سردیاں کیسی گزر رہی ہیں؟'' صبوحی نے لکھا۔

''ہاہاہا کمبل میں۔''

فہیم راشد گویا ہوئے۔

''آہم، کیا اکیلے ہی......'' صبوحی کے لئے یہ پیغام گویا کچھ لفظ نہیں تھے یوں لگا جیسے آنکھوں میں کسی نے مرچیں بھر دی ہوں، وہ کچھ دیر حق دق اس پیغام کو دیکھتی رہی پھر لکھا۔

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ مطلب کیا ہے آپ کا؟''

فہیم راشد ذرا سنبھل گئے جیسے۔

''میرا مطلب ہے اکیلی کیوں ہو میاں کو ساتھ کیوں نہیں کمبل میں بٹھایا۔''

صبوحی پر تو جیسے ان الفاظ نے کسی بم کا سا اثر کیا اور اس کے پرخچے اڑ گئے اس نے لب بھینچے۔

''فہیم راشد صاحب ذرا سنبھل کر، میں اک حد سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتی، آپ کو اتنے عرصے میں اچھی طرح اندازا ہو گیا ہوگا اور میں بہت بور اور خشک قسم کی انسان ہوں، مجھ سے تو اس بے تکلفی سے میری سہیلیاں بھی بات نہیں کر سکیں۔''

فہیم راشد کی مردانہ یا عالمانہ انا کی دم پر جیسے پاؤں آ گیا یا پھر موسم کینچلی بدلنے کا تھا، پیغام جو آیا۔

''اتنی ہی بور اور خشک ہو تو یہ بچے کہاں سے آ گئے؟'' صبوحی کے منہ پر جو طمانچہ پڑا تھا اس کا جواب اس سے بڑا تھپڑ تھا وہ شخص اگر بھول گیا تھا کہ وہ کون ہے تو وہ کیوں یاد رکھتی۔

اس نے انتہائی سرد لہجے میں لکھا۔

''ویسے ہی آ گئے جیسے میں اور تم اپنے ماں باپ کے گھر آئے تھے۔''

یہ کہہ کر فہیم راشد کو Un friend کرتے ہوئے اس نے بہت تکلیف اور دکھ سے سوچا۔

''کمبل بھی کیا شے ہے؟ کیا اس کے بارے میں صرف سن کر ہی مرد کی جبلت مادر زاد برہنہ ہو جاتی ہے؟''

☆☆☆

ہارے بھی تو مات نہیں

فاطمہ خان

آج موسم بے حد خوبصورت اور ابر آلود تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چاروں طرف پھولوں کی خوشبو بکھیرتی، بہار کے آمد کی نوید دے رہی تھی، کالج گیٹ کے باہر لڑکیاں گھر سے لینے کے لئے آنے والوں یا وین کا انتظار کر رہی تھیں، آج ان کا کالج میں آخری دن تھا، ایگزیمز کے لئے انہیں آج فری کر دیا گیا تھا، سب کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے کچھ کو دوستوں سے بچھڑنے کا غم تھا تو بعض کو اگزیمز کی ٹینشن تھی، ان سب میں ایک واحد وہ تھی جو موسم کی خوبصورتی کو دل سے انجوائے کر رہی تھی۔

''واہ آج موسم کتنا خوبصورت اور رومینٹک ہے اللہ کرے آج ڈرائیور نہ آئے۔'' وہ ہوا سے بکھرتیں اپنی بے ترتیب لٹیں سمیٹ کر بولی۔

''ریحام کی بچی! تم ہی چلنا پیدل، مجھ میں تو اتنا سٹیمنا نہیں ہے لیکن مجھے یہ بھی لگ رہا ہے کہ تمہاری خواہش پوری ہو گئی ہے، پندرہ منٹس سے زیادہ ہو گئے ہیں، ابھی تک ڈرائیور نہیں آیا۔'' ایشال نے پریشانی سے رسٹ واچ میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں واقعی، چلو کوئی آٹو ہائیر کر لیتے ہیں۔'' روحاب لڑکیوں کے کم ہوتے رش کو دیکھ کر ریحام اور ایشال کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''اللہ کی بندی! تم لوگ آج کے دن بھی آٹو ہائیر کرو گے؟ کبھی کبھی اپنے پاؤں کا استعمال کر لیا کرو، پیدل گھر جانے میں کوئی حرج نہیں۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''تم تو ہو ہی اسٹوپڈ، اتنا لمبا راستہ کیسے کور کرو گی؟ ویسے بھی ہم لیٹ ہو گئے ہیں، مما پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' روحاب سامنے سے

مکمل ناول

آتی ٹیکسی کو روک کر بولی۔
''پلیز روحا!'' وہ منت پر اتر آئی۔
''ہرگز نہیں۔'' روحاب اسے آنکھیں دکھانے لگی۔
''ایشال تم رک جاؤ پلیز۔'' وہ روحا کو چھوڑ کر ایشال کی طرف مڑ گئی۔
''کم آن ایشال! لٹس گو، یہ تو ہے ہی پاگل۔'' روحاب رکشے میں بیٹھ کر بولی۔
''ایشال! پلیز، تم میری فرینڈ ہو یا روحا کی؟'' ریحام نے ایشال کی ایموشنل بلیک میلنگ شروع کر دی۔
''آئی ایم سوری یار! میں نہیں چل پاؤں گی پیدل۔'' ایشال نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔
''ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ میں آ جاؤں گی۔'' ریحام منہ پھلا کر بولی۔
''ایسے کیسے جانے دوں، مما نے تمہارے ساتھ میری بھی کلاس لینی ہے، سو پلیز آ جاؤ۔'' روحاب اسے مڑتے دیکھ کر بولی۔
''نہیں میں نے سوچ لیا ہے کہ آج پیدل ہی گھر جاؤں۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر بولی اور تیز قدموں سے چلنا شروع کر دیا، اسے غصہ روحاب پر نہیں آیا تھا، وہ تو ہمیشہ سے ایسے ہی تھی، مگر ایشال تو اس کی بیسٹ فرینڈ تھی، پھر بھی اس نے ریحام پر روحاب کو ترجیح دی اور اس کے ساتھ چل پڑی تھی، اس نے لمبی سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا اور موسم کو انجوائے کرتی آہستہ آہستہ چلنے لگی، مگر پیچھے سے آتی ایشال کی آواز پر ریحام رک گئی۔
''رک جاؤ اسٹوپڈ! اپنے ساتھ اوروں کو بھی مشکل میں ڈالتی ہو۔'' وہ ماتھے پر بل ڈالے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔
''میں نے تو نہیں کہا تھا آنے کو۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی، جواباً ایشال نے فائل اس کے سر پر دے ماری۔
''اگر تمہیں اتنا ہی افسوس ہے رکشہ چھوڑنے کا تو دوسری ہائیر کر لو، میں پے کرا دوں گی۔'' وہ اپنی بات پوری کر کے بھاگی۔
''یو ربش، رکو تم، بتاتی ہوں تمہیں۔'' ایشال اس کے پیچھے بھاگی، ریحام نے ہنستے ہوئے اپنے پیچھے آتی ایشال کو دیکھا اور عین اسی ٹائم سامنے سے آتی کار نے اسے ٹکر ماری، کار کے بریکس ایکدم سے چرچرائے اور ریحام بونٹ پر گر گئی، ایشال بھاگ کر اس کے پاس آئی۔
''آر یو اوکے؟'' وہ ریحام کے شولڈر کٹ بال سنبھال کر بولی، اسی دوران کار کا فرنٹ ڈور کھول کر یونیفارم میں ملبوس ایک آرمی آفیسر باہر آئے۔
''واؤ۔'' ریحام ماتھے سے بال ہٹا کر ایکدم سیدھی ہوئی۔
''السلام وعلیکم سر!'' وہ جھٹ سے فوجی اسٹائل میں سلوٹ کرنے لگی۔
''وعلیکم السلام! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' وہ ریحام کے ماتھے پر لگے سرخ نشان دیکھ کر بولا۔
''یس سر! آئی ایم اوکے۔''
''پلیز دیکھ کر چلا کریں، ابھی آپ کو کچھ ہو جاتا تو آپ کس کو بلیم کرتیں؟'' وہ ماتھے پر تیور سجا کر بولا۔
''سوری سر! نیکسٹ ٹائم خیال کروں گی۔'' وہ ذہن میں اس کی ہائیٹ ناپتی بظاہر مسکرا کر بولی، وہ ایک نظر اسے دیکھ کر واپس مڑا۔
''ایکسکیوزمی سر!'' ریحام تیزی سے اس کے پیچھے لپکی اور بیگ سے پن اور ڈائری نکال کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔
''آٹو گراف پلیز۔''

''آٹوگراف؟'' وہ حیرت سے بولا۔
''یس سر پلیز۔'' وہ ڈائری اس کے ہاتھ میں تھما کر بولی، وہ ہلکے سے مسکرایا۔
''لگتا ہے آپ کو آرمی بہت پسند ہے؟''
''پسند ہے؟'' وہ تقریباً چلائی۔
''آئی لو پاک آرمی، جان بھی دینی پڑے تو انکار نہیں۔'' وہ جذباتی انداز میں بولی اور میجر جنید عالم بھرپور انداز میں ہنسا۔
''آپ کو پتا ہے سر! میرے پاپا بھی آرمی میں تھے اور وہ......''
''اوہ تو آپ کو آرمی اس لئے اتنی پسند ہے کہ آپ کے پاپا آرمی میں تھے؟'' وہ ایک نظر ایشال پر ڈال کر ریحام کی طرف دیکھنے لگا۔
''نو سر! بلکہ مجھے تو پاپا سے بھی اس لئے محبت ہے کہ وہ آرمی سے Associated تھے۔''
''واہ Mind blowing، بائے دی آپ اپنا نام تو بتائیں؟'' وہ ڈائری کھول کر بولا۔
''روحاب...... روحاب آفندی۔'' وہ ایشال کی طرف دیکھ کر شرارت سے آنکھ دبا کر بولی، میجر جنید نے اسے آٹوگراف دے کر ڈائری واپس کی۔
''تھینک یو سر!'' وہ ڈائری تھام کر بولی۔
''نائس ٹو سی یو۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مسکرایا۔
''چلو یار! ہم کافی لیٹ ہو گئے ہیں۔'' ایشال نے اس کا ہاتھ تھاما اور چلنے لگی۔
''دیکھا ایشا! آج کا دن کتنا لکی ہے، تھنک گاڈ میں اس کتارہ آٹو میں نہیں گئی۔'' وہ ڈائری کو سینے سے لگائے پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی، میجر جنید اسے ہی دیکھ رہے تھے۔
''تم نے اپنا نام ''روحاب'' کیوں بتایا؟''
ایشال تیز قدموں سے چلتی اس سے پوچھنے لگی۔
''بس یونہی۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی اور ایشال کے تیز قدموں کا ساتھ دینے لگی، میجر جنید صدیقی دلچسپی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔
''تم تو گئے کام سے میجر صاحب۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے زیر لب مسکرایا، اسی دوران اس کا فون گنگنایا۔
''ہیلو، کیسے ہو یار؟'' اس کے کال ریسیو کرتے ہی پوچھا گیا۔
''میرا حال نہ پوچھو، آج تک تو ٹھیک تھا مگر اب......'' وہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ گیا اور دوسری طرف کی بات سننے لگا۔
''نہیں نہیں سیدھے دل پر اٹیک ہوا ہے، اسی لئے تو سنبھل نہیں پا رہا۔'' وہ دوسری طرف کی بات سن کر سرد آہ بھرنے لگا اور پھر بھرپور انداز میں ہنسا۔
''جلدی کیا ہے، بتا دوں گا، جب ملیں گے ابھی وہ کام بتاؤ، جس کے لئے فون کیا ہے۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔
''اوکے اوکے میں ہینڈل کرلوں گا اور کام ہوتے ہی کال بیک کرتا ہوں۔'' وہ ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔
''اوکے بائے، رات کو ملتے ہیں۔'' وہ فون رکھ کر پرسوچ انداز میں سامنے دیکھنے لگا۔

☆☆☆

''یہ ٹائم ہے گھر آنے کا؟'' جوں ہی ریحام نے لاؤنج میں قدم رکھا، ماما کی ناراضگی بھری آواز اس کے کانوں میں پڑی۔
''مما آئی ایم سوری وہ میں......''
''سوری؟'' مما چلائیں۔
''ٹائم دیکھا ہے تم نے؟'' ریحام نے کن انکھیوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا اور صفائی

دینے کو منہ کھولنے لگی مگر ماما کی ناراضگی بھری آنکھوں نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

''تمہارا مسئلہ کیا ہے ریحام؟ کب اینڈ ہوگا تمہارے فضول قسم کے ایڈونچرز کا۔'' وہ غصے سے کچھ کہتی کہتی چپ کر گئیں، ریحام خاموشی سے کھڑی رہی۔

''روحاب بھی تو تمہاری سسٹر ہے، کبھی اس نے تنگ نہیں کیا پتا نہیں تم کس پر گئی ہو، شرم آتی ہے مجھے تمہیں اپنی بیٹی کہتے ہوئے۔'' ماما غصے میں اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئیں اور ریحام ہونٹ بھینچے سامنے کے دھندلے منظر کو دیکھنے لگی، ماما نے ہمیشہ سے اسے ایسے ہی ٹریٹ کیا تھا ہمیشہ روحاب کا حوالہ دے کر اسے زیر دقرار دیا تھا، یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آ رہا تھا، پھر یہ آنسو اب کیوں؟ کوئی نئی بات تو نہیں تھی، وہ خود کو سنبھالتی بیگ صوفے کی طرف اچھالتی جھک کر جاگرز کے لیسز کھولنے لگی۔

''ریحام بی بی کھانا لگاؤں؟'' آمنہ سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی، وہ نفی سے سر ہلا کر صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر آنکھ موند گئی۔

☆☆☆

آج پھر اسلام آباد کا ٹمپریچر نفی تھا، سردی اپنی جوبن پر تھی، وہ دونوں بارننگ واک کے لئے ہاسٹل کے لیفٹ سائیڈ پر نکل گئیں، مونا کے انداز میں سستی تھی۔

''کم آن یار! کتنی لیزی ہو تم، اتنا رومینٹک موسم ہے اور اپنے ماتھے کے زاویے تو دیکھو ذرا۔'' ہنی نے مونا کے پھولے منہ اور خفگی والے انداز پر چوٹ کی۔

''واٹ؟'' مونا چلائی۔

''رومینٹک کہتی ہو؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو، اس بدترین موسم کو رومینٹک کہتے ہوئے۔'' وہ سردی کی شدت سے کپکپاتی ہوئی بولی۔

''ٹھیک ہے ایڈونچر بھی ہونا چاہیے، مگر یہ صبح صبح نرم گرم بستر سے اٹھ کر واک کرنا، اٹس ریئلی ٹو مچ ڈیفکلٹ فارمی، وہ بھی اس شدید سردی اور نوگ میں۔'' وہ میرون شال کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑنے لگی، جبکہ ہنی سر پر سفید وولن کیپ، ایک ڈھیلی ڈھالی سویٹر اور گلے میں چھوٹا سا مفلر لیے سردی سے بے نیاز بڑے ایزی انداز میں چل رہی تھی۔

''یار! تمہیں سردی نہیں لگتی؟'' مونا سرد ہوا سے سن ہوتی ناک رگڑ کر حیرت سے تقریباً چلائی۔

''لگتی ہے ڈیئر، مگر تمہاری طرح خود پر حاوی نہیں کرتی، یو نو جتنا سردی سردی کرو گی اتنی اس کی شدت بڑھتی جائے گی، سو اگنوراٹ اینڈ انجوائے اٹس چارم۔'' وہ ہلکا ہلکا بھاگتے ہوئے بولی، مگر مونا اپنی جگہ کھڑی رہی۔

''کم آن یار! لٹس گو، تھوڑا سا بھاگو وارم اپ ہو جاؤ گی۔'' ریحام نے اس کا ہاتھ تھام کر اکسایا۔

''پلیز ہنی! آئی کانٹ ڈو دس۔'' وہ منمنائی۔

''آئی ایم ناٹ لسننگ ہری اپ۔'' وہ اسے کھینچنے لگی، مونا کو نا چاہتے ہوئے بھی ساتھ دینا پڑا۔

وہ دونوں جاگنگ ٹریک پر دوڑتی ابھی ہاسپٹل سے تھوڑا ہی دور ہی آئی تھیں کہ ایکدم ہنی کے قدم رک گئے مونا نے مڑ کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''واؤ ونڈر فل سین۔'' وہ بنگلوں کی قطار میں کھڑی اس عالیشان عمارت کو دیکھ کر مسمرائز ہو

گئی، شدید دھند کی وجہ سے تمام بنگلے دھندلے نظر آ رہے تھے، مگر ماربل کی وہ سفید عمارت دھند کی لپیٹ میں ہونے کے باوجود بھی یوں لگ رہی تھی جیسے بادلوں کی اوٹ میں چمکتا چاند وہ اس طلسماتی عمارت کے سحر میں جکڑی یک ٹک اسے دیکھے گئی، یوں جیسے اس کے پلک جھپکتے ہی وہ حسین منظر کھو جائے گا۔

''امیزنگ یار۔'' وہ ٹرانس کی کیفیت میں آگے بڑھتی گئی، قدم خود بخود اس عمارت کی طرف تھے، جوں جوں اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے، اس عمارت کی کشش اسے اپنے حصار میں لے رہی تھی، وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی، عمارت اب چند قدم کے فاصلے پر تھی، وہ دھیرے سے اس کے باؤنڈری وال کو چھونے کے لئے ہاتھ بڑھانے لگی، یوں جیسے اس کے ہونے کا یقین کر رہی ہو، اسے لگا وہ کوئی خواب ہے، حسین خواب اور اس کے ہاتھ لگاتے ہی وہ سپنہ ٹوٹ جائے گا۔

''کیا ہوا یار؟'' مونا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ جیسے خواب سے چونکی، ایک نظر بے زار کھڑی مونا پر ڈالی اور ایک نظر اس طلسماتی عمارت پر، وائٹ گیٹ کے سائیڈ وال پر لگی نیم پلیٹ کو پڑھنے لگی۔

''گردیزی ہاؤس۔'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

''یہاں کون رہتا ہے؟'' وہ نگاہیں اس عمارت پر مرکوز کیے مونا سے پوچھنے لگی۔

''انسان ہی رہتے ہوں گے، اب جن حضرات تو یہاں رہنے سے رہے۔'' مونا چڑ کر بولی، ہنی دھیرے سے مسکرائی اور دوبارہ اس عمارت کو دیکھنے لگی۔

''مجھے بہت سردی لگ رہی ہے اور آنٹی ویٹ کر رہی ہوں گی ناشتے پر، پلیز چلو۔'' مونا سردی سے کپکپاتے ہوئے بولی۔

''او کے بٹ ایک چکر تو پورا کر لیں۔'' وہ اب نارمل ہو چکی تھی، مونا منہ بنانے لگی اور ہنی ہنستی آگے بڑھی، پول تک جاتے وہ ٹرن بیک کرنے لگیں، وہ ابھی بھی بنگلے کے حصار میں تھی۔

''مونا! میں ابھی بھی یقین نہیں کر پا رہی کہ اتنا خوبصورت منظر میں نے دیکھا اور وہ بھی رئیل میں، ورنہ خواب میں تو ایسے مناظر اکثر نظر آتے ہیں۔''

''کسی کی اچھی چیز کو نظر بد سے دیکھنا بری بات ہے۔'' مونا نے اسے چڑایا۔

''یو ایڈیٹ، میں کیوں نظر بد سے دیکھوں گی، یو نو ہر اچھی چیز کو سراہنا اس کا حق ہے، اب ہر کوئی تمہاری طرح جیلسی تھوڑی فیل کرتا ہے؟'' اس نے حساب برابر کیا۔

''ہاں تم نے تو ہر اچھی چیز کو سراہنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے ناں؟'' مونا کی بات پر ہنی کھلکھلائی۔

''ٹھیکہ تو خیر نہیں، بٹ ان کو نہ سراہ کر ان کی توہین نہیں کر سکتی۔'' اپنے وائٹ جاگرز سے راستے میں آتے پتھر ہٹاتے ہنی نے بے فکری سے کہا، جبکہ مونا کی بے زاری عروج پر تھی، دونوں واپس چل پڑی تھیں گھر کی طرف۔

''اب پھر مت کھو جانا۔'' دور سے گردیزی ہاؤس پر نظر پڑتے ہی مونا نے سے بروقت ٹوکا، ہنی نے اسے گھور کر دیکھا۔

''بائے دی وے، تم نے بتایا نہیں کہ کس کا گھر ہے؟'' وہ تقریباً قریب آ چکے تھے۔

''کرنل مصطفیٰ گردیزی اور اس کی فیملی رہتی ہے اور......''

''واٹ؟ کرنل یو مین آرمی سے ایسوسی ایٹڈ

پرکن؟ او گاڈ؟'' وہ مزید ایکسائیٹڈ ہوئی۔
''اتنا کریزی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کافی ریزروڈ فیملی ہے، پوری کالونی میں کسی کے گھر آنا جانا نہیں ہے، میں نے ایک دوبار دیکھا ہے آتے جاتے، کرنل مصطفیٰ گردیزی تو ریٹائیرڈ آفیسر ہیں اور بیٹا بھی میجر کی پوسٹ پر ہے۔''
''واہ پوری فیملی آرمی میں ہے، ہاؤ کلی۔'' وہ مزید پٹی ہوئی۔
''ان فیکٹ اس کا بیٹا ہے تو بہت پراوڈ ی، بٹ اس پر پراوڈنیس سوٹ بھی بہت کرتی ہے، آئی ایم شیور، تم تو دیکھتے ہی ہارٹ بیٹ مس کردو گی۔'' مونا شریر ہوئی، مگر وہ تو جیسے کہیں اور ہی پہنچی ہوئی تھی۔
''اب کہاں کھو گئی ہو؟'' مونا نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا مگر اردگرد سے بے نیاز اس کا ذہن ''کرنل مصطفیٰ گردیزی'' کے نام پر فوکس تھا، کتنا بارعب، باوقار اور پرفیکٹ نام تھا، ''کرنل مصطفیٰ گردیزی'' دل پر عجیب سی اداسی چھا گئی اور آنکھوں میں دھند اتر آئی، وہ اس دھند کو چھپانے کے لئے تیز تیز چلنا شروع ہوئی، مونا نا سمجھی کے عالم میں ہکا بکا اسے جاتا دیکھتی رہی، پھر خود بھی اس کے پیچھے بھاگ پڑی۔

☆☆☆

آئینے کے سامنے گنگناتے ہوئے وہ تیزی سے اپنے شولڈر کٹ بالوں میں برش پھیر رہی تھی، پرپل لائننگ والی شرٹ میں اس کی گلابی رنگت دمک رہی تھی، لپ گلوز اٹھاتے ہوئے اسے آئینے میں پیچھے بیڈ پر بیٹھی روحاب کا عکس دیکھا جو لمبے بالوں کی چٹیا آگے کیے بری طرح بکس اور نوٹس میں بزی تھی، ایک نظر تیار ہوتی ریحام پر ڈالی اور دوبارہ بزی ہو گئی۔
''تم پھر ایشال اور حسن کے ساتھ کہیں جا رہی ہو؟'' وہ سر اٹھاتے بغیر بولی۔
''ہاں آئسکریم کھانے اور آؤٹنگ کرنے۔'' وہ لب بھینچ کر لپ گلوز سیٹ کرنے لگی۔
''ایگزیم سر پر ہیں ریحام اور تمہیں آؤٹنگ کی......''
''ایگزیم کے ڈراوے مجھے مت دو، تم ہی کافی ہوٹینشن لینے والی۔'' وہ لاپرواہی سے بولی۔
''مما سے پوچھا ہے؟'' روحاب اسے شولڈرز بیگ اٹھاتے دیکھ کر بولی۔
''آف کورس نہیں پوچھا۔'' وہ لاپرواہی سے بیگ کندھے پر لٹکا کر باہر جانے لگی۔
''تم ماما سے پوچھو پھر جاؤ۔'' روحاب کی بات پر وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔
''کانڈلی تم اپنے پانچ منٹ بڑے ہونے کا رعب مجھ پر مت جھاڑو۔'' وہ اس کا دایاں گال زور سے کھینچ کر مسکرانے لگی۔
''تمہارے لئے بھی آئس کریم لے آؤں۔'' اسے منہ پھلائے دیکھ کر وہ اٹھنے لگی۔
''مما نیچے لان میں ہنوز پیپر پڑھ رہی ہیں، کیوں شوق ہے خود بھی ڈانٹ کھانے کا اور انہیں بھی ٹارچر کرنے کا۔''
''اف ایک تو تمہارے لیکچرز، یو ڈونٹ وری میں ہینڈل کرلوں گی سب۔'' وہ ہاتھ ہلا کر باہر نکل گئی اور روحاب تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔
وہ ماما کی نظروں سے بچتے اوپر اپنی ٹیرس سے ساتھ آنٹی کے ٹیرس پر کود گئی اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی نیچے لاؤنج میں آ گئی جہاں آنٹی ٹی وی پر کوکنگ شو دیکھ رہی تھیں۔
''گڈ ایوننگ آنٹی۔'' وہ آنٹی کے گالوں پہ گال ملاتی لاڈ سے بولی۔

''ایوننگ بیٹا، آؤ بیٹھو۔'' آنی اس کا بازو پکڑ کر پاس بٹھانے لگیں۔

''سوری آنی، میں بیٹھ نہیں سکتی، ایکچوئلی آئی ایم آل ریڈی ٹو لیٹ، یہ ایشال اور حسن کہاں ہیں؟''

''بیٹا وہ تھوڑی دیر پہلے چلے گئے باہر۔''

''واٹ؟ چلے گئے، ایسے کیسے چلے گئے، میرا ویٹ بھی نہیں کیا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''بیٹا! وہ تمہیں لینے گئے تھے مگر صباحت نے منع کر دیا تھا اور پھر.....'' وہ آنی کی پوری بات سنے بغیر تیزی سے لاؤنج سے نکل گئی اور آنی اسے پکارتی رہ گئیں۔

☆☆☆

اگلے دن وہ صبح صبح مونا کو زبردستی اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، ہنی نے لحاف اس کے منہ سے ہٹایا۔

''اوفو، مار کھاؤ گی تم۔'' وہ لحاف اپنے اوپر کھینچنے لگی۔

''مارنے کے لئے تو تمہیں اٹھنا پڑے گا ڈیئر۔'' وہ لحاف ہٹا کر اسے گدگدانے لگی۔

''کیا مصیبت آئی ہے تمہیں۔'' وہ جھنجلائی۔

''جلدی اٹھو ورنہ پانی کا جگ انڈیل دونگی اور تم جانتی ہو کہ میں کتنی پریکٹیکل ہوں۔'' وہ اسے دھمکانے لگی۔

''یار کیا مصیبت ہو تم، صبح صبح نازل ہو جاتی ہو؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''فار یور کائنڈ انفارمیشن، صبح صبح مصیبتیں نہیں برکت نازل ہوتی ہے۔'' وہ اسے گھسیٹ کر واش روم کی جانب لے گئی اور خود شو ریک سے اپنے جاگرز اٹھا کر تسمے باندھنے لگی، اگلے پندرہ منٹس میں وہ دونوں پارک میں تھیں۔

''آج تو اٹھا لیا، مگر کل سے ایڈوانس میں سوری۔'' مونا منہ پھلا کر بولی ہنی اس کے منہ کے زاویے دیکھ کر ہنس پڑی۔

''یار تم اسلام آباد کے لوگ کس قدر بدذوق ہو، سن رائز کا گریس اور چارم پتہ نہیں کیسے اگنور کر لیتے ہو؟''

''بدذوق سہی بٹ کل سے نہیں آؤں گی، تب تک جب تک میرا خود دل نہ کرے۔'' وہ نیند سے بوجھل آنکھیں رگڑتی بہت معصوم لگ رہی تھی۔

''اوکے پاس، کل کی کل دیکھی جائے گی۔'' اس کا ہاتھ پکڑتی وہ ہلکا ہلکا دوڑنے لگی، گردیزی ہاؤس کے سامنے سے گزرتے ہی اسے شرارت سوجھی اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھی اور بیل پر ہاتھ رکھ دیا اور ہٹانا بھول گئی، یہ جانے بغیر کے اوپر ٹیرس کی ریلنگ سے ٹیک لگائے میجر مجتبیٰ نے اس کی یہ حرکت بخوبی نوٹ کی تھی۔

☆☆☆

''ریحام دروازہ کھولو یار۔'' وہ دونوں کب سے دروازہ پیٹ رہے تھے، مگر دوسری طرف سے رسپانس بالکل زیرو تھا۔

''ریحام یار بات تو سنو، ہم آئے تھے لینے بٹ آنٹی نے منع کر دیا تھا، ہم کیا کرتے یار، پلیز دروازہ تو کھولو۔'' حسن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ ڈالے۔

''ریحام پلیز یہ کیا طریقہ ہے خفا ہونے کا، اوپن دی ڈور یار۔'' ایشال نے بھی بھرپور کوشش کی مگر ریحام ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''ریحام کانوں میں روئی ڈالی ہے کیا؟ سنائی نہیں دے رہا؟'' حسن جھنجلا اٹھا۔

''واٹس گوئنگ آن ہیئر؟'' پیچھے سے آنٹی کی غصیلی آواز ابھری۔

''آنٹی وہ ہم ریحام سے.....''

''بند کرو یہ تماشہ، منع نہیں کیا تھا شام کو کہ ایگزیمز کے دن ہیں، خود بھی اسٹڈی کرو اور اس کو بھی پڑھنے دو، ایگزیمز سے پہلے آج تو نظر آ رہے ہو، دوبارہ نظر نہ آنا۔'' وہ دونوں کو ڈانٹتی ہوئی اندر چلی گئیں، وہ دونوں منہ پھلائے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''پتہ نہیں آنٹی اپنے پیشنٹ کو کیسے ٹریٹ کرتیں ہوں گی؟'' حسن منہ بنا کر بولا، ایشال بند دروازے پر ایک نظر ڈالتی باہر چلی گئی، جبکہ حسن وہیں کھڑا ریحام کو منانے کا طریقہ سوچنے لگا، ایسے ممکن تھا بھلا کہ ریحام خفا ہو اور حسن کو نیند آئے، ایک خیال کے آتے ہی مسکراہٹ اس کے چہرے پر دوڑ گئی اور وہ تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھا۔

رات کو آنٹی کے ڈیوٹی پر جانے کے بعد وہ تقریباً نو بجے ''آفندی ولا'' آیا ہاتھ میں آئسکریم کا پیک ہے وہ دل ہی دل میں ریحام کے مان جانے کی دعا مانگنے لگا۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر روحاب اور فرجام پر پڑی، روحاب ہاتھ میں نوٹس لئے فرجام سے کچھ ڈسکس کر رہی تھی، وہ ان سے نظر بچاتا گزر جانا چاہتا تھا، مگر فرجام کی نظر اس کے ہاتھ میں پکڑی آئسکریم پر پڑی، حسن نے کسکنا چاہا، مگر ایسا ممکن نہ تھا۔

''تمہیں چیک پوسٹ نظر نہیں آ رہا؟'' فرجام نے شرارت سے کہہ کر آئس کریم کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں رشوت لیتے ہوئے۔'' حسن نے فوراً ہاتھ پیچھے کیا مگر اس کے خطرناک ارادے دیکھ کر اسے عاجزی کرنی پڑی۔

''دیکھو یار! ریحام خفا ہے اور آئسکریم کے بغیر اسے منانا امپاسبل ہے سو پلیز مجھے جانے دو۔''

''اگر ہم وہاں تک تمہاری رسائی ہی نہ ہونے دیں تو مناؤ گے کیسے؟'' فرجام شرارت سے ہنسا اور ایکدم آئسکریم چھین کر اپنے روم کا رخ کیا۔

''شٹ۔'' حسن بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہ گیا۔

''ریحام اوپر ٹیرس پر ہے۔'' روحاب اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرانے لگی، وہ ہاتھ مسلتا اوپر آیا اور ریحام کو ٹیرس میں ٹہلتے دیکھ کر اسے ڈرانے کی کوشش کی مگر اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا، یعنی وہ اس کی آمد سے باخبر تھی۔

''سوری یار! تمہارے لئے آئسکریم لایا تھا، مگر وہ فرجام.....'' وہ اس کا منہ دیکھنے لگا۔

''اچھا پلیز چھوڑو ناں یہ ناراضگی اور خفگی، دیکھو میں چاکلیٹس بھی لایا ہوں، تھنک گاڈ یہ بچ گئی۔''

مگر دوسری طرف سے ریحام نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی اور رخ پھیر لیا۔

''یو نو، تم پر یہ ناراضگی بالکل سوٹ نہیں کرتی، بالکل چڑیل لگتی ہو اور.....''

''جسٹ شٹ اپ۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''اوکے بٹ پلیز یہ زاویے تو ٹھیک کر لو منہ کے۔''

''نہیں کرتی جاؤ۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''اوکے مت کرو، اپنا منہ ہے، بٹ یہ چاکلیٹس تو لے لو۔'' وہ پاکٹ سے چاکلیٹس

نکالنے لگا، ریحام کچھ دیر گھورتی رہی پھر ہاتھ بڑھا کر چاکلیٹ لینے لگی، مگر حسن نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"پہلے مسکراتو دو۔"

"اور اگر نہ مسکرائی تو؟"

"تو بھی چاکلیٹس تمہاری ہی ہیں۔" وہ ہاتھ بڑھا گیا، ریحام نے ہنستے ہوئے چاکلیٹس لے لیں اور اس کے شولڈر پر ایک مکا مارا، حسن نے سکھ کا سانس لیا اور چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"ویسے بہت مشکلوں سے چیک پوسٹ کراس کر آیا ہوں اور شام میں آنٹی کی ڈانٹ الگ، اب اصولاً تو ایک بائٹ بنتا ہے ناں۔" وہ اسے کن اکھیوں سے چاکلیٹ کا ریپر اتارتے دیکھ کر شرارت سے ریحام اسے گھور کر رہ گئی۔

☆☆☆

"اچھا جی تو شہزادے کو عشق ہو گیا ہے؟" مجتبیٰ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا، مگر وہ خاموشی سے لیمن سکوائش سے بھرے گلاس کے کناروں پر انگلیاں پھیرنے لگا۔

"اوہو، حالت تو دیکھو میاں مجنوں کی۔"

"اڑا لو مذاق، اڑا لو۔" جنید نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"اچھا ناں یار، مل جائے گی، ویسے ڈفر تم نے ایڈریس یا فون نمبر تو لینا تھا، اب جوگی بن کر کہاں ڈھونڈتے پھیرو گے۔" مجتبیٰ اس کو سیریس ہوتے دیکھ کر خود بھی سیریس ہو گیا۔

"کاش مجھے پتہ ہوتا کہ بعد میں ایسے......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ بیٹھا۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟" مجتبیٰ اسے اٹھتے دیکھ کر بولا، مگر وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر سائیڈ ٹیبل پر گلاس رکھ کر چابی اٹھانے لگا، مجتبیٰ کو بھی اٹھنا پڑا، عین اسی ٹائم مجتبیٰ کا فون گنگنایا۔

"ہیلو میجر مجتبیٰ اسپیکنگ۔" وہ کال پک کرتے ہوئے بولا۔

"سر ایک گڈ نیوز ہے، دشمن عناصر کے ایک پلان کا پتہ لگ گیا ہے، ان کا ٹارگٹ انارکلی ہے، آج رات آٹھ بجے......"

"گڈ، میں بس پانچ منٹ میں نکل رہا ہوں، تم لوگ تیار رہو۔" وہ عجلت میں سیل فون پر کچھ بٹن پریس کرنے لگا۔

"خیریت؟" میجر جنید نے اس کے عجلت بھرے انداز کو سوالیہ انداز سے دیکھا۔

"ہاں آج رات ریڈ کرنا ہے، دشمن کا ایک گروپ ہمارے درمیان ہے، ان کے ایک پلان کا پتہ لگ گیا ہے اور ان کی لوکیشن بھی ٹریس ہو گئی ہے۔" وہ عجلت میں کہہ کر باہر نکل گیا، جنید بھی سب کچھ بھول کر اس کے پیچھے بھاگا۔

☆☆☆

دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی وہ بری طرح سے اوپر جاتے حسن سے ٹکرا گئی۔

"دیکھ کر یار۔" وہ خود کو سنبھال کر بولا۔

"سوری میں ذرا جلدی میں تھی اس لئے۔"

"کبھی انسانوں کی طرح دروازے سے بھی آ جایا کرو، جب دیکھو بندر کی طرح ٹیرس سے آتی ہو۔"

"تمہیں پرابلم میرے آنے سے ہے؟ یا بندر کی طرح آنے سے؟"

"سچ کہوں تو ایک سے بھی نہیں۔" وہ شرارتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"شٹ اپ اور راستہ دو مجھے۔" وہ اس کی شریر نگاہوں کو اگنور کرتی بولی۔

"ابھی تو دے رہا ہوں راستہ، بٹ ہمیشہ ملوں گا یونہی۔" وہ معنی خیزی سے بولا۔

"Stop it مجھے یہ چیپ حرکتیں نہیں

پسند۔'' وہ اسے سامنے سے ہٹاتے ہوئے بولی۔
''او کے اگر یہ چیپ ہے تو میں جو رائٹ وے ہے ناں اسے یوز کرتے ہوئے ماما کو بھیج رہا ہوں۔''
''میں نہیں جانتی تم کیا کہہ رہے ہو۔'' وہ اسے ہلکا دھکا مار کر راستہ بنانے لگی۔
''تم جانتی نہیں یا پھر جاننا چاہتی نہیں؟'' وہ ایک بار پھر اس کا راستہ روک چکا تھا۔
''حسن میری خواہش کو تم جانتے ہو نہ اچھی طرح، پھر فضول کے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔'' وہ اس کا منہ چڑانے لگی۔
''اوہ گاڈ! تمہاری یہ شہید کی بیوہ بننے کی خواہش مجھے واقعی شہید کروا دے گی۔'' وہ مسکین صورت بنا کر بولا۔
''اگر تمہارے اندر میری خواہش پوری کرنے کی ہمت ہے تو Most welcome بھیجو آنٹی کو۔'' وہ اس کی مسکین صورت کو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''یو نو آئی ڈونٹ لائیک آرمی۔'' وہ اس کا ہاتھ دبوچ کر بولا۔
''او کے دین آئی ڈونٹ لائیک یو۔'' وہ اس کے کان میں چیختی شرارت سے بولی اور اسے راستے سے ہٹا کر ایشال کے روم کی جانب بڑھ گئی، جبکہ حسن تصور میں خود کو شہید دیکھ کر جھرجھری لے کر رہ گیا۔

☆☆☆

''السلام وعلیکم بھائی جان!'' خالد نے افراتفری میں آ کر سلام کیا، چہرے سے گھبراہٹ صاف ظاہر تھی۔
''وعلیکم السلام!'' عبدالغفور باقی ساتھیوں کو باہر جانے کا اشارہ کر کے خالد کی طرف متوجہ ہوا۔
''خیریت تو ہے ناں، تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟''
''خیریت نہیں ہے بھائی جان! ولی اور اس کے ساتھی نہ صرف اپنے مشن میں ناکام رہے، بلکہ وہ پاک آرمی کی گرفت میں بھی آ گئے، ہمارا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں، وہ کسی بھی ٹائم ریڈ کر سکتے ہیں۔''
''کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ تم نے کہا تھا کہ سارا بندوبست ہو گیا تھا پھر کیسے پکڑے گئے؟'' وہ ایکدم جلال میں آ گئے۔
''بھائی جان! غلطی میری نہیں، ہمارے درمیان کوئی مخبر ہے جس نے عین ٹائم پر آرمی کو آگاہ کیا اور......''
''کون ہے وہ؟ پتہ لگاؤ، مجھے شام تک وہ یہیں چاہیے۔'' عبدالغفور کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ متوقع غدار کو چبا ڈالے۔
''جی بہتر بھائی جان!'' خالد کہہ کر اٹھ گیا۔
''اور سنو، کیا نام ہے اس شہری لڑکے کا، بھیجو اسے ادھر۔'' وہ دماغ پر زور دیتے ہوئے بولا۔
''آپ اس کی بات کر رہے ہیں جو پرسوں......''
''ہاں ہاں وہی، بھیجو میرے پاس۔'' عبد الغفور نے اس کی بات کاٹی اور پریشانی کے عالم میں داڑھی میں ہاتھ پھیرتا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

معمول کی طرح وہ دونوں مارننگ واک کے لئے نکلیں، آج تو مونا بھی موج میں تھی، کیونکہ سورج نے آج بارہ دنوں بعد اپنی جھلک دکھا دی تھی، سورج کی کرنیں گرد یزی ہاؤس پر پڑ کر اسے مزید پراسرار بنا رہی تھیں، یوکلپٹس، اناس اور سفیدے کے درختوں کے درمیان بنا وہ

سفید محل تمام بنگلوں میں ممتاز تھا، ہنی معمول کے مطابق بیل پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول گئی۔

''کیا پاگل پن ہے، کسی دن اگر پکڑی گئی تو مجھے بھی پھنساؤ گی۔''

''بائے دی وے اس بنگلے میں کوئی آثار نہیں ہیں زندگی کے، آئی تھنک اس کے رہائشی کہیں گئے ہیں۔'' وہ بے فکری سے بولی۔

''ہوسکتا ہے، بٹ یار ہر کوئی ہلہ گلہ لائیک نہیں کرتا تمہاری طرح اور ویسے بھی یہ آرمی آفیسر کا بنگلہ ہے، اینڈ یونو کہ وہ کتنے سویلائزڈ اور ویل ڈسپلنڈ ہوتے ہیں۔''

''ہوں، کیا خیال ہے چلیں اندر؟'' وہ چٹکی بجا کر بولی۔

''یس وائے ناٹ، یو مسٹ گو ان سائیڈ بٹ ڈیئر پلیز، کفن باندھ کر، کیونکہ یہ آرمی آفیسر کا بنگلہ ہے جو ہر سیدھے بندے کو بھی مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں اور تمہیں تو دیکھتے ہی انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ تم کوئی جاسوس ہو۔''

''واٹ؟ میں تمہیں جاسوس لگتی ہوں شکل سے ہنی خفا ہوئی۔''

''شکل تو خیر کیا کہوں، بٹ عادتیں ضرور ملتیں ہیں، تم جس طرح اس بنگلے کو واچ کرتی ہو، ڈور بیل بجاتی ہو، اگر کسی نے دیکھ لیا تو آئی ایم شیور ایک سیکنڈ لگے گا حوالات جانے میں۔'' مونا نے اسے ڈرانا چاہا، مگر وہ اپنے ارادوں میں اٹل تھی، واپسی پر بھی اس نے بیل بجانا نہ بھولا، مونا سر تھام کر رہ گئی۔

☆☆☆

''ہیلو گڈ ایوننگ آنی!'' ریحام نے آنی کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے اس کے گال سے اپنا گال مس کیا۔

''گڈ ایوننگ، کیسی ہو بیٹا؟'' رفعت نے اس کا گال تھپتھپایا۔

''ایکدم انرجیٹک آنی، بس جلدی سے اگیزیمز گزر جائیں، ماما نے ناک میں دم کر دیا ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''تو بیٹا تم تنگ بھی تو بہت کرتی ہو اپنی ماما کو۔'' آنی نے نیوز پیپر لپیٹ کر سامنے رکھا۔

''کوئی نہیں آنی، میں اسٹڈی کرتی تو ہوں، جتنی میرے بس میں ہے۔'' وہ یوں بولی جیسے اپنے سات پشتوں پر احسان کر رہی ہو، آنی اس کے انداز پر مسکرائیں۔

''ہیلو ایوری باڈی۔'' حسن نے عین وقت پر انٹری دی۔

''یار تم کبھی اپنے گھر پر بھی رہا کروں۔'' وہ ریحام کے قریب چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''بری بات بیٹا۔'' آنی نے حسن کو ٹوکا۔

''چھوڑیں آنی میں فضول لوگوں کی بات کا مائنڈ نہیں کرتی۔'' وہ آنکھیں سکیڑ کر شرارتی انداز میں بولی۔

''ہاں مائنڈ ہوگا تو کرو گی ناں؟'' حسن نے جواباً حملہ کیا، آنی ان کی نوک جھوک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں، اسی دوران فون کی بیل بجی اور ساتھ ہی اندر سے ایشال کی آواز ابھری۔

''مما! آپ کا فون ہے۔''

''تم لوگ بیٹھو، میں ذرا فون سن لوں۔'' وہ ایکسکیوز کرتی اٹھ بیٹھیں۔

''اچھا گرو جی، میرا ایک کام کرو گے؟'' وہ آنی کے جاتے ہی بولی۔

''پوچھ تو ایسے رہی ہو جیسے میرے انکار کی تو بڑی ویلیو ہے۔'' وہ ہاتھ چیئر کی بیک پر پھیلا کر بیٹھ گیا اور بڑی مہارت سے ریحام کی گھوری کو اگنور کر گیا۔

''اچھا اب بتاؤ بھی، گھورنا بند کرو۔'' وہ

مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے گن چلانا سکھا دو پلیز۔'' وہ ایکدم ایکسائیٹڈ ہو کر بولی۔

''واٹ؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو، میں نے کون سی انہونی بات کر دی۔'' وہ ابرو اچکا کر بولی۔

''ڈیئر بائیک چلانا تو سمجھ میں آتا ہے، چلو سکھا دی، بٹ اب گن چلانا سیکھ کر کس بے چارے کا مرڈر کرنا ہے؟'' وہ اس کی بات کو ہنسی میں اڑا گیا۔

''بی سیریس، بتاؤ سکھاؤ گے ناں؟'' وہ خلاف معمول و عادت عاجزی سے بولی، حسن کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

''اب یہ ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار کس خوشی میں بن رہے ہو؟'' وہ اس کی بے وجہ ہنسی سے چڑ گئی۔

''ایک مشورہ ہے، مانو گی؟'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا، ریحام نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''تم یہ بائیک اور گن چھوڑ کر ڈائریکٹ گھر چلانا سیکھ لو، آنٹی بھی پچھی اور میرا بھی بھلا ہو جائے گا۔''

''تم اپنے نیک شورے اپنے پاس رکھو، اینڈ ٹیل می کہ تم سکھا رہے ہو ناں؟'' وہ چیئر سے اٹھتی حاکمانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

''او کے یار! تمہارے آڈر سے معذرت کی جرأت میں نہیں کر سکتا۔''

''آئی نو۔'' وہ شاہانہ انداز میں بولی، حسن اس کے انداز پر ہی فدا ہونے لگا۔

''اچھا سنو، پلیز ماما کو پتہ نہ چلے، ورنہ وہ......''

''ورنہ تو تمہارے ساتھ ساتھ میری کلاس بھی کنفرم ہے۔'' وہ اس کی بات اچک کر بولا، ریحام ایکدم ہنس پڑی۔

''ویسے خبردار جو تم نے میری ماما کو کچھ کہا، وہ اب اتنی بھی بری نہیں ہیں۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''میری مجال، ویسے شکایتیں ہمیشہ تمہاری طرف سے آتیں ہیں۔'' وہ کان کجا کر بولا، ریحام اس کے شولڈر پر مکا مار کر اندر ایشال سے ملنے چلی گئی۔

☆☆☆

آج مونا کا نہ تو جاگنگ کا موڈ تھا اور نہ ہی یونیورسٹی جانے کا، سوہنی کی لاکھ منتوں اور دھمکیوں کا اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا اور کانوں میں روئی ڈالے وہ مزے سے سوئی رہی، سوا سے اکیلے ہی جاگنگ کے لئے آنا پڑا، جاگنگ ٹریک پر چلتے ہوئے وہ ''گردیزی ہاؤس'' کے قریب رک گئی، دھیرے سے مسکرائی وہ آگے بڑھی اور بیل پر ہاتھ رکھ دیا اور دوبارہ جاگنگ ٹریک پر دوڑنے لگی، مگر اکیلی ہونے کی وجہ سے وہ جلد ہی اکتا گئی، سو واپسی کے راستے پر قدم بڑھا دیئے، دھیرے دھیرے سوچوں میں گم چلتی وہ ایکبار پھر ''گردیزی ہاؤس'' کے قریب رک گئی، وہ ادھر ادھر دیکھ کر آگے بڑھی اور بیل پر ہاتھ رکھ دیا، لبوں پر دلفریب مسکان تھی، مگر اس کے چھپتے تب چھپتے جب اچانک گیٹ کھلا اور ایک باوردی گارڈ سامنے کھڑا اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کوئی عذر تراشتی پیچھے سے فوجی جیپ رکنے کی آواز آئی، وہ مڑ کر دیکھنے لگی تو وہیں ساکت رہ گئی۔

فل آرمی یونیفارم میں ملبوس وہ خوبرو جوان اسے مشکوک نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''جی فرمائیے۔'' وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے بغور جانچتی نگاہوں سے دیکھنے لگا تو ہنی ایکدم گھبرا گئی۔

''صاحب! یہ پچھلے کئی دنوں سے مسلسل بیل بجا کر بھاگ جاتی ہے۔'' اس گارڈ نے عین ٹائم پر اطلاع دی، ہنی کا دل چاہا، شرم سے ڈوب مرے، یعنی اب اس گھر کے مکین اتنے بھی بے خبر نہ تھے۔

''وہ...... دراصل......'' اس سے بات نہیں بن پا رہی تھی، وہ اس پل کو کوسنے لگی، جب اس نے بیل بجانے کا سوچا تھا۔

اگلے کی گھورتی نگاہیں اسے کنفیوز کرنے کے لئے کافی تھیں، وہ کچھ پل انگلیاں مروڑتی، اپنی صفائی کے لئے الفاظ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن جب عقل کو کچھ نہ سوجھا تو ٹانگوں کو زحمت دینی پڑی، الٹے قدم چلتے وہ ایکدم بھاگ گئی اور پیچھے دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی، مجتبیٰ گردیزی کی گہری پرسوچ نگاہوں نے دیر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

شام کو وہ دونوں پارک آئیں اور ہنی نے بڑے خوبصورت انداز میں ''گردیزی ہاؤس'' کو اگنور کیا، مونا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہنی! آر یو او کے؟'' وہ اس کا کندھا ہلا کر بولی۔

''شیور آئی ایم او کے۔'' وہ بڑی مہارت سے ٹال گئی، مونا حیرت سے منہ کھولے اس کے پیچھے بھاگی۔

''تم اور اس گھر کو اگنور کرو، آئی کانٹ بلیو، سو پلیز جلدی سے اگلو، کیا ہوا ہے؟'' مونا کو ٹالنا اتنا آسان نہ تھا۔

''کچھ نہیں یار بس میں فیڈ اپ ہو گئی ہوں۔'' وہ تیز تیز بھاگتی اپنے جملے میں جان ڈالنے کی کوشش کرنے لگی۔

''چلو کر لیتی ہو بلیو۔'' مونا کندھے اچکا کر بولی، وہ دونوں تیز تیز قدموں سے پارک آئیں، دونوں کی نظر سامنے وہیل چیئر پر بیٹھے ایک بزرگ پر پڑی، ہنی نے فوراً اپنے قدم اس کی جانب بڑھا دیئے۔

''ہیلو ینگ مین! کیا ہو رہا ہے؟'' وہ دوستانہ انداز میں کہتی اس کی وہیل چیئر کے سامنے گھٹنے کے بل بیٹھ گئی، مونا نے اپنی واک جاری رکھی۔

''ہیلو۔'' وہ بزرگ بھی خوشدلی سے مسکرائے۔

''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟ ایکچوئلی میں نے آپ کو اکیلے بیٹھے دیکھا تو سوچا آپ کو کمپنی دے دوں؟''

''نہیں ڈسٹرب تو بالکل نہیں، مجھے تو اچھا لگا آپ کا آنا۔'' وہ خوشدلی سے مسکراتے ہوئے ہنی کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

''بائے دی وے، آپ پہلے نظر نہیں آئے، کیا آپ نیو ہیں اس کالونی میں؟'' وہ اٹھ کر اس کی وہیل چیئر کے پیچھے آئی اور اسے لے کر آگے بڑھی۔

''میں پچھلے کچھ عرصے سے امریکہ میں تھا علاج کے سلسلے میں۔'' وہ اپنی ٹانگوں کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

''شاید آپ نئی ہیں یہاں؟''

''جی بالکل، میں نے حال ہی میں یہاں کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے، مجھے آئے ایک دو ماہ ہوئے ہیں۔'' وہ تفصیل سے جواب دینے لگی۔

''ویسے آپ کی ٹانگوں کو کیا ہوا ہے؟'' وہ

وہیل چیئر گھسیٹتی آگے بڑھی، اس کی بات سن کر اس بزرگ نے سرد آہ بھری۔

''دشمنوں کے خلاف ایک جھڑپ میں، میں نے اپنی دونوں ٹانگیں......''

''واٹ؟'' وہ گھوم کر سامنے آئی۔

''آپ آرمی میں تھے؟''

''جی میں، اپنے وقت کا ایک بہادر فوجی تھا۔'' وہ شرارت بھرے انداز میں ہنی کی ایکسائٹمنٹ دیکھ کر باڈی دکھانے لگا۔

''اوہ مائی گاڈ، پھر تو میری اور آپ کی دوستی ڈن ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر پر جوش انداز میں بولی۔

''شیور۔'' وہ مسکرائے، وہ کافی خوش مزاج تھے، ہنی خوشی سے اس کی وہیل چیئر پکڑ کر آگے بڑھی۔

''کہاں رہتی ہیں آپ، ہوسٹل میں یا کسی ریلیٹو کے ہاں؟''

''نہیں میں پرائیویٹ ہوسٹل میں رہتی ہوں سامنے والی لین میں۔'' وہ ہاتھ سے سامنے اشارہ کرنے لگی، وہ وہیل چیئر لیے ابھی تھوڑا آگے ہی بڑھی تھی، جب اسے اپنے پیچھے کسی کے تیز تیز قدموں کی چاپ سنائی دی، اس نے مڑ کر دیکھا تو سکتے میں چلی گئی۔

''بابا جان! میں آپ سے اس قدر لاپروائی کی امید نہیں کر سکتا تھا، میں آپ کو وہاں ڈھونڈ رہا ہوں اور آپ یہاں انجان لوگوں کے ساتھ ہیں۔'' ماتھے پر تیوری سجائے وہ ہنی کو گھور رہا تھا، ہنی کا حلق خشک ہو گیا۔

''بیٹا! یہ میرا پوتا ہے، مجتبیٰ، میجر مجتبیٰ گردیزی، اور مجتبیٰ یہ میری لٹل فرینڈ۔'' وہ دونوں کو متعارف کروانے لگا ہنی نے بلیک پینٹ کے اوپر اوپن شرٹ پہنے، میجر مجتبیٰ کی طرف دیکھا، جس کا دراز قد اور کسرتی جسم مزید نمایاں ہو رہا تھا۔

''السلام و علیکم!'' جانے کیوں اسے ڈھیروں شرمندگی نے آ گھیرا، وہ اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

''چلیں بابا جان!'' کہتا ہوا اس پر ایک سرد نگاہ ڈال کر وہ وہیل چیئر لے کر آگے بڑھ گیا۔

''ویسے بیٹا میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں۔'' اچانک یاد آنے پر اس بزرگ نے مڑ کر دیکھا۔

''جی...... ہنی...... یو کین کال می ہنی۔'' وہ خود کو کمپوز کرتی کن اکھیوں سے میجر مجتبیٰ کو دیکھنے لگی اور دھیرے سے سر جھکا دیا۔

''او کے تو ہنی، آپ مجھ سے پرامس کریں کہ آپ مجھ سے ملنے گھر آئیں گی ڈیلی۔'' وہ خوشدلی سے بولے۔

''ج...... ج...... جی...... شیور۔'' وہ تھوک نگلتی خود کو کوسنے لگی اور ان کے جانے کے بعد کب سے قید سانس ہوا میں چھوڑ دی۔

''اف کتنی خوفناک پرسنالٹی ہے موصوف کی، لگتا ہے کچا نگل جائے گا۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھتی لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

''ٹھیک کہتی تھی مونا، یہ آرمی والے بھی ناں، کتنے شکی ہوتے ہیں۔'' وہ خود کلامی کرتی ہاتھوں میں آیا پسینہ پینٹ پر رگڑنے لگی۔

☆☆☆

اللہ اللہ کر کے ایگزیمز اپنے اختتام کو پہنچے، ریحام نے سکھ کا سانس لیا، کیونکہ اب ماما نے اسے کسی قسم کی ایکٹوٹی سے نہیں روکنا تھا، وہ کھلے دل سے اپنی آزادی انجوائے کر سکتی تھی، ماما نے اسرار کیا کہ وہ بھی روحاب کی طرح کوچنگ جوائن کر لے مگر اس نے کوئی انٹرسٹ نہیں لیا اور

سارا دن ایشال اور حسن کے ساتھ انجوائے کرتی تھی۔

ایشال کو کوکنگ کا بہت شوق تھا اور وہ آنی سے نئی نئی ڈشز بنانا سیکھ رہی تھی، ریحام کو بھی یونہی ماما کی خوشنودگی کی خاطر کوکنگ کا شوق چڑھا اور اس نے کچھ اٹالین ڈشز کو ٹرائے کرنے کا سوچا۔

''روحا! کیا تم فری ہو؟'' وہ بیڈروم میں جھانک کر بولی، جہاں روحاب ابھی ابھی اکیڈمی سے واپس آ کر لیٹی تھی۔

''ہاں فری ہوں، کوئی کام ہے کیا؟''

''ہاں وہ آنی سے اٹالین ڈشز سیکھی ہیں تو سوچا آج ٹرائے کر لوں، تو تمہاری ہیلپ چاہیے تھی۔''

''تم اور کوکنگ؟'' روحاب کو اس کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا۔

''ہاں یار! سوچا مما ہمیشہ شکوہ کناں رہتی ہیں مجھ سے، تو آج ذرا سرپرائز دے دوں۔'' وہ لاڈ سے اس کی گود میں سر رکھ کر بولی۔

''تھنک گاڈ! لڑکی تمہیں عقل آ گئی ہے، چلو اٹھو اسٹارٹ کرتے ہیں۔'' روحاب نے اس کے بال سہلا کر کہا، دونوں نے کچن کی راہ لی، ریحام نے وائٹ ٹی شرٹ کے سلیوز فولڈ کیے اور کام میں لگ گئی، روحاب اسے خاموشی سے دیکھتی مسکرانے لگی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ چکن دھوتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے چہرے پر آئے بال ہٹانے لگی۔

''کچھ نہیں، بس بلیو نہیں کر پا رہی کہ میری ریحا اتنی بڑی ہو گئی ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ بٹاتے ہوئے بولی۔

''بات تو ایسے کر رہی ہو، جیسے تم خود کوئی باسٹھ سال کی بڑھیا ہو، ڈیئر اونلی فائیو منتھس کا گیپ ہے ہمارے درمیان مت بھولو۔'' وہ نل بند کرتے ہوئے بولی اور روحاب اس کے انداز پر ہنس پڑی۔

''یونو آج ماما نے حیرت پلس خوشی سے بے ہوش ہونا ہے۔'' روحاب اسے پین میں آئل ڈالتے دیکھ کر بولی اور ریحام نے فرضی کالر جھاڑے۔

''ویسے روحا ایک بات کہوں، ماما اور آنی میں کتنا ڈیفرینس ہے، آنی ایشال اور حسن سے کتنی محبت کرتی ہیں اور ماما، مجھے کبھی نہیں یاد کہ انہوں نے کبھی محبت سے ہمارا ماتھا چوما ہو یا پھر کبھی گلے لگایا ہو، ہر وقت ڈانٹ، میرا دل کرتا ہے کہ وہ بھی آنی کی طرح پیار کریں ہمیں۔'' کہتے ہی جانے کیوں اس کی آنکھوں میں نمی آئی۔

''کم آن یار، ڈونٹ بی سو سنیسٹیو۔'' روحاب نے اس کا کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''یونو ماما نے پاپا کی ڈیتھ کے بعد ماں اور باپ دونوں کا رول پلے کیا ہے تو شاید ایسی ہیں۔'' روحاب نے اپنی سمجھ کے مطابق رائے دی۔

''آنی بھی تو انکل کی ڈیتھ کے بعد دونوں کو اکیلے ہی پالا ہے، بٹ ان کا انداز کتنا کیئرنگ ہوتا ہے۔''

''بس یار پھر کیا کہوں، ماما اور آنی کی نیچر بھی تو سیم نہیں ہے۔'' روحاب نے اس کے ہاتھ سے چمچ لے کر کہا۔

''ہاں جیسے میری اور تمہاری نیچر۔'' ریحام نے خود کو ہلکا پھلکا کرتے ہوئے روحاب پر چوٹ کی اور برتن سیٹ کرنے لگی۔

''یونو میں ماما کی بیٹی ہونے پر پراؤڈ فیل کرتی ہوں۔'' روحاب اس کی شرارت کا جواب

سنجیدگی سے دینے لگی۔
''سیم ود ماما! وہ بھی تمہیں اپنی بیٹی مانتے پر پراوڈ فیل کرتیں ہیں۔'' اس نے عام سی بات کہی مگر روحاب کو وہ بہت معنی خیز لگی۔
کام کرنے کے دوران روحاب کو ہلکا سا چکر آیا، اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے سلیب کا سہارا لیا اور پاس پڑے برتن فرش پر بکھر گئے۔
''روحا! آر یو اوکے؟'' ریحام تیزی سے آگے بڑھی، مگر وہ خود کو سنبھال چکی تھی، برتنوں کے ٹوٹنے کی آواز پر ماما اسٹڈی سے نکل آئیں۔
''کیا ہو رہا ہے؟'' آواز میں سختی تھی۔
''مما......وہ......اٹالین ڈشز۔''
''مجھے پتہ تھا کہ یہ طوفان تمہارا کھڑا کیا ہو گا، کب سیکھو گی مینرز؟'' وہ فرش پر بکھرے برتنوں کے ٹکڑے دیکھ کر بےزاری اور غصے سے ریحام پر برسی۔
''ماما......وہ......میں۔''
''جسٹ کیپ یور ماؤتھ شٹ۔'' ماما نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔
''دفع ہو جاؤ یہاں سے اور جاؤ انجوائے کرو اپنے اسٹوپڈ قسم کے ایڈونچرز۔'' وہ اسے باہر کا راستہ دکھاتی غصے سے بولیں، ریحام آنکھوں میں آئی نمی چھپاتی تیزی سے کچن سے نکل گئی، روحاب نے افسردگی سے اسے جاتے دیکھا۔
''ماما!'' وہ قریب آئی۔
''برتن ریحام سے نہیں مجھ سے ٹوٹے تھے۔''
''تو بیٹا کیئر کیا کرو، بات برتنوں کی نہیں ہے، بات احتیاط کی ہے اور ریحام......'' باہر جاتے ہوئے ریحام نے ماما کے الفاظ سنے اور تیزی سے اپنے اور روحا کے کامن بیڈ روم میں آ گئی، کتنا فرق تھا ماما کے لہجے میں روحاب سے بات کرتے ہوئے، اس کا دل شدت سے رونے کو چاہا مگر ضبط کر گئی۔
''آئی ایم سوری ریحام؟'' روحاب نے کمرے میں آتے ہی کہا۔
''اٹس اوکے یار! شاید میری قسمت ہی ایسی ہے کہ سیدھے کام پر بھی ماما کی ڈانٹ لکھی ہو۔'' وہ جان بوجھ کر بات کو مذاق میں اڑا گئی اور بمشکل آنکھوں تک آئی نمی کو پیچھے دھکیلا۔
''یہ سب میری وجہ سے۔''
''چل اب یار! فضول میں گلٹی فیل کرنے کی ضرورت نہیں، آئی ایم اوکے۔'' وہ اس کے کندھے تھپتھپا کر باہر نکل گئی اور روحاب نے تاسف سے سر ہلا کر اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

وہ یونیورسٹی بس سے اتر کر بیگ اور فائل سنبھالتی دھیرے دھیرے کالونی کی سڑک پر چل رہی تھی جب اچانک ایک بلیک گاڑی اس کے قریب روکی، وہ ایکدم پیچھے ہٹی مگر بیک سیٹ پر براجمان ہستی کو دیکھ کر وہ مسکرا دی۔
''السلام وعلیکم ینگ مین۔''
''وعلیکم السلام اولڈ لیڈی۔'' وہ بھی شرارت سے بولے۔
''کیسے ہیں آپ؟ سچ میں ڈرا دیا آپ نے۔'' وہ شولڈر بیگ سنبھالتی مسکرا کر بولی۔
''میں آپ سے خفا ہوں، میں نے آپ کا بہت ویٹ کیا، لیکن آپ تو دوستی کر کے بھول ہی گئیں، خیر ان سے ملو، یہ میری بیٹی ہیں زرین مجتبیٰ کی ممی۔'' انہوں نے بیک سیٹ پر ساتھ بیٹھیں ایک خوبصورت اور اسمارٹ سی خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''تھنک گاڈ بھیا! آپ آگئے۔'' وہ بھیا کے ہاتھ سے بیگ لیتی بولی، حدید نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔

''کھانا لگواؤں آپ کے لئے؟''

''نہیں کھا چکا ہوں، بس تھوڑا ریسٹ کروں گا۔''

''کیا بھیا! میں بور ہو رہی ہوں۔'' وہ اس کا بیگ سنبھالتی اس کے روم تک آئی۔

''گڑیا! میں بہت تھک چکا ہوں، سر میں درد بھی......''

''لائیں میں دبا دوں۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بولی۔

''نو تھنکس، تھوڑا سو جاؤں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ ٹالتے ہوئے بولا، عین اسی ٹائم اس کے سیل کی بیپ بجی اور اس نے فوراً پک کی۔

''جی سر!''

''جی آپ فکر نہ کریں، سب ٹھیک ہو گا۔''

کچھ دیر دوسری طرف کی بات سن کر وہ اوکے کہہ کر فون بند کرنے لگا۔

''باس کا فون تھا، کل بہت اہم میٹنگ ہے، سو جلدی اٹھنا ہو گا، پلیز تم مائنڈ نہ کرو، مجھے سونا ہے۔'' وہ پیار سے اس کے بال سہلا کر بولے۔

''اٹس اوکے بھیا!'' وہ کہہ کر باہر کی جانب بڑھی، ابھی اس نے حدید کے روم کا دروازہ پار بھی نہیں کیا تھا کہ ایک زوردار بم بلاسٹ کی آواز گونجی، ریحام کی چیخ نکل گئی۔

''ریحام!'' حدید پلٹ کر ریحام کے پاس آئے۔

''بھیا آپ نے آواز سنی؟'' وہ خوفزدہ انداز میں بولی۔

''ہاں اللہ خیر کرے، فرجام گھر پہ ہے؟'' وہ ریحام کو سنبھال کر فرجام کے متعلق پوچھنے لگا۔

''نہیں بھیا! وہ تو ابھی تک گھر نہیں آیا۔'' ریحام نے روہانسی آواز میں کہا۔

''ریلیکس، گھبراؤ نہیں، میں کال کرتا ہوں اسے۔'' وہ ریحام کو چھوڑ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے سیل فون اٹھا کر فرجام کو کال کرنے لگا، دوسری بیل پر کال پک ہو گئی تھی۔

''تم کہاں ہو فرجام! خیریت سے تو ہو ناں؟''

''اوکے وہیں رہو آج۔''

''ہاں ہاں میں گھر پہ ہوں، حالات کا پتہ نہیں چلتا، تم بھی آج رات دانیال کے گھر رہو، باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اوکے خدا حافظ۔'' وہ کال ڈسکنیکٹ کر کے ریحام کی طرف متوجہ ہوا۔

''وہ ٹھیک ہے ریحام! جاؤ شاباش سو جاؤ۔''

''بھیا! کتنے ظالم اور گھٹیا لوگ ہوتے ہیں ناں جو دوسروں کی بلاوجہ جانیں لیتے ہیں، کیا ملتا ہو گا انہیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔

''ریلیکس گڑیا، تم اللہ سے خیر کی دعا مانگو، مت لو ٹینشن۔'' وہ اس کو کندھے سے تھام کر سمجھانے لگا اور اس کی سر سینے سے لگائے اس کے روم تک چھوڑ آیا۔

☆☆☆

''گردیزی ہاؤس'' باہر سے جتنا دلفریب تھا، اتنا ہی اندر سے دلکش تھا، وہ اس کی آرائش و زیبائش سے کافی متاثر ہوئی، لاؤنج میں میجر مجتبیٰ کا ایک فل سائز پورٹریٹ تھا ہنی کو یوں لگا جیسے وہ حقیقت میں کھڑا ہو، زرین آنٹی اور ریٹائرڈ کرنل

مرتضیٰ گردیزی کے حسن اخلاق اور بے تکلفی نے ہنی کا حوصلہ بڑھایا اور وہ آہستہ آہستہ گردیزی ہاؤس کی ممبر کی طرح بن گئی، زرین آنٹی کی بیٹی کی خواہش ہنی کی صورت پوری ہوگئی اور وہ بن ماں باپ کی بچی کو فیملی کا پیار مل گیا تھا۔

☆☆☆

''ایکسکیوزمی۔'' وہ ایک بار پھر سامنے کھڑا تھا، روحاب نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ بول پڑا۔

''پلیز آپ میری بات سنیں۔'' وہ بہت اپ سیٹ لگ رہا تھا روحاب غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں نہیں جانتا آپ ایسا کیوں بی ہیو کر رہی ہیں اور میرے......'' روحاب نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر وہ موقع نہیں دے رہا تھا۔

''میں آپ سے ایک ضروری بات کہنے آیا ہوں، آپ پلیز اگر مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کے چند منٹس لینا چاہوں گا۔'' اس کا انداز بہت سنجیدہ تھا، روحاب نے سرد آہ بھری اور اس کی بات سننے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اپنی بات کہنے کے بعد اسے بھی موقع دے۔

''جی پلیز کہیں۔''

''آپ اگر مائنڈ نہ کریں تو کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟''

''شیور۔'' وہ دونوں کو چنگ سے کچھ فاصلے پہ بنے پارک میں آ گئے۔

''میں زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں، ایک سمپل سی بات کہنا چاہوں گا۔'' وہ تمہید باندھنے لگا۔

''جی بولیں، میں سن رہی ہوں۔'' وہ تحمل سے بولی۔

''آپ کو شاید میری بات بری بھی لگے بٹ......'' وہ چند پل اس کا چہرہ بغور دیکھتا رہا، پھر سرد آہ بھر کر بولا۔

''جس دن سے آپ کو دیکھا ہے، میرا دل نہیں لگتا کسی کام میں بھی، مجھے آپ سے محبت ہے، عشق ہے، میں نہیں جانتا مگر میں آپ کا ساتھ پانا چاہتا ہوں باقاعدہ شادی کر کے۔''

روحاب منہ کھولے اسے دیکھے گئی۔

''میری بات سنیں آپ کو......''

''میں آپ کی ہر بات سنوں گا مگر انکار نہیں پلیز، پتہ نہیں میں اپنی باتوں اور حرکتوں سے کیا امپریشن دے رہا ہوں، بٹ یہ فیکٹ ہے کہ میں اپنی فیلنگز کو لے کر بہت سیریس ہوں۔''

کچھ دیر اسے خاموش بیٹھے دیکھ کر وہ مزید گویا ہوا۔

''میں آپ کو سوچنے سمجھنے کے لئے ٹائم دیتا ہوں، چار دن بعد پھر آؤں گا، آئی تھنک چار دن کافی ہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھ گیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ گیا، روحاب اس کی پرسنالٹی سے کافی متاثر ہوئی، وہ اسے اپنی سنجیدہ گفتگو اور پروقار انداز سے بہت معتبر اور سلجھا ہوا لگا، روحاب کی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔

☆☆☆

''بیٹا تم اپنے پیرنٹس کو مس تو کرتی ہو گی؟'' زرین آنٹی نے حلوہ بھونتے ہوئے ہنی کا چہرہ دیکھا۔

''یس لیکن اتنا نہیں، ایکچوئیلی میں بہت چھوٹی سی تھی جب پہلے بابا اور پھر ماما کی ڈیتھ ہو گئی، لیکن میرے بھیا اور خالہ نے مجھے کبھی ان کی کمی فیل ہی نہیں ہونے دی۔'' وہ سلیب پر چڑھی ہلکا ہلکا ٹانگوں کو ہلا رہی تھی۔

''لگتا ہے تمہارے بھیا تم سے بہت پیار

''السلام و علیکم میم!'' وہ تھوڑا سا جھک کر دیکھنے لگی۔
''وعلیکم السلام، کیسی ہو بیٹا؟'' وہ شفقت سے بولیں۔
''فائن آپ سنائیں؟'' وہ ان کی پرسنالٹی سے متاثر ہوئی۔
''ہم اپنے حال تب بتائیں گے جب آپ ہمارے گھر آئیں گی۔'' مرتضٰی گردیزی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔
''جی میں آؤں گی کبھی۔'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولی، حالانکہ اسے بہت شوق تھا ''گردیزی ہاؤس'' کو اندر سے دیکھنے کا، مگر جانے کیوں اب اس کا دل گھبرا رہا تھا۔
''کبھی نہیں، آج شام پانچ بجے پرامس کرو۔'' مرتضٰی گردیزی آج اسے چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھے، وہ کچھ چپ سی ہو گئی۔
''آ جانا بیٹا، ہمیں یقیناً اچھا لگے گا۔'' زرین آنٹی نے بھی محبت بھرے انداز میں کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔
''پرامس؟'' مرتضٰی گردیزی نے وعدہ لینا چاہا۔
''پکا۔'' وہ بھی مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام گئی۔
''او کے سی یو ایٹ ایوننگ۔'' وہ ڈرائیور کو گاڑی اسٹارٹ کرنے کا اشارہ کر کے بولے۔
''اللہ حافظ۔'' اس نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔
گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی اور وہ وہیں کھڑی اسے دور جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

''روحاب!'' اپنے پیچھے اجنبی آواز سن کر وہ مڑی، سامنے فل یونیفارم میں ملبوس ایک خوبرو سا نوجوان اسی کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ حیران ہوئی کیونکہ وہ اس کا نام بھی جانتا تھا۔
''جی فرمایئے۔'' وہ حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولی۔
''کیسی ہیں آپ؟'' سامنے والے کا انداز اسے حیران کر رہے تھے۔
''سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''
''آپ اتنی جلدی بھول گئیں مجھے؟'' وہ مایوسی سے بولا، روحاب حیرت سے اسے دیکھنے لگی اور اپنے ذہن پر زور دیا، مگر یادداشت میں وہ کہیں نہیں ملا۔
''کچھ عرصہ پہلے آپ کالج سے واپسی پر میری گاڑی سے ٹکرائیں تھیں اور آپ کے ساتھ۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنا تعارف کرواتا، اس کا فون بج اٹھا، وہ ایکسکیوزمی کہہ کر ذرا سائیڈ پر ہو کر سننے لگا، روحاب کو یقین ہو گیا کہ ضرور وہ ریحام کی بات کر رہا ہے اور اسے ریحام سمجھ بیٹھا ہے، مگر اسے میرا نام کیسے پتہ ہے؟ وہ سوچوں میں الجھی آگے بڑھ گئی، کوچنگ سینٹر کے دروازے کو پار کرتے ہوئے اس نے ایک بار مڑ کر اسے دیکھا، وہ ابھی تک فون پر بزی تھا۔
وہ کافی دیر سے لاؤنج میں بیٹھی سخت بوریت کا شکار ہو رہی تھی، ماما ڈیوٹی کے لئے نکل گئی تھیں، روحاب اوپر اسٹڈی میں بکس کے ساتھ بزی تھی، فرجام بھی دوستوں کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کے لئے گیا ہوا تھا، وہ اکیلے بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی، ٹی وی پر بھی دیکھنے لائق کچھ نہ تھا، اسی دوران حدید بھیا کی گاڑی کا ہارن بجا، وہ شکر کا کلمہ پڑھتی گیٹ کی جانب بھاگی، جہاں گیٹ کیپر گیٹ کھول چکا تھا۔
''السلام و علیکم بھیا!''
''وعلیکم السلام بھیا کی جان!'' حدید نے

کرتے ہیں؟" وہ مسکرائیں۔

"ٹھیک کہا آپ نے، بہت زیادہ۔" وہ پونی ٹیل ہلاتے ہوئے مان سے بولی، فون کی بیل پر آنٹی نے چمچ اس کے حوالے کیا، وہ سلیب سے اتر کر حلوہ بھوننے لگی۔

"یو نو آنٹی "گردیزی ہاؤس" کو دیکھ کر میرے اندر عجیب سا تجسس پیدا ہوا، میں آپ لوگوں کی فیملی کو آئیڈیلائز کرنے لگی، میری شدید خواہش تھی کہ آپ لوگوں سے ملوں، اینڈ ٹو ڈے آئی کانٹ بلیو کہ میں آپ لوگوں کے درمیان......" وہ اپنے پیچھے قدموں کی چھاپ سن کر ناں اسٹاپ شروع ہوگئی، مگر کوئی رسپانس نہ پا کر وہ مڑ کر دیکھنے لگی اور سٹپٹا گئی۔

"سوری مجھے لگا زرین آنٹی......" آرمی یونیفارم میں ملبوس میجر مجتبیٰ اسے سرد مہری سے گھور رہا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"وہ...... مجھے...... اکچوئیلی آنٹی نے......"

اس سے بات نہ بن پائی۔

"جو بھی ہے، آئندہ میں آپ کو یہاں اور اس گھر کے آس پاس بھی نا دیکھوں، انڈرسٹینڈ۔" وہ خشمگیں نظروں سے گھورتا باہر نکل گیا، اس قدر انسلٹ پر اس کا دل چاہا اس کا سر پھاڑ دے۔

"اتنی نائس آنٹی کا اتنا سڑیل بیٹا، ان بلیو ایبل۔" وہ بڑبڑاتی کچن سے باہر نکل آئی اور تیز تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھنے لگی۔

"ایڈیٹ، نان سینس، بات تو ایسی کرتا ہے جیسے میں نے اس کی فیملی کو کھا جانا ہے۔" وہ بمشکل آنکھوں میں آئی نمی کو اندر دھکیلتی دو لانز کے درمیان بنی سنگ مرمر کی روش پر چل رہی تھی۔

☆☆☆

وہ جولائی کی تپتی دوپہروں کے بعد ایک انتہائی خوبصورت اور دلفریب شام تھی، بارش ہونے کے باعث تمام درخت اور پودے نکھر گئے تھے، ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا ماحول کو سحر انگیز بنا رہی تھی، وہ کافی کا مگ لئے ٹیرس کی ریلنگ سے ٹیک لگائے، سامنے سیاہ بل کھاتی سڑک پر نگاہیں مرکوز کیے "میجر جنید صدیقی" کی کہی باتوں کو سوچ رہی تھی۔

"ہیلو ڈیئر سسٹر، کیا ہو رہا ہے؟" ریحام اسے سوچوں میں گم دیکھ کر کندھا مارنے لگی۔

"Nothing بس موسم کو انجوائے کر رہی ہوں۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"واٹ تم اور انجوائے، آئی کانٹ بلیو۔" ریحام کھلکھلا کر ہنس پڑی، روحاب نے منہ بنا کر اسے خفگی سے دیکھا۔

"کیوں میں انجوائے نہیں کر سکتی کیا؟"

"کر سکتی ہو، بٹ تم ان سب کو فضول کہتی تھا ناں، تمہیں کبھی نہ بارش نے فیسی نیٹ کیا اور نا ہی Clovdy wheather نے اٹریکٹ کیا، پھر آج اتنا بڑا چینج؟ سب خیر تو ہے ناں؟" اس کے ہاتھ سے کافی کا مگ لے کر وہ سیپ لیتی ہوئی بولی۔

"کیا مطلب؟" روحاب نے گھور کر پوچھا۔

"آئی مین کہیں لوشو۔" وہ کہہ کر رکی۔

"خیر تم سے میں اس چیز کی امید نہیں کرتی۔" وہ کہہ کر خالی مگ اس کے ہاتھ میں تھماتی آنی کے ٹیرس پر کود گئی، روحاب نے سرد آہ بھری۔

"تم کیا جانو بہنا میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔" وہ سر ہلا کر رہ گئی اور مگ لے کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

زرین آنٹی کے گھر پارٹی تھی، جس میں وہ بھی مدعو تھی، اس کا جانے کا بالکل دل نہیں تھا، مگر آنٹی کے بے حد اسرار پر وہ بے دلی سے اٹھی اور وارڈ روب کھول کر کپڑے دیکھنے لگی، مگر پارٹی پر پہنے لائق کوئی سوٹ نہیں تھا، ساری وارڈ روب پینٹ جینز اور ٹی شرٹس سے بھری ہوئی تھی۔

''میں بس نہیں جا رہی؟'' وہ وارڈ روب بند کر کے پلٹی۔

''تمہاری زرین آنٹی ناراض ہو جائیں گی۔'' مونا نے بکس بند کر کے اس کی طرف دیکھا۔

''یار! ایک تو میرے پاس ڈریس نہیں ہے، سیکنڈلی یہ ان کی اپنی فیملی پارٹی ہے، میرا جانا مجھے آکورڈ لگ رہا ہے۔'' وہ میٹرس پر گرنے والے انداز میں بیٹھی تھی۔

''ایڈیٹ وہ تمہیں اتنے پیار سے انوائیٹ کر رہی ہیں تو آکورڈ کی کیا بات ہے اور ڈریسنگ کا پرابلم میں حل کر دیتی ہوں۔'' وہ اٹھی اور وارڈ روب سے اپنا بلیک فراک نکال کر اس کی طرف بڑھانے لگی۔

''نہیں یار! بس میں نہیں جاتی۔'' وہ بے زاری سے کہہ کر لیٹ گئی۔

''نخرے مت کرو اور اٹھو ہری اپ، برا لگتا ہے ایسے۔'' مونا نے زبردستی اسے اٹھایا اور واش روم کی طرف دھکیل دیا، وہ منہ بناتی واش روم چلی گئی کچھ دیر بعد وہ باتھ لے کر نکلی تو اس کا منہ اسی طرح بنا ہوا تھا۔

''مونا! عجیب نہیں لگ رہا یہ؟'' وہ فراک اور چوڑی دار پاجامے کی طرف دیکھ کر بولی۔

''کچھ بھی عجیب نہیں لگ رہا، بہت پیارا لگ رہا ہے تم پہ۔'' وہ دوبارہ بکس بند کرتی اس کے پاس آئی۔

''میں بالکل بھی ایزی فیل نہیں کر رہی اس میں، بس میں چینج کر رہی ہوں۔'' وہ واش روم کی طرف بڑھتی بولی، مونا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اسٹوپڈ ہو تم، مجھے تو لگتا ہے تم اپنا ویڈنگ ڈریس بھی پینٹ شرٹ ہی بناؤ گی، چلو میں تمہیں تیار کر دوں۔'' وہ اس کے موڈ کو خاطر میں لائے بغیر آئینے کے سامنے بٹھانے لگی اور اس کے ناں ناں کرنے پر بھی زبردستی اس کا لائیٹ سا میک اپ کرنے لگی۔

''دیکھنا آج میجر صاحب کلین بولڈ ہو جائیں گے۔'' وہ اس کے بلیک شولڈرز کٹ بالوں کو خوبصورت اسٹائل دیتی اس کا عکس آئینے میں دیکھنے لگی، خوبصورتی تو اسے وارثت میں ملی تھی، گوری نرم و ملائم رنگت، کالی بڑی بڑی آنکھیں اور گلابی ہونٹ، مگر آج تو اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے تھے۔

''نام مت لو اس روڈ اور سڑیل بندے کا۔'' وہ منہ بناتی اٹھ گئی، مونا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''گردیزی ہاؤس'' پہنچتے ہی زرین آنٹی نے اس کا پرجوش ویلکم کیا اور کتنی ہی دیر اسے خود سے لگائے رکھا، جانے کیوں اس کا دل بھر آیا اور خود کو سنبھالتی وہ آنٹی سے الگ ہوئی۔

''ماشاء اللہ آج تو میری بیٹی بہت پیاری لگ رہی ہے۔'' وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولی اور وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

''چلو میں تمہیں باقی سب گیسٹ سے ملواؤں۔'' زرین آنٹی اس کا ہاتھ تھامتی اندر کی طرف بڑھی اور سب سے ملوانے لگی، ایکدم اس کی ساری سستی اور بے زاری ختم ہو گئی اور اپنی ایج فیلوز کے ساتھ گھل مل گئی، آنٹی اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھی ہی کولڈ ڈرنک کا گلاس ہاتھ

میں لئے "مرتضیٰ گردیزی" کے پاس جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ ایکدم اس کی نظر مجتبیٰ کے ساتھ باتیں کرتی لڑکی پر پڑی، وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی، سی گرین ڈریس اس پر بہت جچ رہا تھا، وہ بے ساختہ اسے دیکھے گئی۔

"ہنی! تم یہاں ہو، چلو میں تمہیں اپنی بھانجی ثمرہ سے ملواؤں۔" وہ ویٹرز کو اشارہ کرتی اس کی طرف آئیں اور اسے لے کر غالباً وہ اسی لڑکی کی طرف جا رہی تھیں اسی دوران کرنل انکل قریب آئے، آنٹی اس سے ایکسکیوز کرتیں اس کی بات سننے لگیں ہنی نے ایک نظر مجتبیٰ اور اس کی کزن پر ڈالی، جانے وہ اس کی کس بات پر ہنس رہا تھا ہنی کے دل پر گھونسہ پڑا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہ گردیزی ہاؤس سے نکل آئی۔

"تو مسٹر کو ہنسنا بھی آتا ہے؟" وہ دانت پیستی تیز تیز چلنے لگی، دل میں عجیب سا احساس تھا، غصہ، جیلسی یا پھر کچھ اور جو مسلسل اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ شدید پیاس کے احساس سے کھلی، کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اور اے سی کی خنکی نے ماحول کو خوابناک بنا رکھا تھا، اس نے ایک نظر سوتی روحاب پر ڈالی اور پھر کسلمندی سے اٹھی اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔

فریج سے پانی کی بوتل نکال کر وہ وہیں چیئر پر بیٹھ گئی اور دو ہی سانس میں پوری بوتل خالی کر دی، کچھ دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ ماما کے روم کی جانب بڑھ گئی اور دھیرے سے ناک کیا، مگر آواز نہ آنے پر اس نے دروازے کی ناب گھما کر آہستہ سے کھولا، ماما اندر نہیں تھیں، واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، وہ آگے بڑھی اور وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی، اسے شام کو ایشال کے ساتھ شاپنگ پر جانا تھا اور اسی سلسلے میں وہ ماما سے پیسے مانگنے آئی تھی، کچھ دیر ویٹ کرنے کے بعد وہ اٹھی اور یونہی ماما کی وارڈ روب کھول کر دیکھنے لگی، ہر چیز ترتیب سے پڑی ہوئی تھی، وہ ماما اور روحاب کے سلیقے کی دل سے قائل تھی، ایک وہ تھی جس کی ہر چیز اپنی جگہ اور وقت پر نہیں ملتی تھی، بقول حسن وہ ایک طوفان تھی اور جہاں سے گزرتی سب کچھ بکھیر دیتی۔

وہ مسکراتے ہوئے تمام چیزوں کو انگلیوں سے چھو رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ایک بوسیدہ نیلی فائل پر پڑی، وہ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی، فائل میں کچھ نقشے تھے جن پر بلیک مارکر سے بڑے بڑے ایروز کے نشان بنے ہوئے تھے، وہ کندھے اچکا کر فائل بند کرنے لگی کہ اچانک ایک صفحہ باہر نکل کر کارپٹ پر گرا، وہ صفحہ اٹھانے کے لئے جھکی اور دیکھنے لگی، جوں جوں وہ پڑھتی گئی اس کا رنگ اڑنے لگا، وہ جلدی سے فائل کھول کر باقی صفحات دیکھنے لگی، اسی دوران واش روم کا دروازہ کھلا اور ماما باہر آئیں۔

"ریحام! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" صباحت اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فائل پڑھتی دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھی۔

"ماما! واٹ...... از دس؟" وہ کپکپاتی آواز سے بولی، ماما کا رنگ بدلا وہ خود کو سنبھالتیں وہ فائل ریحام سے چھین کر الماری میں رکھنے لگی۔

"ماما...... آپ!" وہ بے یقینی سے ماما کو دیکھنے لگی۔

"شٹ اپ تم نے جرأت کیسے کی میری پرسنل چیزوں کو ہاتھ لگانے کی۔"

"پرسنل؟" وہ دبی دبی آواز میں چلائی۔

"آپ اتنا...... اتنا بڑا دھوکہ کر سکتی ہیں، آئی کانٹ بلیو...... آپ اور پاپا...... آئی ہیٹ

یو...... آئی ہیٹ پاپا، آئی ہیٹ مائی سلیف۔'' وہ زور سے چلائی۔

''بند کرواپنی آواز اور......'' صباحت دبی دبی آواز میں چلا کر بولی۔

''نہیں کروں گی چپ، آئی ول ٹیل ٹو دی ہول ورلڈ، آپ نے ہمیں دھوکے......''

''لیف ریحام، لیف۔'' ماما غصے سے چلائیں۔

''چلائیں مت ماما، آپ تو اس قابل بھی نہیں رہی کہ اونچی آواز میں بات کرسکیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات پوری کرتی ماما کا ہاتھ اٹھا اور پوری قوت سے اس کے دائیں گال پر پڑا، تھپڑ اس قدر شدید تھا کہ وہ سنبھل نہ پائی اور لڑکھڑا کر شیشے کی ٹیبل سے ٹکرا گئی، شور کی آواز سن کر روحاب اور فرجام بھی بھاگ کر آگئے۔

''کیا ہوا ماما، آپ اتنی غصہ میں کیوں ہیں؟'' روحاب نے ماما کا کندھا ہلایا اور اس کی نظر میز پر گری ریحام پر پڑی۔

''ریحام!'' وہ بھاگ کر ریحام کے پاس آئی۔

''کیا ہوا تمہیں؟'' اس کے ماتھے سے بہتے خون کو دیکھ کر وہ ایکدم گھبرا گئی۔

''روحا!'' وہ اٹھتے ہوئے روحاب کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہیں اس عورت کی بیٹی ہونے پر پراؤڈ تھا ناں...... آج...... آج اگر ان کا اصل چہرہ دیکھ لو تو...... تو ڈر جاؤ گی۔'' وہ نفرت بھری نگاہ سے ماما کو دیکھتی فرجام کی طرف بڑھی۔

''فرجام!'' فرجام اور روحاب پریشانی سے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہے تھے۔

''فرجام! تم جانتے ہو ہمارے پاپا کون تھے؟ ایک دہشت گرد دھوکہ دیا انہوں نے پاک آرمی کو اور اب ماما...... میں نے خود پاپا کا لیٹر پڑھا، وہ آرمی آفیسر نہیں...... نہیں بلکہ......'' وہ پوری بات ہونے سے پہلے گر پڑی، فرجام اور روحاب نے بھاگ کر اسے سنبھالا۔

''فرجام! پلیز کال کرو ڈاکٹر کو۔'' روحاب اس کا خون آلود چہرہ تھپتھپاتی زور سے چلائی، فرجام حواس باختہ باہر کی جانب بھاگا اور ماما سر تھام کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

وہ جب سے پارٹی سے آئی تھی، افسردہ سی رہنے لگی تھی، مونا نے لاکھ کوشش کی اس کا دل بہلانے کی، مگر وہ ہر چیز سے بےزار ہوچکی تھی، ساری موج مستی بھلا کر وہ عجیب چڑچڑی ہوگئی تھی، اس وقت بھی وہ بکس کھولے بیٹھی تھی، بظاہر دھیان بکس میں تھا، مگر حقیقت میں کسی اور جہاں پہنچ چکی تھی، کب اور کیسے اسے مجتبیٰ سے محبت ہوئی، اسے پتہ ہی نہ چلا، محبت کا ادراک اسے اس دن ہوا، جب اس نے اسے ثمرہ کے ساتھ ہنستے دیکھا، وہ اپنے دل کی اس دغا بازی پر جتنا رو سکتی تھی، وہ روئی مگر چین پھر بھی نہ ملا۔

''چائے۔'' مونا اس کے سامنے چائے کا کپ رکھ کر بولی۔

''ہوں۔'' وہ چونک کر مونا کو دیکھنے لگی۔

''کچھ کہا مجھ سے؟''

''نہیں، بس یہ چائے۔'' وہ تاسف سے اس کا افسردہ چہرہ دیکھ کر اپنے بستر پر آگئی۔

''ہنی۔'' باہر سے ہوسٹل والی آنٹی کی آواز ابھری۔

''جی آنٹی!'' وہ بےزاری سے بکس بند کرتی اٹھ بیٹھی۔

''تمہارے بھائی آئے ہیں، نیچے گیسٹ روم میں ہیں۔''

''بھیا!'' وہ ایکدم پر جوش ہوئی اور تیزی سے روم سے نکلی اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی نیچے آ گئی۔

''بھیا آپ۔'' وہ بھاگ کر اس کے سینے سے لگی، بھیا نے ہنستے ہوئے اس کے بالوں پر بوسہ دیا۔

''کیسی ہے میری گڑیا؟''

''بالکل ٹھیک، آپ سنائیں اور اچانک یہاں کیسے؟'' وہ اس کے سینے سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

''بس تھوڑا سا کام تھا، تو سوچا اپنی شہزادی سے ملتا جاؤں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''اور سناؤ، اسٹڈی کیسے جا رہی ہے؟''

''اے ون بھیا!'' وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''آپ بیٹھیں میں، میں چائے لاتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی۔

''نہیں میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا، بہت ضروری کام سے آیا ہوں، جانا ہو گا جلدی۔'' وہ منع کرتے ہوئے بولا۔

''بھیا! آپ ہمیشہ ایسے کرتے ہیں۔'' وہ منہ پھلا کر بولی اور وہ اس کا یہ انداز انجوائے کرتے ہوئے ہنسنے لگے، پھر دونوں بہن بھائی باتیں کرنے میں مگن ہو گئے۔

☆☆☆

وہ دو دن ہوسپٹلائزڈ رہی اور تیسرے دن طبیعت سنبھلتے ہی وہ ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی، نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے ڈاکٹر نے اسے خوش رکھنے کی تاکید کی تھی، مگر گھر آ کر اس نے کھانا پینا سب چھوڑ دیا تھا، وہ کسی سے بات نہیں کرتی تھی، بس سارا سارا دن بیڈ پر پڑی روتی رہتی تھی۔

''کیا حالت بنا لی ہے تم نے ریحام!''

حسن کو اس کی حالت دیکھ کر تکلیف ہوئی، مگر وہ کوئی جواب دیئے بغیر چھت کو گھورتی رہی۔

''ریحام! پلیز ختم بھی کرو اپنی ضد کچھ کھا لو، اس طرح سے تو تم مزید بیمار ہو جاؤ گی۔''

''حسن!'' وہ بھرائی آواز میں بولی۔

''جب کسی کا مان، فخر اور اعتماد ٹوٹ جائے تو کتنا درد ہوتا ہے جانتے ہو تم؟'' وہ آنسو سے بھری آنکھیں لئے اس کی طرح دیکھنے لگی، حسن نے سرد آہ بھری۔

''کتنا فخر تھا مجھے پاپا پر اور وہ......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر رو پڑی، حسن کے دل کو کچھ ہوا۔

''اچھا ناں چپ کرو، تم پلیز ٹینشن نہ لو۔''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دینے لگا۔

''کتنے دعوے کیے تھے میں نے تم سے اور اپنی سب فرینڈز سے کہ شہید کی بیٹی کے ساتھ ساتھ، میں شہید کی بیوہ بھی بنوں گی اور...... کتنی بڑی بھول تھی میری کہ میں شہید کی بیٹی۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی، حسن کی آنکھوں میں بھی بے ساختہ آنسو آ گئے اور اس کا سر سہلاتا وہ پرعزم انداز میں اٹھا اور روم سے نکل گیا۔

☆☆☆

اس دن وہ کام کے سلسلے میں ایک بار پھر گردیزی ہاؤس آئی، سنگ مرمر کی روش پر چلتی وہ اندرونی دروازے پر کھڑی تھی، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر اس ستمگر پر پڑی، وہ کسی کے ساتھ فون پر بات کر رہا تھا، وہ اگنور کر کے آگے بڑھنا چاہتی تھی، مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا، وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے رک گئی۔

''جی محترمہ! یہاں تک تو آپ پہنچ گئیں، اب آگے کیا ارادہ ہے۔'' وہ فون رکھ کر اس کی

طرف بڑھا اور نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑھ دیں۔
''کیا مطلب؟'' وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔
''آپ نے آرمی والوں کو بے وقوف اور ایڈیٹ سمجھ رکھا ہے کیا، آپ سمجھتی ہیں کہ آپ بہت اسمارٹ ہیں، آپ کے کسی پلان کا کسی کا پتہ نہیں چلے گا، یہی ناں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے بولا۔
''آپ کیا کہہ رہے ہیں، کون سا پلان؟ کیسا پلان، بلیو می میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔
''اوکے کر لیا بلیو، آپ سکندر آفندی کو جانتیں ہیں؟'' وہ بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگا، اس کی بات پر جو یکدم تاریک ہوگیا تھا۔
''آپ کہنا کیا...... چ...... چ...... چاہتے ہیں؟'' وہ ہکلائی۔
''بتاتا ہوں سب، آپ یہ بتائیں گی کہ کیا واقعی آپ کے والد ایک اسکول ٹیچر تھے اور ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے؟''
''ج...... ج...... جی۔''
''اوکے اور یہ کہ آپ کے صرف ایک بھائی ہیں جو کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتے ہیں؟'' وہ سوال پر سوال کر رہا تھا۔
''جی! بٹ آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ نا سمجھی سے بولی۔
''اچھا تو مس ہنی آپ میجر جنید صدیقی کو جانتی ہیں؟''
''نہیں۔'' اس نے زور زور سے سر ہلایا۔
''شیور؟'' وہ معنی خیزی سے پوچھنے لگا۔
''آنٹی کہاں ہیں؟'' وہ اس کے سوالوں سے بچتی سائیڈ سے نکلنے لگی، مگر اس کا راستہ روک لیا۔

''اتنی جلدی کیا ہے، آپ نے اس کو دیکھا ہے کہیں؟'' وہ ایک تصویر ہاتھ میں لئے اس سے پوچھ رہا تھا، اس نے اپنی یادداشت پر زور دیا، وہ کچھ جانا پہچانا سا لگا۔
''جی بٹ یاد نہیں کہ کب اور کہاں؟'' وہ کنپٹیوں کو سہلاتی بولی اور میجر مجتبیٰ اس کے انداز پر ہنسا۔
''شکل سے معصوم لگتیں ہیں، بٹ ہیں کافی اسمارٹ۔''
''آپ کیا کہہ رہے ہیں، میں کچھ نہیں جانتی، فار گاڈ سیک مجھے جانے دیجئے پلیز۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔
''اتنا بڑا پلان بنانے والی، اتنی بزدل ہو گئی، ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ اس کے رونے کو ناٹک قرار دینے لگا۔
''کیا پلان، کیسا پلان، پلیز آپ کھل کر بات کیجئے۔'' وہ اسے روتے دیکھ کر ہنسا۔
''آپ کی ایکٹنگ کی داد دینی پڑے گی، چلیں آپ کو اتنا شوق ہے تو بتاتا ہوں کھل کر، آپ نے میرے دوست حسن کو اپنی محبت کے جال میں پھنسایا، پھر اس کے سامنے یہ شرط رکھ دی شادی کے لئے کہ وہ تمہیں سکندر آفندی یعنی تمہارے فادر کے قاتل کا ایڈریس دے، یعنی کرنل مصطفیٰ کا، اس نے تمہیں میرے ڈیڈی کا ایڈریس دینے سے انکار کیا تو تم نے اسے چھوڑ دیا اور پھر کسی نہ کسی طرح میرے ڈیڈی کا ایڈریس لینے میں کامیاب ہوگئیں، پھر میرے گھر کے قریب منڈلاتیں رہیں اور میری فیملی کے ہر ممبر کا اعتماد جیت لیا آپ نے اور اب آگے کا پلان آپ جانتی ہیں۔'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا جو مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔
''میں اگر چاہوں تو ایک سیکنڈ میں اندر کر

سکتا تھا، مگر۔"

"دیکھیے آپ کو ضرور کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی، جیسا...... جیسا آپ مجھے سمجھ رہے ہیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی، مجتبیٰ چند پل اسے دیکھتا رہا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا اور ٹیبل کی سائیڈ دراز سے ایک اور تصویر نکال کر اسے دکھانے لگا۔

"یہ آپ ہی ہیں ناں؟ یا اس سے بھی انکار کریں گیں؟" وہ اس کے سیاہ پڑتے چہرے کو بغور دیکھتا رہا۔

"ر...... و...... روحاب!" وہ پتھرائی آنکھوں سے یک ٹک تصویر کو دیکھتے دیکھتے ہوئے بمشکل کہہ پائی تھی۔

"ہاں جی مس روحاب، اب بتائیں کہ۔"

"شی از مائی ٹوین۔" وہ آنسوؤں کا گولہ پی کر اتنا کہہ سکی۔

"چلو اب ایک اور ڈرامہ۔" وہ تصویر دور پھینکتے ہوئے غصے سے بولا۔

"آپ کچھ نہیں جانتے۔" وہ کہہ کر روتے ہوئے باہر کی جانب بھاگی اور مجتبیٰ دانت پیستے ہوئے ہاتھ پر مکا مارنے لگا۔

وہ ہاسپٹل آ کر بیڈ پر گرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ ابھی میجر مجتبیٰ نے اس سے کہا ہے، وہ سب کرنے والی اس کی سگی بہن روحاب ہے، ماما اور پاپا کے بعد اب روحاب بھی اس کا مان اور بھروسہ توڑ بیٹھی تھی، اس کا دل چاہا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دے سب تہس نہس کر دے، وہ دل کا بھڑاس نکالنے کے لئے زور زور سے رونے لگی، مونا گھبرا کر واش روم سے نکلی اور اس کی طرف بھاگی۔

"رھنی! کیا بات ہے، کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے کندھے کو زور زور سے ہلانے لگی، مگر وہ تکیے میں منہ دیئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میرا دل بیٹھ رہا ہے ریحام، پلیز بتاؤ تو سب ٹھیک تو ہے ناں، حدید بھائی تو ٹھیک ہیں ناں؟" وہ پریشانی سے روہانسی ہو گئی، مگر وہ کچھ بھی بولے بغیر بس رو رہی تھی، ہوسٹل والی آنٹی رونے کی آواز سن کر بھاگ کر آئی۔

"کیا ہوا مونا؟ یہ رو کیوں رہی ہے؟"

"پتہ نہیں آنٹی، کچھ نہیں بتا رہی مجھے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اسے تو بہت تیز بخار ہے مونا۔" آنٹی اس کے بال پیچھے کرتی اس کے ماتھے اور گردن کو چیک کر کے بولی۔

"آپ پلیز ڈاکٹر کو کال کریں، میں تب تک اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی ہوں۔" آنٹی عجلت میں باہر نکل گئی اور مونا اس کے پاؤں اوپر کرتی اس پر کمبل ڈالنے لگی۔

☆☆☆

تین دن بعد اس کے بخار کا زور ٹوٹا، مگر نقاہت برقرار تھی، مونا اور آنٹی اس کا بے حد خیال کر رہے تھے، مونا بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی، مگر ریحام نے موقع نہیں دیا، بتانے کو تھا بھی کیا اس کے پاس ماسوائے کالک اور سیاہی کے، وہ خود سے نظریں چرا رہی تھی، پھر کسی اور کو کیا بتاتی اور سب سے اپنی حقیقت چھپانے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ اپنی پہچان سے شدید نفرت کرتی تھی، اس کی نظر میں ماما اسی دن مر گئی تھی، جب ان کی حقیقت سامنے آئی تھی، وہ حدید بھیا سے ضد کر کے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسلام آباد آ گئی اور یہاں یونیورسٹی میں B.S Managmant میں ایڈمیشن لے لیا، مگر یہاں پر بھی خوف کے سائے منڈلانے لگے، ڈھلتے سورج کی زرد

کرنیں افق پر پھیل کر منظر کو اداس بنا رہی تھیں، کبھی یہی موسم اس کے فیورٹ تھے مگر آج جانے کیوں وہ اداس ہو رہی تھی۔

''منی! تمہارا کزن آیا ہے۔'' آنٹی اسے اطلاع دے کر چلی گئیں۔

''کون؟ حسن!'' وہ چونک گئی اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی وہ نیچے آئی، جہاں حسن آرمی کے یونیفارم میں ملبوس اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''حسن! اوہ مائی گاڈ، تم اتنے ہینڈسم ہو، مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' وہ حسن کو آرمی یونیفارم میں دیکھ کر سب بھول بھال کر ایکدم پر جوش ہوئی، حسن نے شرارت سے کیپ اتار کر اس کے سر پر رکھ دی، ریحام نے جھٹ سے سلام کیا۔

''آئیں پلیز۔'' وہ گیسٹ روم کا دروازہ کھول کر بولی۔

''آئیں؟''حسن نے آئیں کو سوالیہ انداز میں کہا۔

''آئی مین، اب تو آپ کو عزت دینی ہی پڑے گی۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''زیادہ فارمل ہونے کی ضرورت ہیں، ہم دوست پہلے ہیں مائینڈ اٹ۔'' وہ یاد دانی کروانے لگا اور ریحام دھیرے سے مسکرا دی۔

''اب چلیں باہر؟''

''شیور، ویٹ میں آنٹی سے پوچھ کر آتی ہوں۔''

''تم چلو میں نے پرمیشن لے لی تھی۔''

''اچھا بیگ تو لیتی آؤں۔'' وہ گھور کر چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد کاندھے پر بیگ لٹکائی وہ باہر آئی۔

''ویسے تو تمہاری طرف سے ٹریٹ بنتی ہے، بٹ چونکہ تم میرے گیسٹ ہو تو آج میری......''

''کتنی فارمل ہو گئی ہو تم ریحا!'' وہ اس کے لئے فرنٹ ڈور کھول کر بولا۔

''ویسے یو ہیٹ آرمی، پھر کیسے جوائن کر لی؟'' وہ اچانک یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

''تاکہ جب کل میرے گھر ایک ننھی سی پری آئے تو اسے یہ غم نہ ستائے کہ اس کے پاپا......'' وہ شرارت میں ریحام کے زخموں پر نمک چھڑک گیا، مگر اس کے تاریک ہوتے چہرے کو دیکھ وہ ایکدم خاموش ہوا۔

''آئی ایم سوری اگر۔''

''اٹس اوکے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی اور کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی، حسن بات کر کے پچھتایا۔

''ریحام! ایک بات کہوں؟'' وہ تمہید باندھنے لگا۔

''شیور، پوچھ کیوں رہے ہو؟'' وہ جبراً مسکرائی۔

حسن نے دھیرے سے گاڑی سائیڈ پر پارک کی، کچھ دیر سامنے دیکھتے ہوئے جیسے وہ الفاظ ڈھونڈ رہا تھا، پھر گلا کھنکار کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ریحام! کیا تم اس...... میرا مطلب مجھ سے شادی کرو گی، اب تو تمہاری خواہش پوری ہونے کے بھی چانسز ہیں؟'' وہ اپنی بات کہہ کر پر امید نظروں سے اسے دیکھنے لگا، ریحام یک ٹک اس کا منہ دیکھتی رہی، دل میں یکدم گھپ سناٹا چھا گیا اور وہ بے بسی سے حسن کا منہ دیکھنے لگی۔

''آئی ایم سوری حسن، بٹ اب میری کوئی خواہش نہیں رہی۔'' کہتے ہی آنکھوں سے بے حساب آنسو بہہ نکلے۔

''کیا ہوا ریحام! تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ اس

کے آنسو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح پریشان ہو گیا۔
''کم آن ریحام، پلیز ٹیل می، کیا ہوا، میری کسی بات سے ہرٹ ہوئی ہو؟'' وہ اس کا ہاتھ دبا کر پوچھنے لگا، ریحام کا دل چاہا ہمیشہ کی طرح اپنے دل کا حال کھول کر بتا دے اور آنسو پونچھتے ہوئے وہ ساری بات اس کو بتانے لگی، سوائے اپنے جذبات کے جو وہ مجتبیٰ کے لئے اپنے دل میں رکھتی تھی، کیونکہ وہ اتنے پیارے دوست کا دل دکھانا نہیں چاہتی تھی۔
''اوہ ریئلی میں یہ سب روحاب سے توقع نہیں کرتا تھا۔'' وہ بھی پریشان ہو گیا۔
''حسن! ان سب کی وجہ سے میری زندگی برباد ہو رہی ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔
''مانتا ہوں جو ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا، بٹ پلیز تم اتنی ٹینشن نہ لو، ہر بندہ اپنے کیا کا جواب دہ ہوتا ہے تم اوروں کے لئے خود کو اتنا ٹارچر مت کرو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر سمجھانے لگا، ریحام نے دھیرے سے آنسو پونچھ لئے۔
''دیٹس لائیک اے گڈ گرل۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مسکرایا، ریحام کے دل کا بوجھ کچھ حد تک کم ہوا تھا۔

☆☆☆
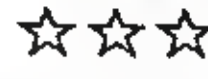
ایگزیمز کے بعد ان کے ڈیپارٹمنٹ والے دو دنوں کے لئے مری ٹرپ پر جا رہے تھے، ریحام کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر مونا اس کے موڈ کو خوشگوار کرنے کے لئے زبردستی اس کا سامان بھی باندھنے لگی، مری پہنچ کر اس کا موڈ کافی حد تک خوشگوار ہو گیا، آج انہوں نے ہیل اسٹیشن جانا تھا مگر گزشتہ رات مال پر کچھ ملک دشمن عناصر اور آرمی کے درمیان جھڑپ کی وجہ سے حالات ناسازگار ہو گئے تھے، میڈم فضیلت بہت پریشان تھیں اور سب کو ہوٹل سے باہر جانے سے بطور خاص روکا، ریحام لڑکیوں کی گفتگو سے جانے کیوں ڈسٹرب ہوئی، اسے لگا جیسے سب کو اس کی اصلیت کا پتہ ہے، وہ خاموشی سے اٹھی اور باہر چلی گئی، ہوٹل کی لابی سے گزرتے اسے ہوٹل کے گارڈ نے باہر جانے سے روکا، مگر وہ ان سنی کرتی ہوٹل سے باہر آ گئی، اسے لڑکیوں کی باتوں سے وحشت ہو رہی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی ایسی دنیا چلی جائے جہاں کوئی اسے نا جانتا ہو، تنہائی سے دور بھاگنے والی ریحام، ایکدم تنہائی پسند ہو گئی تھی، خیالوں میں گم، چلتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا، ہوٹل کی بلڈنگ بہت دور رہ گئی تھی، وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی، وہ جانتی تھی کہ میڈم فضیلت اسے بہت ڈانٹیں گئیں مگر ہوٹل جانے کی ہمت نہیں تھی، سو وہیں بیٹھی رہی ایکدم فضا میں فائرنگ کی تیز آواز گونجی اور ساتھ ہی آرمی موبائل کی تیز آواز نے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، وہ خوفزدہ ہو کر اٹھی اور ہوٹل کی جانب قدم بڑھا دیئے، اسی دوران پاک آرمی کے چند دستے اس کی نظروں کے سامنے سے گزرے، ایک بار پھر میجر مجتبیٰ کو سامنے دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا، اس کے ساتھ اس کا دوست بھی تھا جسے اس نے لاہور میں کالج سے واپسی پر دیکھا تھا، وہ میجر مجتبیٰ کی گھورتی نظروں کو اس نے بخوبی محسوس کیا، مگر وہ نظر انداز کر کے جانا چاہتی تھی، مگر وہ یکدم گاڑی روک کر تیز قدموں سے اس کی طرف لپکا۔
''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ انتہائی غصیلی آواز سے بولا، ریحام اس کے آپس میں بھینچے ہوئے جبڑے دیکھ کر خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔
''وہ...... میں...... یونہی۔'' اسی سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی، چٹاخ کی زناٹے دار

آواز کے ساتھ مجتبیٰ کا بایاں ہاتھ اس کے نرم و نازک رخسار پر اپنی انگلیوں کے نشانات بنا گیا، وہ سنبھل نا پائی اور لڑکھڑا کر گر پڑی۔

''مجتبیٰ! پلیز ڈونٹ فارگٹ کہ یہ فی میل ہے۔'' میجر جنید صدیقی ایک نظر نیچے گری ریحام پر ڈال کر مجتبیٰ کا بازو پکڑنے لگا۔

''میں اسے اس طرح رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا، اب اسے قانون کی گرفت سے کوئی نہیں بچا پائے گا۔'' وہ جنید کی طرف دیکھ کر بولا، ریحام کو اپنا جبڑا ٹوٹتا محسوس ہوا، دور کھڑے حسن نے بے یقینی سے یہ منظر دیکھا اور گاڑی سے اتر کر بھاگتا ہوا آیا اور نیچے گری ریحام کو اٹھانے لگا۔

''سر! آپ کو شاید کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہے یہ ایسی نہیں ہے میں جانتا......''

''اس کے ریفرنس سے شاید، تمہیں بھی جاب سے ہاتھ دھونے پڑیں۔'' وہ حسن کو گھورتا آگے بڑھا، حسن بے بسی سے ہونٹ کاٹتا ریحام کو دیکھنے لگا۔

''چلو لے آؤ اسے۔'' وہ دوسرے جوانوں کو اشارہ کر کے دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''حسن!'' وہ خوفزدہ ہو کر حسن کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی، میجر جنید کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے، اس کے گال پر انگلیوں کے نشان دیکھتا مڑ گیا، دل پتہ نہیں کیوں اس کی معصومیت کی گواہی دے رہا تھا۔

''گھبراؤ مت، میں ہوں ساتھ۔'' حسن اسے خود سے الگ کر کے بولا، وہ حسن کا بازو مضبوطی سے تھامے خوفزدہ نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

''چلیں میڈم۔'' تین مسلح فوجی اس کی طرف بڑھے، ان میں سے ایک اسے حسن کے بازو سے الگ کر کے آگے دھکیلنے لگا۔

''آپ پلیز میری بات تو سنیں۔'' وہ مدد طلب نظروں سے ان کو دیکھ رہی تھی، حسن کنپٹیاں رگڑتا دوسری گاڑی کی طرف بڑھا۔

''حسن!'' وہ رونے لگی، حسن کے دل کو کچھ ہوا۔

''کچھ نہیں ہوگا ریحام! تم چلو ان کے ساتھ، میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے بغیر بولا اور تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا، وہ آنسو روکتی مختلف آیات کا ورد کرنے لگی، فائرنگ پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی، اس کا دل خوف سے کانپ رہا تھا، گاڑی ایک پہاڑی ڈھلوان کے قریب رکی اور فوجیوں کے ہمراہ باہر نکل آئی، چاروں طرف آرمی ہی آرمی تھی، جو ہر طرف سے دہشت گردوں کو گھیرے ہوئی تھی، اس کی نظر ایک سفید رومال پوش پر پڑی اسے پہچان کر دنیا گول گول گھومنے لگی، اسے لگا سارے پہاڑ اس کے سر پر آ گرے ہیں۔

سائیں سائیں کرتے کانوں میں اردگرد کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی، دونوں طرف سے فائرنگ جاری تھی، اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے ساتھ کھڑے ایک سپاہی کو گرتے دیکھا اور اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتی وہ گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی، اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، سوائے اس سفید رومال والے چہرے کے، اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا، حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے، مگر بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے پاس گرا ہوا گن اٹھایا اور اردگرد کی پروا کیے بغیر اس سفید نقاب پوش کا نشانہ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''ڈراپ دی گن۔''

''ڈونٹ فائر۔'' اس کے کانوں میں مختلف

آوازیں آ رہی تھیں، مگر وہ بے بغیر ایک ساتھ فائر کرنے لگی۔

''تم ہی!'' ایک بے یقین سی آواز اس کے کانوں میں پڑی، آنکھیں کھولنے پر اس نے اس سفید نقاب پوش کو گرتے دیکھا اور پھر نظر دھندلا گیا، پسٹل اس کے ہاتھ سے پھسل کر ایک جانب گر گیا اور اپنے سن ہوتے ذہن کے ساتھ اس نے اللہ اکبر کے نعرے سنے، آنسو بے اختیار گالوں پر بہہ نکلے، فائرنگ ابھی بھی جاری تھی، کئی گولیاں اس کے نازک بدن کے آر پار ہوئیں، مگر اسے ہوش نہیں تھا، اسے دکھ اس بات کا تھا کہ اس کا بھائی بھی اس کا مان نہ رکھ سکا۔

''ریحا......م!'' حسن کی آواز بہت دور سے آتی سنائی دی اور پھر وہ ایک طرف لڑھک گئی۔

☆☆☆

حدید اور ریحام کے زخمی ہونے کی اطلاع اسے بھی مل چکی تھی، وہ بے یقینی سے ریسیور کو تھامے سامنے دیکھے گئی، دونوں کی حالت بہت نازک تھی، وہ رونا چاہتی تھی، چلانا چاہتی تھی، مگر۔

''ماما! کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے نا۔'' روحاب کے جھنجھوڑنے پر وہ ہوش میں آئیں ریسیور اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہیں بیٹھتی چلی گئیں۔

کیپٹن سکندر آفندی طبیعتاً لالچی اور خود غرض تھے دولت کی چکا چوند نے ہمیشہ اسے متاثر کیا تھا، وہ بزنس کی دنیا میں ایک نام و شہرت کمانا چاہتے تھے، مگر اپنے والد فردوس آفندی، کے بے حد اسرار پر اس نے مجبوراً پاک آرمی جوائن کر لی، جہاں اس کی ملاقات اپنے سینئر کیپٹن مصطفیٰ گردیزی سے ہوئی، جو اپنے والد ریٹائرڈ بریگیڈیر مرتضیٰ گردیزی کے نقش قدم پر آرمی میں آئے تھے، یہ پہلی ملاقات دونوں کے درمیان دوستی کا باعث بنی اور طبیعتوں میں تضاد کے باوجود، وقت کے ساتھ ساتھ ان کی دوستی گہری ہوتی گئی اگرچہ سکندر کا کوئی خاص شوق نہیں تھا آرمی، مگر اپنی ذہانت اور قابلیت کے بل بوتے پر وہ ہر کام بخوبی سرانجام دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ جلد ترقی کے منازل طے کرتے کیپٹن ہوئے اور اس کے والد نے اس کی شادی اپنے دوست کی بیٹی مباحت سے کر دی، جو متوسط گھرانے کے تعلق رکھتی تھی، اس کے والد محی الدین ایک ایماندار کلرک تھے، جس کی محدود آمدنی سے مباحت کے بچپن کے خوابوں کی تعبیر ناممکن تھی، اسے بچپن سے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا، مگر باپ کی آمدنی سے اس کے خواب کے پورے ہونے کے کوئی امکانات نہ تھے، اپنے شاندار تعلیمی کیریئر کے ساتھ اس نے کہیں جگہ اسکالرشپ کے لئے اپلائی کیا مگر اس کی قابلیت کو سراہنے والا کوئی نہ تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کی غربت سے نفرت بڑھتی گئی اور دل میں شدت سے دولت کے حصول کی خواہش ابھری، ان ہی دنوں فردوس انکل نے اپنے بیٹے کا رشتہ دیا اور ساتھ میں یہ آفر بھی رکھ دی کہ وہ شادی کے بعد صباحت کی میڈیکل کا سارا خرچہ اٹھائیں گے، بات طے ہوگئی اور اگلے چند ماہ میں وہ رخصت ہو کر آفندی ولا آ گئی، شادی کے دوسرے مہینے سے اس کی اسٹڈی کا سلسلہ جاری ہوا، وہ دن رات محنت کر کے پڑھتی رہی، شادی کے ڈیڑھ سال بعد اس کے نا چاہتے ہوئے حدید ان کی زندگی میں آیا، جو پیدا ہوتے ہی آیا اور فردوس کے سائے تلے بڑھتا رہا، وہ کامیابی سے دو سال پورے کرتے ہوئے تیسرے سال میں تھی، جب اس کے سسر کی وفات ہوگئی اور حدید صرف آیا تک محدود رہ گیا، حدید کے چار سال بعد فرجام اور فرجام کے تین

سال بعد ریحام اور روحاب اکٹھی اس دنیا میں آئیں، اس دوران اپنا اسپیشلائزیشن بھی کمپلیٹ کرنے کے لئے بہترین جاب پر تھی۔

انہی دنوں سکندر کی ملاقات عبدالجبار نامی شخص سے ہوئی، باتوں باتوں میں عبدالجبار کو اس کی عیاش اور لالچی طبیعت کا اندازہ ہو گیا اور کافی سوچ بچار کے بعد اس نے اس کے سامنے ایک پرکشش پیشکش رکھی، جی، ایچ، کیو کے آفس سے ایک فائل نکلوانے کے عوض دس کروڑ کی پیشکش کی تھی کام اگرچہ کافی مشکل تھا، مگر پیشکش اتنی پرکشش تھی کہ وہ منع نہ کر پایا اور ہاں کر دی۔

اسی دوران میجر مصطفیٰ کو جانے کیسے اس کے ارادوں کی بھنک پڑی تو اس پر گہری نگاہ رکھنا شروع کر دی، وہ اس کے متعلق اپنے سینئر آفیسرز کو بتانا چاہتے تھے، مگر اس سے پہلے سکندر آفندی فائل نکال چکے تھے مصطفیٰ نے پیچھا کیا اور اسے روکنے کے لئے کئی فائر کیے مگر وہ گولی لگنے کے باوجود بھاگ نکلا، اس کا سیل فون بھی بھاگتے ہوئے گر گیا تھا، شدید زخمی حالت میں بھی وہ ڈیفنس ایریا نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا، میجر مصطفیٰ اس کے سیل فون کے ذریعے عبدالجبار تک پہنچ گیا، مزاحمت کے دوران عبدالجبار مارا گیا اور چند دیگر ساتھی گرفتار ہوئے، مگر عبدالغفار بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اسی دوران پاک آرمی اور پولیس نے صباحت کا جینا حرام کر دیا، اس کی گورنمنٹ جاب چلی گئی تھی اور گھر کی کڑی نگرانی کروا ہی گئی تھی، سکندر کو گئے دو ماہ سے اوپر ہو گئے تھے، کوئی اتہ پتہ نہیں تھا، شوہر کے بچھڑنے کا غم ایک طرف اور پر سے آرمی والوں کی تفتیش، وہ زندگی سے تنگ آ چکی تھی، دو ماہ تک اس کے گھر اور گھر والوں کی نگرانی کی جاتی رہی، مگر جب دو ماہ تک کوئی رابطہ نہ کیا سکندر کا تو آرمی والوں نے

اس کا پیچھا چھوڑ دیا، ان کی گمشدگی کے ٹھیک چھ ماہ بعد صباحت کو ایک پارسل موصول ہوا، جس میں سکندر کا خط اور ایک بلیو فائل تھی، خط سے پتا چلا کہ اس کا شوہر مر چکا ہے، شوہر کی موت نے اسے بالکل نڈھال کر دیا اور وہ آرمی سے مزید بدظن ہوئی، سکندر کے بعد اس نے خود کو سنبھالا اور نئے سرے سے زندگی کا آغاز کیا، اس سلسلے میں اس کی بہن اور بہنوئی حماد علی نے کافی اسپورٹ دی، وہ اپنا گھر بیچ کر بہنوئی اور بہن کے برابر میں گھر لے کر وہاں شفٹ ہو گئی، حالات نے اسے اتنا سخت دل بنا دیا تھا کہ وہ مسکرانے کے ہنر سے بھی نا آشنا ہو گئیں، آرمی سے نفرت اس کی برقرار تھی اور وہ فائل اور خط اس نے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔

اس کے بچوں میں ریحام کو آرمی سے محبت و عقیدت تھی، یہی وجہ تھا کہ صباحت کا رویہ انجانے طور پر ریحام سے بہت سخت تھا۔

حدید کو بھی آرمی بہت پسند تھی، مگر صورت حال اس کے سامنے تھی، وہ آرمی جوائن کرنا چاہتا تھا، مگر ماں کی مخالفت مول لینے کا حوصلہ نہ تھا اس میں، اس نے ماں کو بتائے بغیر اس نے آئی ایس آئی ڈیپارٹمنٹ جوائن کر لیا اور عبدالغفور گینگ کو بھی، اس کا مقصد ان کی چند اہم انفارمیشن تک رسائی حاصل کرنا تھا، انارکلی بازار میں بلاسٹ ہونے کی اطلاع بھی حدید نے دی تھی آرمی کو، جس کی وجہ سے وہ عبدالغفور کی نظروں سے مشکوک ہو گیا اور اگلا بلاسٹ اس کی آزمائش کے لئے شہر کے مضافات میں کرنا پلان کیا گیا، اس نے عبدالغفور کا اعتماد جیتنے کے لئے اگلا بلاسٹ ہونے دیا اور عبدالغفور کا اعتماد جیت لیا، اسی دوران اس کی رسائی چند اہم معلومات تک ہو گئی، وہ ان معلومات کو لے کر جلد کوئی اقدام اٹھانے

ڈالا تھا، اسی دوران عبدالغفور نے اسے خالد کے ہمراہ مری بھجوا کر اس کا کام مزید آسان کر دیا، اس نے کرنل مصطفیٰ گردیزی کو فون کر کے کوڈ ورڈنگ میں ساری بات بتا دی اور اپنے اگلے ٹارگٹ کے متعلق بھی انفارم کر دیا تھا، حدید کی وجہ سے عبدالغفور کا تمام گینگ نہ صرف پکڑا گیا بلکہ ان کی تمام انفارمیشن بھی پاک آرمی کو مل گئیں۔

☆☆☆

وہ اور جنید آفس میں بیٹھے ڈسکشن کر رہے تھے کہ پیون نے کسی روحاب کے آمد کی اطلاع دی، وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''روحاب؟''

پیون کو اسے اندر لانے کا اشارہ کر کے میجر مجتبیٰ نے حیرت سے میجر جنید کو دیکھا، جو اسی کی طرح شش و پنج کا شکار تھا، تھوڑی دیر بعد وہ پیون کے ہمراہ اندر آئی اور دونوں اپنی جگہ سن رہ گئے، وہ کوئی خواب تھا یا الوژن؟ دونوں یک ٹک سامنے کھڑی ہستی کو دیکھے گئے۔

''ریحام!'' میجر مجتبیٰ شاک کے عالم میں اپنی سیٹ سے اٹھ بیٹھا، جبکہ میجر جنید بے یقینی سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا، وہ دونوں کے حیرت بھرے چہرے دیکھ کر شرمندہ ہوئی اور دھیرے سے سر جھکا لیا۔

''سوری سر! میرا نام روحاب ہے اور میں ریحام......''

''آپ وہ ہیں ناں جو میرے ساتھ، آئی مین جس نے مجھ سے کرنل مصطفیٰ گردیزی کا ایڈریس مانگا تھا؟'' جنید اس کی بات کاٹ کر کنفیوز انداز میں بولا۔

''جی!'' وہ دھیرے سے کہہ کر ہونٹ کاٹنے لگی اور پھر سر اٹھا کر دونوں کو دیکھا پھر میجر جنید کی طرف دیکھ کر بولی۔

''بٹ جس سے آپ نے دوستی کی تھی، وہ میں نہیں ریحام ہے، وہی ملی ہو گی آپ کو اس دن کالج کے......''

''واٹ؟'' وہ ایکدم چلایا۔

''آپ نے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا، او گاڈ، کیا ہو رہا ہے یہ؟'' وہ پریشانی سے ماتھا سہلا کر ٹہلنے لگا۔

''میں بتانا چاہتی تھی بٹ آپ نے اسٹارٹ میں موقع نہیں دیا اور جب بعد میں مجھے جب آپ کے جذبات کا پتا چلا تو میں بہت خوفزدہ ہو گئی تھی، میری ماما آرمی کو ناپسند کرتی تھیں اور میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ کا سامنا ماما یا ریحام سے ہو، اس لئے میں نے آپ کو۔'' آنسو پلکوں کی باڑ کراس کر کے گالوں پر پھسل آئے، دونوں بے یقینی سے اسے سن رہے تھے۔

''میں نے پہلے آپ سے محبت کا دعوا کیا اور بعد میں آپ سے پیچھا چھڑانے اور خود سے بدظن کرنے کے لئے میں نے آپ سے مصطفیٰ گردیزی کا ایڈریس مانگا، میں جانتی تھی کہ آپ کبھی بھی نہیں دیں گے اور مشکوک ہو کر میرا پیچھا چھوڑ دیں گے، مگر میں نہیں جانتی تھی کہ ان سب کی وجہ سے میری بہن ریحام مصیبت میں پھنس جائے گی اور وہ......'' وہ آنسو پونچھ کر سانس لینے کو رکی۔

''مگر اس نے تو اس دن اپنا نام روحاب ہی بتایا تھا۔'' جنید الجھتے ہوئے بولا۔

''میں نہیں جانتی اس نے ایسا کیوں کیا تھا لیکن۔''

''ٹھیک ہے مان لیا، اب آپ کیا چاہتیں ہیں ہم سے؟'' میجر مجتبیٰ نے اس کی بات کاٹ کر

سختی سے پوچھا۔

''میں صرف آپ سے ریکوسٹ کرنے آئی تھی کہ پلیز آپ لوگ میرے کیے کی سزا اسے نہ دیں، وہ بہت معصوم ہے، وہ کبھی کسی کا دل نہیں دکھاتی اور اسے دھوکے باز لوگوں سے نفرت ہے، میں اس سے ملنا چاہتی ہوں، بات کرنا چاہتی ہوں، مگر میں جانتی ہوں کہ وہ میری شکل بھی دیکھنا گوارہ نہیں کرے گی، اس دن جب آپ نے اسے میرے بارے میں بتایا تھا تب وہ فون کر کے مجھ پر خوب برسی تھی اور اس کے بعد سے وہ میری کسی کال کو پک نہیں کرتی۔'' وہ اپنی بات ختم کر کے دونوں کی طرف دیکھنے لگی، میجر جنید کا چہرہ سپاٹ تھا جبکہ مجتبیٰ اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔

''آئی ایم سوری، میں نے آپ کو ہرٹ کیا، آپ پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' وہ میجر جنید کی طرف آس بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''Now you may go اب آپ جا سکتی ہیں۔'' مجتبیٰ اسے باہر کا راستہ دکھاتے غصے سے بولے۔

وہ ایک دھندلی، آنسوؤں سے بھری نظر سر جھکائے جنید پر ڈال کر مڑ گئی، اس کے براؤن کمر تک آتے بال دیکھ کر مجتبیٰ کی نگاہوں میں ریحام کے بلیک شولڈر کٹ بال لہرائے۔

''شی از مائی ٹوین، (یہ میری جڑواں ہے)۔'' ریحام کی آواز اس کے کانوں میں گونجی اور دل پر ایک انجانا سا بوجھ در آیا، وہ ایک نظر گم صم بیٹھے جنید پر ڈال کر اٹھ گیا اور گاڑی کی چابیاں اٹھاتا، تیز قدموں سے باہر نکل گیا، جنید نے سر ٹیبل سے ٹکا دیا۔

''واہ آرمی، یو نو سر اگر جان بھی دینی پڑے تو انکار نہیں۔'' ریحام کے الفاظ اسے یاد آ رہے تھے، دل میں درد کی بے شمار ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

☆☆☆

پورے تین دن بعد اسے آج ہوش آیا تھا اور خالی خالی نظروں سے ساتھ کھڑے ڈاکٹر اور نرس کو دیکھا، جو اس کا ڈرپ چیک کر رہے تھے، اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے تھے، پانی کی شدید طلب ہو رہی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' اسے آنکھیں کھولے دیکھ کر نرس اس پر جھکی۔

''پ...... پا...... نی۔'' وہ خشک ہونٹوں پر لب پھیرتی بمشکل بولی، نرس نے پانی کا ایک چمچ اس کے منہ میں ڈالا، اس کا حلق تھوڑا سا تر ہو گیا مگر پانی کی طلب شدید تھی، ڈاکٹر اس کی کنڈیشن کو دیکھتے ہوئے باہر جانے سے پہلے نرس کو چند ہدایات دینے لگے، جیسے وہ بغور سنتی سر ہلانے لگی۔

''سسٹر! پلیز آپ ک...... ک...... کرنل...... گر...... ڈیڈی کو بلوا دیں۔''

''جی بہتر، آپ تھوڑا آرام کریں میں بلاتی ہوں۔'' نرس فوراً باہر نکل گئی اور اس نے دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں اور بے شمار آنسو ایک ساتھ بہہ نکلے، قدموں کی چھاپ سن کر اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں، مگر سامنے کا منظر دھندلا رہا تھا وہ بائیں ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑ کر صاف کرنے لگی، میجر مجتبیٰ ایک بار پھر سامنے تھے، اس نے فوراً آنکھیں موندھ لیں اور خشک ہونٹوں کو تر کرتی اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول دیں، مجتبیٰ اس کے چہرے کو بغور پڑھ رہا تھا۔

''میرے پاس اپنی صفائی کے لئے الفاظ نہیں ہیں، بٹ بلیو می میں ان سب سے انجان تھی اور......'' وہ ایک پل کو رکی اور اپنی سانسیں

ہموار کرنے لگی۔

''میرے پاس ایک امانت ہے، جسے میں محفوظ ہاتھوں تک پہنچانا چاہتی تھی، اب میرے پاس وقت نہیں ہے، آپ پلیز میرے ہاسٹل روم سے بلیک لیدر بیگ میں ایک بلیو فائل ہے، وہ لے لیں بہت مشکور رہوں گی۔'' وہ کہتے ہی آنکھیں بند کرنے لگی، میجر مجتبیٰ چند پل اس کو بغور دیکھتے رہے اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھر کر چلے گئے، اس کے جانے کے بعد ریحام نے ایک لمبی سانس لی اور سکون سے آنکھیں موندھ لیں، مجتبیٰ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد حسن آیا۔

''کیسی طبیعت ہے اب؟'' وہ اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کر گلو گیر لہجے میں پوچھنے لگا۔

''میں ٹھیک نہیں ہونا چاہتی حسن!'' آنسو ایک بار پھر لڑیوں کی صورت بہہ نکلے۔

''ایسا مت کہو پلیز، تمہیں کچھ نہیں ہو گا، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی، تم پلیز اپنی ول پاور کو یوز کرو اور نارمل لائف۔'' اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ریحام نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''Gorget me حسن! ایسے جیسے وہ تھی ہی نہیں۔'' وہ نقاہت سے بولی اور دھیرے سے لبوں پر زبان پھیر دی، حسن اس کی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''حسن!'' وہ اس کا ہاتھ ہلا کر متوجہ کرنے لگی، حسن آنکھیں صاف کر کے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''جی بولو۔'' آواز بہت بھاری تھی۔

''ایک پرامس کرو گے مجھ سے؟'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی اور حسن نے اپنے کپکپاتے ہونٹ آپس میں بھینچ کر سر اثبات میں ہلا دیا، گلے میں آنسوؤں کے گولے اسے بولنے نہیں دے رہے تھے۔

''تم کبھی...... اپنے بچوں کو حدید، ریحام اور روحاب مت بننے دینا، تم کبھی بھی اپنی ریحام کے خواب نہیں اجاڑو گے اور نا ہی اس ملک کو کوئی دھوکہ دو گے، پلیز پرامس۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان مشکلوں سے بول رہی تھی، حسن نے بہتی آنکھوں سے صرف سر ہلا دیا تھا اور دھیرے سے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا لیا۔

''حسن! میرے مرنے کے بعد، ماما، روحاب کسی کو بھی......'' اس سے پہلے کہ وہ بات پوری کرتی، دروازہ ناک ہوا اور کرنل مصطفیٰ گردیزی اندر داخل ہوئے، ریحام نے شرمندہ ہو کر فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

''کیسی طبیعت ہے بیٹا؟'' وہ اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بہت پیار سے پوچھ رہے تھے، ریحام نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں اور آنسو روکتی بس دھیرے سے سر ہلاتے ہوئے کرنل مصطفیٰ کو دیکھنے لگی۔

''حوصلہ مت ہاریں، کچھ بھی نہیں ہو گا آپ کو، آپ تو بہت بہادر بیٹی ہیں اس قوم کی ہوں۔'' وہ اس کا گال دھیرے سے تھپتھپا کر مسکرائے اور دھیرے سے سیل فون نکال کر کچھ بٹن پش کیے اور سیل اس کی جانب بڑھا دیا۔

''بات کر لیں اپنے بھائی حدید سے۔''

کرنل انکل کی بات سن کر وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی اور سختی سے آنکھیں بھینچ کر زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''بیٹا! حدید وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں، وہ بھی آپ کی طرح ایک بہت بہادر اور پیارا بچہ ہے، جس نے دشمنوں کے اندر رہ کر اس وطن کی حفاظت کی ہے اور وہ......'' ریحام پھٹی پھٹی نگاہوں سے کرنل انکل کے ہلتے ہونٹ اور پاس

کھڑے حسن کو دیکھنے لگی، کرنل نے دھیرے سے فون اس کے کان سے لگا دیا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے حدید کی کمزور سی آواز ابھری۔

''ہیلو ریحام! ہنی میری جان۔'' دل کے جانے کتنے ٹکڑے ہوئے تھے۔

''ریحام! مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں، تم نے وہ کیا جو محب وطن بندہ کرتا ہے، مجھے تم پر فخر ہے ریحام، لیکن پلیز تم یہ کبھی مت سمجھنا کہ تمہارے بھیا اور ماما نے کبھی اس ملک کو دھوکہ دیا ہے۔'' وہ خاموشی سے سانس روکے سنتی رہی۔

''میں جانتا ہوں تم اس فائل کے متعلق سوچ رہی ہوگی۔'' کتنا زبردست اندازہ تھا اس کے بھیا کا، وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی آواز روک رہی تھی۔

''ہنی! اگر ماما غلط ہوتیں تو وہ فائل اپنے پاس رکھنے کی بجائے کب کی عبدالغفار کے ساتھیوں کو تھما کر دس کروڑ لے لیتی، مگر بظاہر سخت ہونے کے باوجود بھی ان کے ضمیر کو یہ سب گوارہ نہ تھا اور۔'' وہ مزید نہ سن پائی اور سیل فون اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

''یہ میں نے کیا کر دیا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''بھیا۔'' وہ زور سے چلائی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ڈاکٹرز نے اندر آ کر اسے سکون کا انجکشن دیا اور وہ آہستہ آہستہ غنودگی میں جانے لگی، مگر اس کی بڑبڑاہٹ ابھی بھی برقرار تھی۔

''پلیز کوئی میرے بھیا کو بچا لو، پلیز کوئی بچا لو۔'' حسن خود پر کنٹرول ختم ہوتے دیکھ کر باہر نکل گیا، جبکہ کرنل مصطفیٰ بھی تاسف سے سر ہلاتے اسے دیکھنے لگے۔

☆☆☆

بلیک لیدر بیگ کھولتے ہی اس کی نظر بلیو فائل پر پڑی، وہ اٹھا کر کھولنے لگا، جس میں عبد الجبار اور اس کے بھائی عبدالغفار کے خلاف قتل کے مقدمات تھے اور دیگر غیر قانونی کاموں کا ریکارڈ تھا، وہ فائل ایک طرف رکھ کر بیگ کو کھول کر دیکھنے لگا، اس کی نظر ایک میرون ڈائری پر پڑی اور اٹھا کر دھیرے سے کھول دی، ڈائری پڑھنے کے ساتھ وہ زندہ درگور ہو رہا تھا۔

کتنی ایموشنل اور محب وطن تھی وہ لڑکی، جسے جانے وہ کیا کیا سمجھتا رہا تھا، وہ ڈائری بند کرنا چاہتا تھا مگر اپنا نام دیکھ کر وہ بے ساختہ رک گیا۔

''میجر مجتبیٰ اس نے کبھی مجھ سے نرمی سے بات نہیں کی، ہمیشہ بہت روڈلی بولتا ہے، مگر جانے کیوں دل اس کی طرف مچلتا ہے، خدا نے محبت بھی کروائی تو کس سے جو محبت تو کیا شاید نفرت بھی نہیں کرنا چاہتا مجھ سے۔'' وہ تاسف سے سر ہلاتا آگے کے صفحات کھولنے لگا۔

''آج اسے اس کی کزن کے ساتھ پارٹی میں ہنستے دیکھ کر اس پاگل دل کا کیا کروں، جو پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتا ہے، وہ میرا نہیں ہے، نو پرابلم، بٹ وہ ثمرہ یا کسی اور کا ہو جائے، اس دل کو گوارہ نہیں۔'' وہ پیچھے کے صفحات دیکھنے لگا، اس کی بے شمار تحریریں تھیں، مگر اس میں مزید پڑھنے کی ہمت نہیں تھی، سو ڈائری ٹیبل پر پھینک کر وہ گرنے والے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا اور جوتے سمیت دراز ہو گیا، اسے پہلی بار اپنے رویے پر افسوس ہوا تھا، وہ اس کا ازالہ کرنا چاہتا تھا، مگر ریحام کو فیس کرنے کی ہمت نہیں تھی اس میں، وہ آنکھیں موندھ گیا مگر بند آنکھوں کے پردے پر چھم سے اس کی تصویر اتر آئی، اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں اور سرد آہ بھر کر اٹھ بیٹھا، فائل اور ڈائری الماری میں رکھ کر وہ باہر نکل

آیا، ماما اس کی طرف آ رہی تھیں۔

''بیٹا ہنی کیسی ہے اب؟''

''میں جا رہا ہوں اسے دیکھنے، آپ بھی چلیں ساتھ۔'' وہ جبراً مسکرا کر بولا۔

''شیور میں خود بھی کہنے آئی تھی آپ کے پاس۔'' وہ کہہ کر اس کے پیچھے چل پڑیں، گاڑی میں بیٹھے وہ دونوں ریحام کے بارے میں سوچ رہے تھے، مجتبیٰ کی نظروں میں بار بار اس کا معصوم چہرہ گھوم رہا تھا، وہ نادان اس کے برے رویے کے باوجود بھی اس سے محبت کر بیٹھی تھی، وہ سوچوں میں گم تیزی سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔

کوریڈور میں پہنچتے ہی اسے کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا اور تقریباً دوڑتے ہوئے اپنے مطلوبہ روم کی طرف بڑھا، مگر اندر کا منظر دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا۔

اسٹریچر پر سفید کپڑے کے نیچے یقیناً اس کی ڈیڈ باڈی تھی، ڈاکٹرز اسٹریچر گھسیٹتے ہوئے باہر لا رہے تھے، اس کی نظر حسن پر پڑی جو دیوار سے ٹیک لگائے بچوں کی طرح رو رہا تھا، اس کی اپنی ماما اسے یوں بے جان دیکھ کر بے حال ہو رہی تھیں، اپنی ماں کو گلے سے لگائے اس کی آنکھوں سے بے شمار آنسو نکل آئے جو اس کی ماں کے بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔

☆☆☆

وہ جنید کے ہمراہ اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے آیا، آج اس کا چہلم تھا، دور سے ہی اس کی قبر پر نظر پڑتے ہی اس کے دل میں وحشت طاری ہو رہی تھی، دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا، اس کے قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے، مگر وہ خود گھسیٹتا آگے بڑھ رہا تھا، اس کی قبر پر گلاب کی تازہ پتیاں بکھری ہوئی تھیں اور اگربتی کی خوشبو چار سو پھیلی ہوئی تھی، فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے اس کے لب کپکپا رہے تھے، آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر اس کی ہتھیلی میں آ گرے، اس نادان اور چلبلی سی لڑکی کی محبت کب اس کے دل میں پیدا ہوئی، وہ بالکل بے خبر تھا، دل میں درد کی ٹیس اٹھ رہی تھیں، اس نے ہچکیوں کے ساتھ کسی کو روتے سنا اور سر اٹھا کر جنید کو دیکھا، وہ آنکھیں بند کیے فاتحہ پڑھنے میں مصروف تھا، اس نے مڑ کر دیکھا، لیفٹننٹ حسن اس کی قبر پر سر رکھے بچوں کی طرح رو رہا تھا، میجر مجتبیٰ نے خود کمزور پڑتے محسوس کیا، وہ نادان لڑکی زندگی ہار کر بھی بازی جیت چکی تھی اور نمکین آنسوؤں کے گولے گلے کو تر کر رہے تھے اس نے بے اختیار اس کی قبر کو سلوٹ کیا، چاروں طرف فیض کے اشعار گونج رہے تھے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا
وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے
اس جان کی کوئی بات نہیں
میدان وفا دربار نہیں
کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے
جو چاہو لگا دو ڈر کیسا؟
گر جیت گئے تو کیا کہنا؟
ہارے بھی تو بازی مات نہیں!

☆☆☆

بچھڑنا بھی ضروری تھا

ہما راؤ

تیسری اور آخری قسط

صبح سو کے اٹھی تو بارش کا موسم تھا، اس کا موڈ بے حد خوشگوار ہو گیا تھا، وہ بچپن سے اس موسم کی دیوانی تھی، کچھ دیر بعد وہ تیار ہو کر اپنی ڈیوٹی پر چلی گئی، میڈم کے گھر پہنچی تو ملازمہ رشیدہ نے بتایا، سب سو رہے ہیں، رات دیر تک جاگے تھے، وہ اخبار لے کر میڈم کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر لان میں آئی، موسم کی دلفریبی کے احساس سے وہ لان میں بیٹھ گئی، سیاہ سرمئی رنگ کے ڈھیر سارے بادل، زمین و آسمان کا بدلا ہوا معطر رنگ، خوشبو دار ہوا اور انتہائی باریک بوندوں کی سرسراتی چادر۔

''اللہ! بارش ہو رہی ہے۔'' مومنہ نے خوشی سے سوچا، موسم کی سحر انگیزی نے اسے سب بھلا دیا تھا، بوندیں بہت ہلکی اور کبھی کبھار محسوس ہو رہی تھی، عمر ولید سو کر اٹھا، آج کا شیڈول بہت

ناولٹ

بزی تھا، نہا کر چینج کر کے آیا، ملازمہ نے بلیک کافی اسے لا کر دی، اک عرصے سے گھر کے ملازم عمر ولید کی روٹین سے آگاہ تھے۔

میڈم ابھی تک سو رہی تھی، دیر تک جاگنے کے باعث ان کا بی پی گڑ بڑ کر رہا تھا، رات میڈیسن بھی نہیں لی تھی، وہ کافی کا کپ لے کر ٹیرس پر آیا، اچانک اس کی نظر لان میں موسم کا لطف اٹھاتی مومنہ پر پڑی وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

مومنہ نے ہاتھ پھیلا کر بوندوں کو اپنی گلابی ہتھیلی میں سمیٹا۔

برستی بارش تھی اور خاموشی، اس کی گرفت میں ایک نازک بھیگا سا لمحہ تھا وہ اس کے سامنے تھی جو بے خبری میں اس کی زیست کا عنوان بن گئی تھی۔

''کاش میں یہ لمحہ چرا لوں۔'' ایک شدید خواہش عمر ولید کے دل میں جاگی تھی۔

باحیثیت، بااختیار ہر طرح کے جاہ جلال، حشمت دولت کے باوجود عجیب سی لاتعلقی، بے نیازی اس کی شخصیت میں چھلکتی تھی، اس عزت، مرتبے، روپے پیسے کے باوجود اپنی ذات میں گم، اصول پسند تھا، دھن دولت سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔

یہ عمر ولید تھا، سارہ ولید کی اکلوتی اولاد، کسی دلفریب خیال نے لبوں پہ دلکش مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

مومنہ بدستور خود میں مگن تھی، اس کی بے نیازی عمر ولید کو بھلی لگ رہی تھی۔

ٹپ...... ٹپ موٹی موٹی بوندیں ٹپکیں اور وہ بھاگ کر ٹیرس کے نیچے آن کھڑی ہوئی تھی، وہ مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا، اس کی کالی میں بوندیں گر رہی تھیں، وہ بھیگ رہا تھا۔

بال پیشانی سے چپک گئے تھے مگر وہ جیسے ہر احساس سے عاری ہو چکا تھا، سارے جذبے سمٹ کر آنکھوں میں سمٹ آئے تھے، اسے لگ رہا تھا، جیسے ساری دنیا میں بس اس کا چہرہ ہے، وہ اک چہرہ جو ساری کائنات تھا، وہ لان سے کب کی جا چکی تھی، اسے کھڑے کافی دیر ہو گئی تھی۔

آج کا دن اس کے لئے بہت اہم تھا، آج اسے آفس میں کچھ خاص لوگوں سے ملنا تھا، ایک دو جگہ کام کے سلسلے میں جانا تھا، وقت کم اور کام زیادہ تھا، مگر وہ سب بھول گیا تھا، اسے کہاں جانا تھا، کس سے ملنا تھا، یاد تھا تو وہ چہرہ، جو پہلی نظر میں اس کے حواسوں پہ چھا گیا تھا۔

☆☆☆

صائمہ خالہ کا فون آیا تھا اس کے نمبر پر پہلی مرتبہ، انہوں نے آج گھر پہ قرآن خوانی رکھی تھی، اچانک پروگرام بنا تھا سو اس کو بلایا تھا، وہ چاہا رہی تھیں مومنہ جلدی سے آ کر گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے۔

ان کی دعوت پہ مومنہ حیران ہو گئی تھی کل بھی چھٹی پر تھی پھر آج کیسے، تاہم ڈیوٹی چھوڑ کے میڈم سے معذرت کر کے وہ گھر واپس آئی اور امی کو لے کر صائمہ خالہ کے گھر پہنچیں۔

نیوی بلیو گرم سوٹ اور گرے گرم شال میں وہ بے حد اجلی لگ رہی تھی، صائمہ نے ناگواری سے ایک نظر اس کے دلکش سراپے پہ ڈالی تھی۔

''اچھا ہوا تم جلدی آ گئی، مجھے بے حد پریشانی ہو رہی تھی، ملازمہ چھٹی کر گئی ہے، اچانک کھانا تو باہر سے ہی آئے گا، مگر سب کو کھلانا اور انتظامات دیکھنا یہ تم کر لینا۔'' انہوں نے جلدی بلانے کا مقصد بیان کیا، مومنہ چپ رہی۔

''چائے پیو گی؟'' وہ اب صالحہ سے مخاطب تھیں۔

''نہیں۔'' صالحہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''علی کہاں ہے؟'' صالحہ نے پوچھا۔

''وہ آفس ہے، جلدی آ جائے گا۔'' صائمہ نے مصروف انداز میں گھڑی دیکھتے ہوئے بتایا۔

''میں ذرا مارکیٹ سے ہو آؤں، کچھ ضروری کام ہے۔'' صائمہ بولیں۔

''مومنہ! تم ذرا لان کی صفائی دیکھ لو۔'' وہ جاتے جاتے رک کر بولیں۔

''جی بہتر۔'' مومنہ نے ایک نظر اپنے بہترین سوٹ پہ اور ایک نظر بکھرے لان پہ ڈالی۔

''امی! میں خواہ مخواہ یہ سوٹ پہن کر آ گئی، ابھی صفائی کرتے خراب ہو جائے گا۔'' مومنہ جھلائی۔

''تمہیں کیا پتہ تھا کہ یہ کام کرنے پڑیں گے۔'' صالحہ سادگی سے بولیں تھیں۔

''خیر مجھے تو حیرت ہو رہی تھی خالہ نے مجھے خود کال کی تھی۔'' مومنہ مسکرائی۔

''تمہارا اپنا گھر ہے کل بھی تمہیں سنبھالنا ہے۔'' علی نے جواب دیا جو نجانے کب آ گیا تھا، مومنہ دیکھ کے رہ گئی۔

''مومنہ!'' کچھ دیر میں وہ بھی لان میں آ گیا۔

''بولو۔'' وہ رخ بدل گئی۔

''سر میں درد ہے چائے بنا دو گی؟'' علی نے پوچھا۔

''میں۔'' وہ کچھ جھجکی اس گھر سے اسے انسیت نہیں رہی تھی، وہ مانوس نہیں تھی، بہت کم آئی تھی۔

''خالہ آ جائے تو بنا دیں گی، میں مصروف ہوں۔'' اس نے بہانہ بنایا۔

''مومنہ پلیز، امی نجانے کب آئیں گی، تمہارے ہاتھوں کی چائے پینا چاہتا ہوں۔''

''علی! خالہ کیا سوچیں گی۔'' مومنہ بے بسی سے بولی۔

''کچھ نہیں، تم اٹھو۔'' علی بضد تھا، اس نے بالآخر چائے بنا دی۔

''تھینک یو، آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' علی بولا۔

مومنہ چائے کے برتن دھونے لگی، صائمہ مارکیٹ سے واپس آئیں تو مومنہ کو لان میں نہ دیکھ کر حیران ہوئیں، مگر پھر کچھ سوچ کر اندر آئیں تو علی کو چائے کا مگ لئے مومنہ کو دیکھتے دیکھ کر انہیں غصہ آ گیا، مگر غصے کی لہر کو دبا کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

''مومنہ! تم یہاں علی کی خدمت کر رہی ہو، میں سمجھی نجانے کہاں گئی۔'' مومنہ چپ رہی۔

''امی! آپ کہاں گئیں تھیں؟'' علی نے موضوع بدلا۔

(کیا علی یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے

سر میں درد تھا، اس نے اصرار کر کے چائے بنوائی تھی) مومنہ نے بے دلی سے سوچا۔

پھر سارا دن کام کرتے ہوئے گاہے بگاہے صائمہ خالہ کے میٹھے میٹھے طنز اسے سننے کو ملے، رات تک وہ کاموں سے فارغ ہوئی، تھکن سے برا حال تھا، رات کو علی انہیں چھوڑنے آیا تھا۔

''مومنہ! چپ چپ ہو بیٹا، کیا بات ہے؟'' امی نے گھر آ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں، سر میں ذرا درد ہے، نیند آ رہی ہے۔'' مومنہ کمرے میں آئی، کپڑے چینج کر کے لیٹ گئی، دل اداس تھا نہ جانے کیوں اسے خالہ کا رویہ عجیب لگا تھا یوں لگ رہا تھا کہ وہ اسے ایک ملازمہ سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہی۔

''مومنہ آج تمہارا گھر آ کر ذمے داری سے کام کرنا بہت اچھا لگا۔'' کچھ دیر بعد آنے والا علی کا میسج اس نے بے دلی سے پڑھا اور صائمہ خالہ کے رویے پہ کڑھتے کڑھتے سو گئی تھی۔

صبح اٹھی تو خلاف توقع تھکن سے جسم ٹوٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا، سر بھاری تھا، اس نے فجر کی نماز کے بعد چائے کا ایک کپ پیا۔

آج اس کا میڈم سائرہ کی طرف جانے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر مجبوری تھی جانا تھا بے دلی سے الماری سے بے بی پنک سوٹ نکالا، پونی بنائی اور بیگ لے کر نکل آئی۔

سائرہ میڈم ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے ساتھ بزی تھیں، ملازمہ نے اس کے استفسار پر بتایا۔

مومنہ بے دلی سے لان میں بیٹھ گئی، لان کی دھوپ اس وقت بھلی لگ رہی تھی، موبائل پہ ہونے والی بیپ نے اسے موبائل کی جانب متوجہ کیا، علی کا گڈ مارننگ کا میسج پڑھ کر اس نے موبائل سائلنٹ پہ لگا دیا۔

اتنے میں ملازمہ نے میڈم کا پیغام دیا وہ اسے بلا رہی تھیں، وہ بے حد جھجک محسوس کرتی تھی اجنبی لوگوں میں مگر میڈم کے حکم کی تعمیل کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں تمہیں اپنی پیاری سی نئی نیک دوست سے ملواتی ہوں۔'' میڈم اپنی قریبی دوست شمع سے مخاطب تھیں۔

''لو بھئی میری دوست سے ملو یہ ہے مومنہ جاوید۔'' میڈم نے کہا۔

''مومنہ جاوید...... مومنہ جاوید...... مومنہ جاوید۔'' عمر ولید کے ذہن میں بس ایک ہی نام کی تکرار ہو رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ لاشعوری طور پہ دل کی ہر دھڑکن میں مومنہ جاوید کو دیکھنے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' مومنہ نے سب کو مشترکہ سلام کیا، عمر ولید چونک کر متوجہ ہوا، اس کی نظریں مومنہ جاوید پہ اٹھی تھیں اور پھر جھکنا اور جھپکنا بھول گئی تھیں، اس وقت وہ اس سے بے حد کم فاصلے پہ تھی، بے حد واضح تھی۔

پہلی بار ٹیرس سے بارش میں لان میں فاصلے سے دیکھا تھا، لیکن آج ڈرائنگ روم کی تمام فینسی لائٹس بھی روشن تھیں اور اب اس کا اک اک نقش بہت صاف اور واضح تھا۔

''وعلیکم السلام! آؤ مومنہ تمہارا ہی انتظار تھا۔'' میڈم نے شفقت سے کہا اور پاس بٹھایا۔

''ماشاء اللہ تمہاری نئی دوست تو بہت پیاری ہے۔'' شمع نے کہا۔

میڈم مسکرائیں۔

''مومنہ! یہ میری اکلوتی بیسٹ فرینڈ شمع اور یہ میرا اکلوتا بیٹا عمر ولید۔'' میڈم نے دونوں کا تعارف ایک ساتھ کروایا۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' عمر نے

اپنائیت سے سلام کرتے ہوئے حال پوچھا۔
''وعلیکم السلام، میں ٹھیک ہوں۔'' چند ہی منٹ بیٹھی تھی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ایکسکیوزمی میڈم! میں ذرا باہر ہوں، کچھ کام ہے۔'' مومنہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی، شمع بغور اسے دیکھے جا رہی تھیں جس سے مومنہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

مومنہ کیا باہر گئی، عمر کو لگا چراغوں میں روشنی ہی نہ رہی، کچھ دیر تو وہ وہاں غائب دماغی سے بیٹھا ان کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کرتا رہا مگر پھر وہ بھی اٹھ کے آ گیا، اس کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں وہ لان میں بیٹھی نظر آ گئی تھی، وہ تیز تیز لمبے لمبے ڈگ بھرتا راہداری عبور کر کے باہر آیا۔

وہ اس کے پاس بے خودی کی کیفیت میں بڑھتا گیا، وہ نہیں جانتا تھا وہ کیوں اس کے پاس جا رہا ہے۔
''کیا کر رہی ہیں آپ؟'' اب جب سامنے آ ہی گیا تو کچھ کہنا بھی تھا۔
وہ موبائل میں گیم کھیل رہی تھی چونک کر قدرے حیرت سے اسے دیکھنے لگی مگر پھر لمحے میں سنبھل کے نارمل ہو گئی۔
''کچھ نہیں یونہی ادھر آ کر بیٹھ گئی تھی۔''
''آپ اندر سے کیوں اٹھ کے آ گئیں؟'' عمر نے پوچھا۔
''بس میڈم اپنی دوست کے ساتھ باتوں میں بزی تھیں تو میں وہاں بیٹھ کر کیا کرتی۔'' مومنہ نے تفصیل سے جواب دیا۔
''میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔''
عمر ولید نے دھیمے سے کہا۔
''کس لئے؟'' مومنہ حیران ہوئی۔
''آپ نے میری امی کا بہت خیال رکھا، انہیں آپ کی وجہ سے تنہائی کا احساس نہیں ہوا، آپ بہت اچھی ہیں۔'' عمر ولید بے حد ممنون نظر آ رہا تھا۔
''یہ میرا فرض تھا، میں نے اپنی ڈیوٹی محض ایمانداری سے انجام دی اور میڈم بھی بہت اچھی ہیں، انہوں نے میرا بھی بہت خیال رکھا۔'' مومنہ بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔
''میری زندگی میں سب سے اہم میری ماما ہیں، میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' عمر ولید بولا۔
''اپنی ماں سب کو ہی بہت پیاری ہوتی ہے۔'' مومنہ نے جواب دیا۔
''ہاں مگر کچھ مائیں اولاد کے لئے زیادہ قربانیاں دیتی ہیں۔'' عمر ولید نے وضاحت دی۔
اس دوران عمر کے نمبر پہ روبی کالنگ لکھا آ رہا تھا، عمر نے کال ریجکٹ کر دی تھی، کچھ دیر بعد مما کا نمبر آیا۔
کچھ دیر سارہ میڈم نے اسے بتایا کہ ان کا اچانک روبی کے گھر جانے کا پروگرام بن گیا ہے، لہٰذا وہ بھی آج گھر چلی جائے۔
''ٹھیک ہے۔'' مومنہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''او کے میں ڈرائیور سے کہتی ہوں، تمہیں ڈراپ کر آئے۔'' میڈم بولیں۔
ڈرائیور نے اسے گھر کے دروازے کے سامنے اتارا تھا، اس نے بڑے سست انداز میں دستک دی تھی مگر دوسری طرف دروازہ کھولنے میں اتنی ہی پھرتی دکھائی دی تھی۔
''السلام علیکم!'' نمرا کو دیکھتے ہی اس کی ساری سستی ختم ہو گئی۔
''وعلیکم السلام، دیکھو تمہیں یاد کر رہی تھی تم جلدی آ گئیں، ورنہ رات میں، میں نے چلے جانا

تھا۔'' نمرا خوش دلی سے بولی۔
''میرا میسج مل گیا تھا؟'' نمرا نے پوچھا۔
''کون سا میسج؟'' مومنہ نے موبائل دیکھا نہیں تھا گاڑی میں۔
''جس میں، میں نے آنے کا بتایا تھا۔''
''اچھا! نہیں میں نے نہیں پڑھا، لیکن دیکھو پھر بھی جلدی آ گئی، تم کس کے ساتھ آئی ہو؟''
مومنہ نے چادر اتار کے دوپٹہ گلے میں ڈالا۔
''پاسر ڈراپ کر گئے تھے۔''
''کل خالہ کے گھر گئی تھی؟'' نمرا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔
''جی! خالہ کی ملازمہ چھٹی کر گئی تھی، اس وجہ سے خالہ کو میری یاد آ رہی تھی۔'' مومنہ تلخ ہوئی۔
''تم دل برا مت کرو، علی تو تم سے کتنا پیار کرتا ہے۔''
''پیار چھپ چھپ کے ہی کرتا ہے، اپنی امی کے آگے بھیگی بلی بن جاتا ہے۔'' مومنہ نے طنز کیا۔
''بھیگی بلی بنتا تو منگنی کیسے کرواتا۔'' نمرا نے یاد دلایا۔
''مجھے نہیں پتہ۔'' مومنہ کا موڈ کل سے بے حد خراب تھا۔
''سب ٹھیک ہو جائے گا، پریشان مت ہو، یہ بتاؤ تمہاری میڈم اور ان کے صاحبزادے کا کیا حال ہے؟'' نمرا نے موضوع بدلا۔
''میڈم ٹھیک ہیں، ان کا بیٹا بھی ٹھیک ہے، آج وہ لوگ روبی کے گھر جا رہے ہیں۔'' مومنہ نے بتایا۔
''تب ہی تم جلدی آ گئی مومنہ۔'' نمرا بولی، مومنہ نے محض اثبات میں سر ہلایا۔
''میں چنے کا حلوہ لے کر آتی ہوں، تمہیں پسند ہے نہ؟'' نمرا نے اس کا موڈ خوشگوار کرنا چاہا۔
''میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔''
مومنہ مسکرائی، نمرا نے اطمینان سے جاتی مومنہ کو دیکھا، خالہ صائمہ کا رویہ بعض اوقات اسے بھی دکھ میں مبتلا کر دیتا تھا، مگر اسے علی کی مومنہ کے لئے محبت پہ ناز تھا، وہ بہت خوش تھی، علی اس کے لئے سگے بھائی جیسا تھا۔
امی کے پاس بڑی مامی کا فون آیا تھا، وہ فون سن رہی تھی، مومنہ اور نمرا کچن میں پلاؤ اور شامی کباب بنا رہی تھیں۔
نمرا امی کے پاس چلی گئی، امی کا چہرہ اس وقت زرد ہو رہا تھا، وہ بڑی پریشان حال دکھائی دے رہی تھیں، نمرا ان کی حالت دیکھ کے پریشان ہو گئی۔
''امی! کیا ہوا، خیریت ہے؟'' نمرا نے تشویش سے پوچھا۔
''ہاں، تم نے کیا بنایا؟'' انہوں نے پوچھا۔
''میں پلاؤ بنا رہی ہوں، آپ کو بتایا تو تھا۔'' نمرا نے جواب دیا۔
''اچھا، بھول گئی تھیں۔'' انہوں نے سادگی سے کہا تھا۔
''امی! آپ مجھے کھوئی کھوئی لگ رہی ہیں، کیا بات ہے؟'' نمرا نے محبت سے ان کا ہاتھ تھاما۔
''بڑی بھابھی کا فون آیا تھا، وہ کہہ رہی تھیں کہ صائمہ بتا رہی تھی کہ مومنہ نے علی سے کہا ہے کہ وہ رشتہ بھیجے، علی نے مومنہ کے کہنے پر ضد کی جس کی وجہ سے انہیں مجبوراً مومنہ کے لئے رضا مند ہونا پڑا، ورنہ مومنہ انہیں کبھی پسند نہیں تھی۔'' نمرا سناٹے میں رہ گئی۔
''امی! یہ سراسر جھوٹ ہے۔'' وہ دکھ سے چلائی۔

''میں جانتی ہوں، میری بیٹی بہت معصوم اور با کردار ہے۔'' امی نے مضبوط انداز میں کہا تھا۔

''صائمہ خالہ غلط کر رہی ہیں۔'' نمرا نے غصے سے کہا۔

مومنہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی، نمرا کا آخری جملہ اس نے سن لیا تھا۔

''اگر مومنہ سے اتنی چڑ ہے تو منگنی کیوں کی۔'' امی نے تاسف سے کہا۔

''امی! ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔'' نمرا کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا، باہر کھڑی مومنہ کا ذہن الجھ گیا، اسے سمجھ نہیں آئی کس وجہ سے دونوں ایسی باتیں کر رہی ہیں۔

''نمرا! مومنہ کو مت بتانا، وہ پہلے ہی میلاد والے دن سے کچھ بجھی بجھی ہے اور بدگمان ہو جائے گی۔'' امی نے تنبیہ کی۔

''جی امی جانتی ہوں۔'' نمرا بے دلی سے بولی، مومنہ دبے قدموں واپس کچن میں آ گئی۔

''تم اندر جا کر ہی بیٹھ گئی تھی؟'' مومنہ نے نمرا کو دیکھ کر نارمل انداز میں کہا۔

''ہاں امی سے باتیں کرنے لگ گئی تھی۔'' نمرا نے مصالحہ تیار کرنا شروع کیا۔

''اتنی خاص کون سی بات تھی جو تم چاول یونہی چھوڑ کے چل دی۔'' مومنہ نے دریافت کیا۔

''کچھ نہیں، تم اتنی تفتیش کیوں کر رہی ہو؟'' نمرا جھلائی۔

''کیونکہ مجھے لگ رہا ہے میرے حوالے سے بات ہو رہی تھی، اس لئے صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے؟'' مومنہ نے اٹل انداز میں کہا۔

''تمہاری رائے صائمہ خالہ کے متعلق اتنی غلط بھی نہیں ہے، وہ واقعی کچھ عجیب سی ہیں۔'' نمرا بولی۔

''کچھ......'' مومنہ نے طنز سے کہا۔

''خیر تم پرواہ مت کرو، ایسا رشتوں میں اکثر ہوتا ہے۔'' نمرا نے تسلی دی تھی، مومنہ جواباً خاموش رہی تھی، کوئی بات اسے مسلسل الجھا رہی تھی۔

''ایسے کرتی ہوں، آج علی کو بھی رات میں بلا لیتی ہوں کھانے پر۔'' نمرا نے کہا۔

''مرضی ہے تمہاری۔'' مومنہ کباب بناتے بولی۔

''ویسے تمہارے ہاتھ کے کباب میری ساس کو بہت پسند ہیں۔'' نمرا کو یاد آیا۔

''ٹھیک ہے جاتے ہوئے آنٹی کے لئے بھی لے جانا۔'' مومنہ خوشدلی سے بولی۔

علی نمبر ٹرائی کر کر کے تھک گیا تھا، مگر مومنہ کچن میں تھی، ادھر علی کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

''نجانے کس فضول جاب میں خود کو مصروف کیا ہوا ہے؟'' علی نے تپ کے میسج کیا۔

''اسی جاب سے گھر کی دال روٹی عزت سے چل رہی ہے۔'' مومنہ نے کچھ دیر میں ریپلائے کیا۔

''کہاں تھی؟'' علی کا موڈ بے حد خراب ہوا جواب پڑھ کر۔

''کچن میں تھی اور پھر کچن میں جا رہی ہوں۔'' مومنہ نے لکھ کر سینڈ کیا اور موبائل رکھ کر کباب فرائی کرنے کچن میں چلی آئی، علی کو اس کی بیگانگی قطعی نہیں بھا رہی تھی، نمرا نے رات میں فون کر کے بلایا تو ناراضی کے باوجود آ گیا۔

''تم نے بلایا ہے اس لئے آیا ہوں۔'' مومنہ کو سناتے ہوئے نمرا سے مخاطب ہوا تھا۔

''کھانا بہت لذیذ ہے، کباب تم نے بہت

اچھے بنائے ہیں۔"علی نے نمرا کی تعریف کی۔

"کباب مومنہ نے بنائے ہیں۔" نمرا کے انکشاف پہ چونک کر اس نے مومنہ کو دیکھا، جو بے نیازی سے بیٹھی موبائل پہ گیم کھیل رہی تھی، علی نے بغور اسے دیکھا، اس کی نگاہوں کی تپش مومنہ محسوس کر گئی تھی، تب ہی موبائل رکھ کر سائیڈ پہ رکھی چیئر پہ بیٹھ گئی تھی۔

"مومنہ! تم مجھے اگنور مت کیا کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" علی کچھ دیر بعد اصل مدعا پر آیا۔

"علی! میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا ہے، میں جاب کرتی ہوں اور اپنی ڈیوٹی کے دوران مناسب نہیں لگتا بار بار میسج کرنا مگر پھر بھی میں ضروری باتوں کے جواب دے دیتی ہوں۔" مومنہ نے رسان سے کہا۔

"مومنہ وہاں اپنا کام بہت ذمے داری سے انجام دیتی ہے۔" نمرا نے سراہا۔

"ہاں وہ کام بھی جو اس کی ذمے داری نہیں ہے۔" علی نے تلخی سے کہا، نمرا حیرت سے علی کو دیکھتی رہ گئی۔

"امی کو تمہاری جاب پہ اعتراض ہے۔" علی نے اسے احساس دلانا چاہا۔

"مجھے حیرت ہے خالہ سب جانتے بوجھتے اعتراض کا حق رکھتی ہے، کیا انہیں زیب دیتا ہے، ہمارے حالات سے واقف ہوتے ہوئے اعتراض کرنا، ان سے زیادہ مجھے تم پہ تاسف ہوتا ہے۔" مومنہ نے سلگتے ہوئے کہا، اس کے لہجے کی تلخی علی کو مزید کہنے سے روک رہی تھی، علی نے اس کے چہرے کو دیکھا، جہاں ناگواری کے تاثرات تھے۔

"اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟" علی نے لہجے کو نارمل کیا۔

"میری جگہ تم ہوتے، مجھ سے زیادہ غصہ کرتے۔" مومنہ نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

"تم لوگ کس بحث میں پڑ گئے، مومنہ تم چائے بنا کے لاؤ اور علی تم یہ کھیر تو کھاؤ۔" نمرا نے ماحول کی گرمی کم کرنے کے لئے موضوع بدلا تھا، مومنہ خاموشی سے کچن میں آ کر بے دلی سے چائے بنانے لگی تھی۔

نمرا ماحول میں کثافت کم کرنے لگی تھی ادھر ادھر کی باتوں سے اور کچھ دیر میں کامیاب ہو گئی تھی، علی نارمل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

عمر ولید آفس میں کام کرتے کرتے مومنہ کے اچانک آنے والے تصور سے چونک کر آنکھیں بند کر کے اسے سوچنے لگا، مومنہ پہلی نظر میں اس کی محبت بن گئی تھی۔

"کیا وہ میری ہو سکے گی؟" عمر ولید نے سوچا۔

"مومنہ! تمہاری شادی ہونے والی ہے، میں چاہتی ہوں تم اب یہ جاب مت کرو، اگر خدا نخواستہ اس جاب کی بھنک تمہاری خالہ کو مل گئی تو وہ بات کا بتنگڑ بنانے والی ہیں۔" سائرہ میڈم نے سوچتے ہوئے کہا، پھل کاٹتی مومنہ چونک گئی۔

"تم میری بیٹی ہو، اپنے فائدے کے لئے تمہارا نقصان نہیں کر سکتی، میں اتنی خود غرض نہیں ہوں۔" میڈم نے کہا۔

"مم...... میڈم پھر میں کہاں جاب کروں گی۔" بے ساختہ مومنہ کے منہ سے نکلا تھا۔

"اس کا حل ہے میرے پاس، عمر ولید کے آفس میں۔" میڈم نے مسکراتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"آفس میں، کیا کام؟" مومنہ گھبرا گئی۔

''پریشان مت ہو، تم سب کر سکتی ہو۔''
میڈم نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا، میڈم کی محبت اور ان کی فکرمندی پہ مومنہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔
''میڈم! میں آپ کے پاس خوش ہوں۔''
مومنہ جذباتی ہوئی تھی۔
''تم جب چاہو مجھ سے ملنے آ سکتی ہو، ہمارا تعلق نہیں ٹوٹے گا۔'' میڈم رسان سے بولیں۔
''میں تنہا نہیں ہوں، عمر ہے میرے پاس ہے۔'' مومنہ تذبذب کا شکار تھی۔
''کچھ مت سوچو، صبح تمہیں نو بجے ڈرائیور تمہارے گھر سے پک کر لے گا، تم کل سے آفس جوائن کر رہی ہو۔'' میڈم نے قطعیت سے کہا۔
''میں آپ کے احسانات کبھی نہیں بھلا پاؤں گی میڈم۔'' مومنہ نے تشکر سے کہا اور ایک مرتبہ پھر آنسو بہنے لگے۔
''میں تمہاری محبت اور خدمت کی مقروض ہوں، مجھے شرمندہ مت کرو۔'' انہوں نے محبت سے مومنہ کو گلے لگایا تھا۔
گھر میں نمرا اور امی کو بے حد خوشی ہوئی میڈم لاکھ اچھی سہی مگر یہ جاب کی نوعیت ایسی تھی کہ انہیں دھڑکا ہی لگا رہتا تھا کہ کہیں خاندان والوں کو پتہ نہ چل جائے۔

☆☆☆
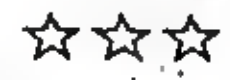
مومنہ کا نمبر رات سے آف تھا، علی نے سوچا صبح جاتے جاتے خالہ کے گھر چکر لگائے گا، صبح جب وہ آیا تو دروازے پہ گاڑی دیکھ کر رک گیا تھا، یہ کون آیا ہے صبح صبح خالہ کے گھر، دو تین منٹ کے بعد گھر کا گیٹ کھلا اور مومنہ باہر نکلی اور نکل کر گاڑی کے قریب آئی، ڈرائیور فوراً اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اترا اور آگے سے گھوم کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔
وہ نظریں جھکائے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی، اپنا شولڈر بیگ گود میں رکھے وہ گاڑی سے باہر دیکھنے لگی، جہاں علی حیرت اور کچھ ناگواری سے اسے دیکھ رہا تھا۔
مومنہ ہلکا سا مسکرائی مگر علی زیبا بھی نہ مسکرا سکا، اس کی آنکھوں میں شدید الجھن کے آثار نمایاں تھے، ڈرائیور نے آگے گاڑی بڑھائی، گاڑی گزر گئی، مگر وہ وہیں کھڑا دیکھے گیا اور پھر آفس کے لئے روانہ ہو گیا تھا۔
''امی! آپ جانتی ہیں، مومنہ آفس کیسے جاتی ہے؟'' علی سے ہضم نہیں ہو رہا تھا، آفس پہنچتے ہی اس نے ماں کو فون کر کہا۔
''بسوں کے دھکے کھاتی پھرتی ہے، مگر ناک پھر بھی اونچی ہے۔'' صائمہ نے نخوت سے کہا۔
''نہیں امی اسے گاڑی میں ڈرائیور پک اینڈ ڈراپ کرنے آتا ہے۔'' علی بے قراری سے بتانے لگا۔
''ہیں تجھے کس نے کہا، جھوٹ بولا ہو گا، بی اے کیا نہیں، گاڑی اور ڈرائیور۔'' صائمہ نے طنز سے کہا۔
''میں نے خود دیکھا ہے۔'' علی بولا، کچھ دیر کو وہ خاموش رہیں، بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔
''تجھے کیا ضرورت ہے اس کے بارے میں فکرمند ہونے کی چھٹانک بھر کی لڑکی ہے، مگر دیکھو اس کے انداز نجانے کیا کرتی پھرتی ہے۔'' صائمہ نے حقارت سے کہا تھا۔
''ہوں۔'' علی فون بند کر کے کام میں لگ گیا، مگر دھیان مومنہ کی طرف ہی تھا۔
''ہیلو کیسی ہو؟'' علی نے ایس ایم ایس کیا۔
مگر اس وقت عمر ولید نے آفس در کر شازیہ کے ذمے مومنہ کو کام بتانے کا کہا تھا، مومنہ بہت توجہ سے شازیہ کے ساتھ مصروف تھی۔

موبائل کی بار بار رنگ اسے شازیہ کے سامنے شرمندہ کر رہی تھی، اسے اپنی عزت اور ساکھ کا ہمیشہ خیال رہتا تھا، سو اس نے موبائل سائلنٹ پہ لگا دیا۔

اگلے دن عمر ولید اپنے روم سے نکلا تو اس کے سامنے مومنہ بیٹھی نظر آئی، ڈارک بلیو سوٹ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی، وہ اس وقت بہت سنجیدگی سے کمپیوٹر آن کیے اس میں مصروف تھی۔

''السلام علیکم! مس مومنہ کیسی ہیں آپ؟ اور کوئی مسئلہ پریشانی تو نہیں؟'' عمر ولید نے بہت اپنائیت سے پوچھا تھا۔

''شکریہ سر! کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔'' مومنہ نے نظریں کمپیوٹر سے ہٹائیں اور اس کی جانب متوجہ ہوئی، عمر مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا، اسے مزید کنفیوژ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

''عمر یار آج کل کہاں کھوئے کھوئے رہتے ہو۔'' اس کے بیسٹ فرینڈ ذیشان نے اسے ٹوکا۔

''جسے میں نے بارش میں دیکھا تھا نہ ذیشان وہ اب میرے آفس میں جاب کرتی ہے۔'' عمر ولید کو سمجھ نہیں آ رہی تھی، بات کہاں سے شروع کرے۔

''کون؟ کیا نام ہے؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''مومنہ!'' عمر ولید نے گہری سانس لی۔

''ذیشان ویسے ایک بات بتاؤ، محبت کیسے ہوتی ہے، کوئی نشانی بتاؤ۔'' عمر ولید نے جذب سے کہا، ذیشان بے یقینی سے اسے دیکھے گیا۔

عمر ولید کے سوال پہ ذیشان کو جھٹکا لگا تھا، وہ ہمیشہ لڑکیوں سے دور رہا اور اب اچانک ایسی بات، ذیشان کو شدید حیرت ہو رہی تھی۔

''تمہاری فیلنگز مومنہ کے لئے ایسی ہے کیا؟'' ذیشان کی حیرت کم نہیں ہو رہی تھی۔

''ذیشان یہ محض فیلنگز نہیں ہیں جو کبھی ہوتی ہیں کبھی نہیں ہوتیں، محبت تو ہمیشہ رہتی ہے اور محبت میں دل پہ نقش ہوتے عکس کبھی مٹا نہیں کرتا، چاہے انسان خود مٹ جائے۔'' ذیشان کو اس کی سنجیدگی اور انداز دونوں حیران کیے جا رہے تھے۔

''تو تمہیں لگتا ہے تمہیں مومنہ سے محبت ہو گئی ہے؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے مجھے مومنہ سے محبت ہو گئی ہے، آج تک میرا دل جذبات محبت سے نا آشنا تھا، جب وہ ملی تو مجھے پتہ چلا کہ دل کیا ہوتا ہے اور اس کی طلب اور خواہش کیا ہوتی ہے؟ محبت کے جذبات کیسے انسان کو بے بس کرتے ہیں۔'' عمر ولید کچھ بے بسی سے بولا۔

''یعنی کہ واپسی کا کوئی راستہ نہیں؟'' ذیشان نے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ شدید محبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''نہیں، ہرگز نہیں۔'' عمر ولید نے قطعیت سے جواب دیا۔

''کیا وہ بے حد حسین ہے؟'' ذیشان نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تھا۔

''بے شک وہ خوبصورت ہے مگر خوبصورتی میری ترجیح نہیں رہی، امریکہ میں اور یہاں بھی خوبصورتی کا کوئی ایسا کال بھی نہیں کہ میں محض اس کے حسن کی بناء پہ اسیر ہو جاؤں، کچھ اور ہے اس جو مجھے متاثر کر گیا، میں نہیں جانتا میں سمجھنا بھی نہیں چاہتا۔'' عمر ولید نے اطمینان سے کہا۔

''وہ بہت باوقار بہت اعلیٰ کردار کی ہے، اس کی سیرت بھی بہت اچھی ہے۔'' عمر ولید کچھ رک کر بولا تو ذیشان اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

مسلسل بجتے فون کو مومنہ نے بے بسی سے دیکھا اور پھر اٹھانے میں ہی عافیت جانی۔
''ہیلو۔'' علی بڑے سنجیدہ انداز میں خلاف توقع دوسری طرف تھا۔
''بولو علی!'' مومنہ نے دھیمے انداز میں کہتے ہوئے اپنے موڈ کو خوشگوار بنانا چاہا۔
''اپنے آفس کا ایڈریس بتاؤ میں تمہیں پک کرنے آ رہا ہوں۔'' سرد لہجے میں بولتا ہوا وہ مومنہ کو حیران بلکہ پریشان کر گیا۔
''کس خوشی میں؟'' مومنہ نے وجہ جاننی چاہی۔
''تمہاری شکل دیکھنی ہے۔'' اس نے چبا کر کہا۔
''میری شکل دیکھنے کے لئے گھر آ جانا، آفس آنے اور پک کرنے کی زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔'' مومنہ نے نارمل انداز میں جواب دیا۔
''میں نے تمہیں کہا اپنا ایڈریس بتاؤ؟'' علی اس کے جواب کو نظر انداز کر کے مزید تلخ ہوا۔
''علی! یہ میرا ذاتی آفس نہیں ہے، میں جب چاہوں منہ اٹھائے چلی جاؤں، تم خود بھی جاب کرتے ہو، ہر جگہ ایمپلائی کے لئے اصول و قوائد ہوتے ہیں، ان کی پاسداری ایمپلائی پہ فرض ہوتی ہے، میں چھ بجے آف ہوتی ہوں۔'' مومنہ نے دلیل دی، علی کو اس کی بات سمجھ آ گئی تھی، مگر پھر بھی اس نے غصے سے کال کاٹ دی، مومنہ نے موبائل کو دیکھا، پھر کام میں لگ گئی۔
''علی آج کل بہت عجیب سا ہو رہا ہے۔'' گھر آ کر اس نے نمرا کو میسج کیا۔
''اس کا کہنا ہے تم عجیب ہو رہی ہو، مسئلہ کیا ہے تم دونوں کا۔'' نمرا کا جواب آیا۔
''میں تو ہمیشہ سے ایسی ہی تھی اور ہوں۔''

مومنہ تشویش میں مبتلا ہوئی تھی، پتہ نہیں مومنہ کی تسلی ہوئی یا نہیں البتہ اس نے مزید کچھ کوئی سوال نہیں کیا۔
اگلے دن سنڈے تھا، مومنہ نے صبح ناشتے کے بعد مشین لگائی گھر کی صفائی کرنے کے بعد میڈم سے ملنے کو تیار ہونے لگی۔
کائی کلر کا سادہ سا سوٹ پہنے بالوں کی پونی بنائے، آنکھوں میں محض کاجل، یہ اس کی مکمل تیاری ہوتی تھی۔
''امی! میں میڈم سے ملنے جا رہی ہوں جلد آ جاؤں گی۔'' مومنہ نے بیگ اٹھایا، تب ہی علی آ گیا۔
''لگتا ہے غلط وقت پہ آ گیا ہوں، کہیں جانے کی تیاری ہے۔'' اس نے اندر آتے ہی بنا سلام دعا کے طنز کیا۔
''اگر میں کہوں ہاں ہے تو؟'' مومنہ کو اس کا طنز نہیں بھایا۔
''تو میں واپس چلا جاؤں گا۔'' علی نے روکھے پن سے جواب دیا۔
''یہ تمہاری خالہ کا گھر ہے اور وہ گھر میں ہی رہتیں ہیں۔'' مومنہ نے احساس دلایا۔
''خالہ سے ملنے ہی آتا ہوں۔'' علی نے جھٹ بیان بدلا۔
مومنہ نے پرس رکھا اور کچن میں آ گئی، چائے اور کیبنٹ سے بسکٹ اور نمکو نکالنے لگی۔
''ویسے کہاں جا رہی ہو؟'' علی نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔
''میڈم نے گھر پہ انوائیٹ کیا تھا۔'' مومنہ چائے کپ میں ڈالنے لگی۔
''خیریت میڈم کو تم سے کچھ زیادہ ہی پیار نہیں ہو گیا، ہوشیار رہنا ایسی چلتر باز عورتوں سے۔'' علی نے گھٹیا انداز میں کہا۔

''علی! وہ میرے لئے میری امی کی طرح قابل احترام ہیں، اللہ کے بعد ان کے مجھ پہ بڑے احسانات ہیں، اس مشکل وقت میں بہت سہارا دیا ہے۔'' مومنہ سنجیدہ ہوئی۔

''دوسروں کے احسانات لینے میں تمہیں کوئی حرج نہیں، ہم مدد کریں تمہاری انا آ جاتی ہے آڑے۔'' علی نے طنز کیا۔

''علی! وہ احسانات جتاتیں نہیں ہیں، میرے خاندان میں ڈھونڈو انہیں پیٹیں اور رہی میری انا کی بات میں ان کے پاس جاب کرتی ہوں، ان سے کوئی مالی مدد نہیں لیتی، سہارا مالی نہیں جذباتی بھی ہوتا ہے اور یہ میرے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔'' مومنہ نے وضاحت کی۔

''میڈم کی محبت کی بہت قدر ہے اور میری محبت؟'' علی نے شکوہ کیا۔

''تمہاری محبت کی قدر دان ہوں تو یہ انگوٹھی انگلی میں پہنی ہے، اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا۔'' مومنہ نے دوبدو جواب دیا، علی چپ رہ گیا۔

''علی! ایک بات کہوں تم خاصے بدگمان انسان ہو۔'' مومنہ کہہ کر ٹرے اٹھائے باہر آ گئی اور ٹرے لا کر ڈرائنگ روم کے ٹیبل پہ رکھ دی تھی، علی پیچھے پیچھے آیا، مومنہ نے ماں کو آواز دی اور خود جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی، بیگ اٹھایا اور باہر نکل گئی خدا حافظ کہہ کر، علی دیکھتا رہ گیا۔

میڈم بہت اپنائیت اور محبت سے ملیں، عمر ولید اپنے روم میں تھا۔

''میڈم! اب آپ عمر صاحب کی شادی کر دیں تا کہ گھر کی تنہائی ختم ہو جائے۔'' اس نے چائے پیتے ہوئے مشورہ دیا۔

''شادی ابھی کہاں کرے گا۔'' میڈم نے مایوسی سے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی، آپ کہیں روبی کے ابو کو جلدی ہے۔'' مومنہ نے نیا مشورہ دیا۔

''روبی کے لئے اس نے فی الحال سوچا بھی نہیں اور وہ لوگ خود سے پکا کیے بیٹھے ہیں۔'' میڈم نے پریشانی سے کہا۔

''نہیں سوچا تو سوچ لے (اف یہ بڑے لوگ بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں، مومنہ کو حیرت ہوئی)۔'' سوچنے میں کتنا وقت لگے گا۔''

''مومنہ! دعا کرو، جلدی عمر شادی کے لئے مان جائے۔'' میڈم فکرمندی سے بولیں۔

''مان جائیں گے، آپ پریشان مت ہو، (شاید یہ بھی امیر لوگوں کا اسٹائل ہو، کوئی کام آسانی سے نہ کرنا، کسی کی بات آسانی سے نا ماننا)۔'' مومنہ نے یقین دہانی کروائی۔

''تم اپنے منگیتر علی کی اور اس کی امی کی سناؤ؟'' میڈم دلچسپی سے بولیں۔

''ٹھیک ہیں سب۔'' مومنہ مختصر بولی۔

کچھ دیر بعد اس نے اجازت چاہی، ڈرائیور نے اسے ڈراپ کر دیا تھا۔

☆☆☆

عمر ولید کو دبئی جانا تھا، وہاں ایک مسئلہ ہو گیا تھا، مگر پاکستان میں ایک میٹنگ بہت قریب آ رہی تھی، اس ٹینڈرز کی دھوم پوری مارکیٹ میں مچی تھی، بزنس پوائنٹ آف ویو سے یہ ٹینڈر اس کے لئے بہت اہم تھا، ٹینڈر کا ہاتھ سے نکل جانا نقصان دہ ہوتا۔

وہ اس وقت پریشان تھا اور آفس میں اپنے مینجر سے مسئلہ بیان کر رہا تھا۔

''سر! آپ دبئی جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں میں یہاں سنبھال لوں گی۔'' مومنہ بولی۔

عمر ولید نے چونک کر اسے دیکھا صرف وہ ہی نہیں مینجر ایوب صاحب بھی حیران رہ گئے۔

''سوری سر! مس مومنہ اتنی تجربے کار نہیں

تھی، اسے اتنی بڑی ذمے داری نہیں دی جا سکتی تھی۔" مینجر صاحب نے مخالفت کی۔
"مس مومنہ صرف میٹنگ ہی نہیں سنبھالتی گی بلکہ ٹینڈر بھی حاصل کرنا ہے۔" عمر ولید نے مسکرا کر کہا تو مینجر حیرت سے عمر ولید کو دیکھ کے رہ گیا، اسے عمر ولید کی عقل پہ شبہ ہوا مگر کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔

عمر ولید نے مومنہ کی محض حوصلہ افزائی کے لئے ٹینڈر لینے والی بات کہی درحقیقت مومنہ کو یہ ذمے داری دینے کے ساتھ ہی ٹینڈر کا خیال وہ دل سے نکال چکا تھا، بس وہ مومنہ کی خواہش رد نہیں کر سکتا تھا، سو مقصد محض شوق پورا کرنا تھا مومنہ کا، نقصان کے لئے وہ ذہنی طور پہ آمادہ تھا۔
"عمر! بیٹا تم جا رہے ہو؟" عقیل خالو نے حیرت سے کہا۔
"جی میری کل کی دوبئی کی فلائٹ ہے۔" اس نے مطلع کیا۔
"اور وہ ٹینڈر جس کا آج کل چرچا ہے اس کا کیا ہوگا؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا، وہ اس وقت عمر کے گھر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔
"ٹینڈر کی ذمے داری میں نے مس مومنہ جاوید کو دے دی ہے۔" اس نے اطمینان سے کہتے ہوئے چائے پی۔
"کیا؟ وہ اناڑی نا تجربے کار، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیوں اتنا بڑا نقصان کر رہے ہو؟" خالو بھڑک اٹھے۔
"انکل! آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" عمر نے ان کے غصے کو نظر انداز کر کے دھیمے سے کہا۔
"ٹینڈر نہ ملنے سے صرف مالی ہی نہیں سماجی نقصان بھی ہوگا، تمہاری کمپنی کی ایک ساکھ ہے،

مت بھولو۔" خالو نے اسے باز رکھنا چاہا۔
"میں فیصلہ کر چکا ہوں۔" اس نے اٹل انداز میں کہا اور موضوع بدل دیا، خالو کندھے اچکا گئے، وہ اپنے فیصلوں میں با اختیار تھا۔
مومنہ نے کہنے کو تو بے ساختہ کہہ دیا تھا، اس سے زیادہ حیرانگی عمر ولید کے مان جانے پہ تھی، اسے اب پتہ چل رہا تھا کے یہ کام اتنا آسان بھی نہیں، اسے اب ٹینشن ہو رہی تھی، اس کے جانے سے پہلے وہ گھبرائی ہوئی سی عمر ولید کے روم میں آئی تھی۔
"سر! اگر یہ ٹینڈر کسی اور کمپنی کو مل گیا تو؟"
"مس مومنہ! ڈیٹ اس دا پارٹ آف بزنس، ٹینڈر کا نہ ملنا ایسی کوئی انہونی بات نہیں ہو گی، میں چاہتا ہوں نتیجے سے قطع نظر تمہاری پرفارمنس زبردست ہونی چاہیے، آؤٹ اسٹینڈنگ کام کرو۔" عمر ولید نے مسکراتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھایا، وہ شکریہ کہہ کر باہر آ گئی۔
عمر ولید کے جانے کے بعد اس نے اسٹاف کے ساتھ بے حد محنت سے کام کیا تھا۔
میڈم سائرہ کو یہ ذمے داری مومنہ کو سونپے پہ حیرت تو ہوئی، مگر انہوں نے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تھا۔
ٹینڈر جمع کرا دیا تھا، رزلٹ قریب تھا، عمر ولید بھی آ گیا تھا، مومنہ کو رزلٹ کی طرف سے خدشہ تھا، وہ بے چینی کا شکار تھی۔
"مس مومنہ! مینجر صاحب بتا رہے تھے تمہاری پریزنٹیشن بہت اچھی تھی، کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا، تم نے یہ سب پہلی بار کیا ہے۔" عمر ولید نے اس کی محنت کو سراہا۔
"سر! ٹینڈر ملے گا تو پتہ چلے گا۔" مومنہ نے جواب دیا۔

''رزلٹ کچھ بھی ہو، تم نے محنت کی مجھے خوشی ہے۔'' عمر ولید نے کہا۔

''یقیناً رزلٹ ہے بیسٹ آف لک۔'' عمر کے بتانے پہ مومنہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔

رات کو گہری نیند سوگئی، کئی دن سے جاگ رہی تھی، تکیے کے نیچے موبائل بجا تو آنکھ کھلی۔

''علی! پلیز کل بات کریں گے۔'' مومنہ نے کال ریسو کرتے ہی کہا تھا۔

''بات سنو مجھے بھی شوق نہیں ہے تم سے بات کرنے کا۔'' علی نے غصے سے کہہ کر موبائل آف کرلیا تھا، مومنہ نے بھی پرواہ نہ کی اور پھر سے سوگئی تھی۔

صبح دیر سے آنکھ کھلی تھی، اٹھتے ہی قضا نماز ادا کی اس کے بعد ناشتہ بنایا، آفس کی وین آئی تو جلدی جلدی کپڑے چینج کرکے بھاگی، آفس میں داخل ہوئی تو مبارکباد کا شور سنائی دیا وہ حیران سی نظر آئی۔

''بہت بہت مبارک ہو مس مومنہ! ہمیں ٹینڈر مل گیا ہے۔'' عمر ولید نے خود آگے بڑھ کے اسے مبارکباد دی تھی، وہ ساکت رہ گئی، اتنی بڑی کامیابی، سکتہ ٹوٹا تو اللہ کا دل میں بے حد شکر ادا کیا تھا۔

''تمہاری پرزنٹیشن تو کمال کی ہوگی، افسوس میں محروم رہا، تمہیں سننے سے، ویسے تو تم بولتی نہیں سوائے کچھ مخصوص جملوں کے۔'' عمر ولید نے اسے چھیڑا۔

آج وہ اپنی پہلی کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی، بے حد خوش تھی، گھر آتے ہی نمرا اور امی کو بتایا، ان کی خوشی بھی قابل دید تھی، میڈم حیران اور خالو پریشان تھے۔

اس نے علی کو بھی اپنی کامیابی کا بتایا تھا اور ساتھ میں معذرت بھی کی تھی کہ وہ پچھلے کئی دن بے حد مصروف رہی تھی اور اپنی کامیابی کا بھی بتایا۔

''امی! مومنہ کو کمپنی میں ٹینڈر ملا ہے، اس کی محنت ہے۔'' دوسری طرف علی نے ماں کو بتایا، صائمہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہیں۔

''جھوٹ بول رہی ہوگی، بی اے تو مکمل کر نہیں سکی۔'' صائمہ نے طنز کیا۔

''وہ جھوٹ نہیں بولتی۔'' علی بدمزہ ہو کے بولا۔

''اچھا بڑی حاجن ہے۔'' صائمہ نے جاہلانہ انداز میں کہا۔

''امی! اس میں حاجن کی کیا بات ہے، اس کی عادت نہیں جھوٹ بولنے کی۔'' علی جھنجلایا۔

''تم فضول کی وکالت مت کرو، اس کی عادتیں تم کچھ زیادہ ہی نہیں جان گئے۔'' صائمہ رنجیدہ نظر آرہی تھیں۔

''امی! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' علی بولا۔

''میں خوب جانتی ہوں تمہارا مطلب۔'' صائمہ نے چڑ کے کہا اور علی نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

دوسرے دن صبح اسے عمر ولید نے اپنے روم میں بلایا تھا، مس نازش کے پیغام پہ وہ کام ادھورا چھوڑ کر گئی۔

''مے آئی کم ان سر؟'' دروازے پہ ہلکی سی دستک کے بعد مومنہ کی آواز ابھری تھی اور اپنے لیپ ٹاپ پہ بزی عمر ولید اس کی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوا۔

''ویل کم آن پلیز۔'' وہ اجازت دے کر دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا اور اپنا کام کلوز کرنے لگا تھا۔

''پلیز سٹ ڈاؤن۔'' عمر ولید نے اسے مقابل کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا، اس وقت وہ

بہت الجھا ہوا لگ رہا تھا، بے حد مصروف۔
''تھینک یو۔'' مومنہ کرسی کھینچ کر بیٹھی تھی اس کے آفس کی سیٹنگ کلر کمبی نیشن، دیواروں پہ لگی پینٹگز بے حد شاندار تھی، گلاس وال، کرسٹل ٹیبل اور سب سے بڑھ کر خود عمر ولید کی خوبصورت اور وجیہہ شخصیت، مومنہ نے نگاہیں جھکالیں۔
''جی مس مومنہ!'' وہ لیپ ٹاپ بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔
''آپ نے بلایا تھا سر۔'' مومنہ نے یاد دلایا۔
''مس مومنہ! آپ کی ٹینڈر کی کامیابی سے ہمیں آپ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا ہے۔''
''شکریہ۔'' مومنہ بولی۔
''میں نے تمہارا پروموشن لیٹر جاری کر دیا ہے۔'' عمر اسے تفصیل بتانے لگا تھا۔
جبکہ مومنہ شاندار سیلری پیکج اور آفر پہ حیران رہ گئی تھی۔
''سر! میں یہ سب کیسے ہینڈل کروں گی، مجھے کوئی تجربہ نہیں، یہ پوسٹ میں ڈیزرو نہیں کرتی۔'' مومنہ جھجکی۔
''جیسے ٹینڈر میں کمال کیا تھا، ایسے ہی اس میں کمال کرنا۔'' عمر ولید نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا اور وہ شکریہ ادا کر کے اٹھ گئی، حیرت زدہ سی۔
''میری ترقی ہو گئی ہے علی، آج آنا تمہیں مٹھائی کھلاؤں گی۔'' اس نے خوشی سے علی کو میسج کیا تھا۔
شام میں علی آیا تو اس نے ٹینڈر سے لے کر اب تک کی تمام تفصیل اسے بتا دی تھی۔
''بہت خوش ہو؟'' علی نے پوچھا۔
''ہاں نہ بہت خوش ہوں۔'' مومنہ مسکرائی۔
''ویسے تم اتنی قابل تو نہیں تھی پھر باس تمہارا تم پہ اتنا مہربان کیوں ہے؟'' علی کچھ جیلسی سے بولا۔
''علی پلیز۔'' مومنہ نے اسے ٹوکا۔
''حسن بہت بڑی سفارش ہے۔'' علی نے طنز کیا۔
''علی میں بہت محنت ایمانداری اور ذمہ داری سے اپنی ڈیوٹی کرتی ہوں، اس میں شکل کی کیا بات ہے۔'' مومنہ نے تکلیف سے کہا۔
''تم کچھ نہیں جانتی، پیسے کا لالچ دے کر تم جیسی بھولی بھالی......''
''علی...... خاموش ہو جاؤ۔'' مومنہ چلائی، علی کی باتیں اب واقعی اس کی برداشت سے باہر تھیں، مومنہ کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو گیا تھا، علی کی باتوں نے اسے ہرٹ کیا تھا۔
''مومنہ! میری بات سمجھو۔'' علی نے نرمی سے کہا۔
''میں اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہوں، تم زیادہ دقیانوسی ہو رہے ہو۔'' مومنہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
''منگیتر ہوں تمہارا۔'' علی نے حق جتایا۔
''جانتی ہوں، اس لئے تمہیں اس خوشی میں شامل کرنے کے لئے یہاں بلایا ہے۔'' مومنہ ناراضگی سے بولتی اسے اس لمحے بے حد پیاری لگی، اس وقت بلیک اور براؤن سوٹ میں بہت دلکش لگ رہی تھی۔
جب سے جاب آفس میں شروع کی تھی تو سیلری بھی بڑھ گئی تھی، پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی میسر تھی، حالات بھی مالی لحاظ سے بہتر ہو گئے تھے، یہ سکون اور اطمینان اس کے چہرے پہ جھلک رہا تھا اور حسن میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔

''سوٹ بہت اچھا لگ رہا ہے بلکہ تم پہ بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' علی کا موڈ اب اچھا ہو گیا تھا۔

''یہ میری برتھ ڈے پہ میڈم نے مجھے دیا تھا۔'' مومنہ بے نیازی سے بولی تھی۔

''تم نے میڈم سے گفٹ لے لیا اور مجھے نہیں بتایا، مجھ سے نہیں لیا۔'' علی نے شکوہ کیا۔

''گفٹ لئے نہیں جاتے، دیئے جاتے ہیں۔'' مومنہ نے جواب دیا، مومنہ کی بات پر وہ شرمندہ ہو کر بات پلٹ گیا۔

''میڈم تمہیں کچھ زیادہ پسند نہیں کرتی؟'' علی بولا۔

''میں بھی انہیں بہت پسند کرتی ہوں، وہ بہت مہربان شفیق خاتون ہیں۔'' مومنہ نے احترام سے کہا تھا۔

''ہاں کافی امیر بھی ہیں۔'' علی نے گھٹیا انداز میں کہا۔

''مجھے ان کی دولت سے سروکار نہیں، امیر رشتے دار میں نے بہت دیکھے ہیں، مگر وہ جو عزت مجھے دیتی ہیں وہ ان رشتے داروں سے نہیں ملتی اور مومنہ جاوید کے لئے پیسے سے زیادہ اہم عزت ہے۔'' مومنہ رکھائی سے بولی تھی، علی کی باتیں اسے مسلسل ہرٹ کیے جا رہی تھیں۔

''گویا رشتے داروں سے بڑھ کر ہے میڈم؟'' علی نے طنز کیا۔

''آف کورس، جو برے وقت میں ساتھ ہو وہ ہی اپنا ہے۔'' مومنہ نے بھی لحاظ کو ایک طرف رکھا، اتنے میں صالحہ بیگم آئیں تو دونوں خاموش ہو گئے۔

''اوکے! میں اب چلتا ہوں۔'' علی نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا۔

''ایسے کیسے کھانا کھا کے جانا۔'' مومنہ سادگی سے بولی اس کے چہرے پہ اس کے لہجے میں ناراضگی کا شبہ تک نہیں تھا، علی کو بے حد پیاری لگی اس لمحے بھولی بھالی صاف و شفاف دل رکھنے والی، اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

''نمرا نے بنایا ہے۔'' علی نے لگاوٹ سے پوچھا۔

''میں نے سب چیزیں خود بنائی ہیں۔'' مومنہ فخریہ انداز میں بولی تھی۔

''میں بھی خواہ مخواہ جذباتی ہو جاتا ہوں، میری توجہ اور محبت سے کس قدر خوش نظر آ رہی ہے، وہ بھی آخر ہر عام لڑکی کی طرح، خواب دیکھنے والی لڑکی ہے، میں کافی غصہ کر جاتا ہوں۔'' علی نے اپنا محاسبہ کیا تھا، وہ علی کی بدلتی سوچ سے بے خبر برتن سمیٹنے میں مگن تھی، علی کی نگاہوں کی تپش نے اسے ڈسٹرب کیا تو گھورتی ہوئی کچن میں برتن اٹھا کے چلی گئی، علی ہنستا رہا۔

☆☆☆

''بیٹا! بھائی صاحب پوچھ رہے تھے منگنی کی تقریب کب کرنی ہے؟'' عمر ولید سے سائرہ بیگم نے پوچھا۔

''امی! میں نے روبی سے شادی کا ابھی نہیں سوچا ہے۔'' عمر ولید نے شائستگی سے جواب دیا۔

''بیٹا! اب سوچ لو، بھائی صاحب خاصے فکر مند ہو رہے ہیں۔'' سائرہ سنجیدہ تھیں۔

''مما! آپ انکار کر دیں، میں روبی سے شادی نہیں کر سکتا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

''کیا کہا؟'' وہ خاصی برہم ہوئیں۔

''مما! روبی از اے کزن اور فرینڈ میں لائیک کرتا ہوں، مگر لائف پارٹنر کے لئے جو میرے دل میں خاکہ ہے وہ اس پر پوری نہیں

اترتی۔'' اس نے وضاحت کی۔

''بیٹا! بھائی صاحب اور روبی کتنے ہرٹ ہونگے، تم دوبارہ سوچو۔''

''میں سو بار بھی سوچوں تو میرا جواب یہ ہی ہوگا۔'' عمر ولید نے قطعیت سے کہا، سائرہ نے بے بسی سے سر تھام لیا۔

''مما! آپ پریشان مت ہوں، ہم نے زبان نہیں دی تھی، ان کی خواہش تھی، ہم ان کی خواہش کا احترام کرتے ہیں لیکن شادی کے لئے بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے، روبی مجھے یقین ہے میرے ساتھ اور میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا ہوں۔'' عمر ولید نے نرمی سے کہا۔

''تمہارا نہیں پتہ لیکن روبی تمہارے ساتھ بہت خوش رہے گی۔'' سائرہ نے یقین سے کہا تھا۔

عمر ولید خاموش رہا تھا، سائرہ زبردستی کی قائل نہیں تھیں، مگر روبی کو انہوں نے، متوقع بہو مان لیا تھا، اب بہنوئی سے معذرت مشکل مرحلہ تھا، اس لئے فون کا سہارا لیا، وہ خاصے برہم ہوئے ناراضگی کا اظہار کیا، سائرہ ان کے رویئے سے مزید پریشان ہوگئی تھیں۔

روبی عمر کا نمبر ڈائل کر رہی تھی مگر آف تھا، روبی کے بابا خاصے چالاک انسان تھے، انہوں نے مومنہ کے لئے عمر ولید کی پسندیدگی بھانپ لی تھی، جو سائرہ ماں ہو کر بھی نہیں جان سکیں تھیں۔

روبی کو مومنہ پہ بے حد غصہ تھا، وہ اسے اس کی اوقات یاد دلانا چاہتی تھی، چند ہزار لینے والی غریب لڑکی عمر ولید کے خواب کیسے دیکھ سکتی تھی، اس کی جرأت پہ اسے سزا دینا لازم تھا۔

بلیو جینز اور پنک کرتا پہن کر اس نے ہلکا سا میک اپ کیا اور ڈرائیور کے ساتھ اس کے آفس آگئی، روبی بے حد غصے کے عالم میں تھی، دل چاہ رہ تھا اس لڑکی کو ختم کر ڈالے وہ غصے اور بے چینی سے تیز تیز چلتی آفس کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی، سیکرٹری سدرہ نے بتایا مومنہ کا آفس۔

مومنہ اس وقت سر جھکائے بزی تھی کام میں، روبی کے قریب آتے قدموں کی آواز سے چونک کر سیدھی ہوئی، اجنبی لڑکی کو دیکھ کر سیدھی کھڑی ہوئی۔

روبی غصے سے قریب آئی تو بے حد حیرت سے سامنے کھڑی حسن کے دلکش پیکر کو دیکھے جا رہی تھی، روبی کو توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی حسین ہو گی۔

''آپ کون؟'' مومنہ نے سکوت توڑا تھا، وہ اب تک آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

''تمہارا نام؟'' روبی نے سوچا شاید اسے دھوکہ ہوا ہو، اتنی غربت میں پلی لڑکی اتنی حسین کیسے ہو سکتی تھی، اس کا دل اس حقیقت کو قبول نہیں کر رہا تھا۔

''میں، مومنہ جاوید ہوں۔'' بڑی خود اعتمادی سے اس نے کہا تھا۔

''تم نے کیا سوچا تھا، تم عمر ولید کو مجھ سے چھین لو گی اور میں خاموش رہوں گی۔'' اس نے طنز سے مومنہ کو کہا۔

مومنہ اس کی بات پہ اس کے انداز پہ بے حد حیران ہوئی، وہ ان سب باتوں سے بے خبر تھی، اس لئے روبی کی بات آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں تھی، مومنہ کی خاموشی کو روبی نے سمجھا کہ وہ اس سے گھبرائی ہے، روبی کا حوصلہ بڑھا تھا۔

''مومنہ جاوید تم جیسی لڑکی کو عمر ولید چند ہزار ترس کھا کر دے سکتا ہے، مگر اپنا گھر نہیں، اس لئے اس بھول میں مت رہنا کہ تم نے عمر ولید کو مجھ سے چھین لیا ہے۔''

"جو تمہارا ہے اسے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا، البتہ جو تمہارا ہے ہی نہیں وہ کوئی لاکھ چاہ کر بھی تمہیں نہیں دے سکتا۔" مومنہ نے بے نیازی سے کہا، مومنہ کی بے نیازی نے روبی کے اندر آگ لگادی تھی۔

"طنز کر رہی ہو؟" اس نے جل کر پوچھا۔

"نہیں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" مومنہ نے بے حد نرمی سے کہا تھا۔

روبی نے خاموشی سے اسے بغور دیکھا، اس کا حسن اس کا اعتماد سب اسے ہرا رہا تھا، وہ اسے ذلیل کرنے آئی تھی، مگر ناکام ہوئی تھی، وہ عمر ولید کے دل پہ نقش تھی اور جو دل پہ نقش ہو جائے انہیں مٹایا نہیں جا سکتا تھا، روبی اس حقیقت کو جان گئی تھی، وہ مردہ قدموں سے نکل گئی تھی۔

"نجانے کون تھی؟" مومنہ نے تاسف سے سوچا۔

"کتنا غرور تھا اسے شاید دولت مند ہو گی، مگر مجھ پہ کیوں غصہ کر رہی تھی، یقیناً اسے کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔"

مومنہ نے سر جھٹک کر دوبارہ کام شروع کر دیا تھا، روبی تھکے تھکے قدموں سے گھر واپس آئی، اسے عمر ولید سے کوئی طوفانی عشق نہیں تھا، لیکن وہ اسے پسند کرتی تھی، وہ اس کے آئیڈیل کے معیار پہ پورا اترتا تھا، جیون ساتھی بنانے کے خواب اس نے بلا اجازت ہی دیکھ لئے تھے، وہ بیوقوف نہیں تھی، جو روبی بیٹھی اور عمر ولید کو مومنہ سے بدظن کرنے کی فلمی سی گھٹیا سازش کرتی، وہ پریکٹیکل لڑکی تھی، جانتی تھی عمر ولید کی پسند کوئی عام لڑکی نہیں ہو سکتی تھی، اس کے حسن نے تو روبی کو قائل، گھائل کر ہی لیا تھا، روبی نے پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھا، دو دن سوگ منایا ایک بہترین شخص کو کھونے کا مگر اس کا تعلق جس طبقے سے تھا، وہاں محبت دل کا روگ نہیں بنتی تھی۔

سائرہ میڈم نے مومنہ کو فون کر کے گھر بلایا تھا، وہ آفس سے سیدھی میڈم کے گھر ہی آ گئی تھی، فون پہ روزانہ ایک مرتبہ خیریت پوچھ لیتی تھی، ہر سنڈے کو لازمی ملنے جاتی تھی۔

☆☆☆

"عمر! اٹھو بھئی، اتنی دیر ہو گئی ہے۔" سائرہ میڈم اس کے کمرے میں آئیں تو اسے بدستور سوتے دیکھ کر حیران ہوئیں، وہ عام طور پہ تو سحر خیزی کا عادی تھا، سنڈے والے دن بھی صبح صبح اٹھ جاتا تھا۔

آج گیارہ بج رہے تھے، انہوں نے سلک کے خوبصورت پردے کھڑکیوں کے آگے سے ہٹائے تو روشنی جیسے ان ہی کی دعوت کی منتظر تھی، عمر کی آنکھیں چندھیا گئیں، فوراً آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لئے، پھر موبائل اٹھاتے وقت دیکھا تو جیسے یقین نہ آیا۔

"اوہ..... تو...... میں اتنی دیر تک سوتا رہا۔" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے تیزی سے بیڈ سے اترا تھا۔

"مما! آپ نے بریک فاسٹ کیا؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارے بنا میں ناشتہ کرتی ہوں؟" انہوں نے محبت سے کہا تھا۔

"سوری مما۔" وہ شرمندہ ہوا تھا۔

"اب فریش ہو کر آ جاؤ۔" وہ مسکرائیں اور باہر نکل آئیں۔

ڈائننگ ٹیبل پہ وہ اخبار کی جانب متوجہ تھا، چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے، موبائل کی گھنٹی نے سوچوں کا تسلسل توڑا، توقع کے عین مطابق ذیشان ہی تھا۔

"ہاں جناب کہاں ہیں آپ؟" اس نے

شگفتگی سے پوچھا تھا۔

''میں تمہارے آفس میں ہوں، تمہیں یاد کر رہا ہوں۔'' ذیشان بولا تھا۔

''یار میں اگلے آدھے گھنٹے میں تمہارے پاس ہوں گا۔'' عمر نے کہہ کر موبائل رکھا اور تیزی سے اٹھا، وہ اپنی بات کا پکا تھا، قول و فعل میں ایک تھا۔

''عمر! بیٹا مجھے آج تم سے ضروری بات کرنی تھی۔''

''جی مما۔'' عمر متوجہ ہوا۔

''بیٹا! تم اگر روبی سے شادی نہیں کرنا چاہتے مت کرو، مگر مجھے اجازت دو کہ میں تمہارے لئے کوئی لڑکی دیکھوں، کتنے لوگوں نے رابطہ کیا ہے۔'' سائرہ میڈم فکر مند تھیں، اکلوتے بیٹے کے سر پہ سہرا سجانے کا ارمان انہیں عام مڈل کلاس عورتوں جیسا ہی تھا، عمر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

''مما! ابھی کچھ وقت دیں اور جس فیملو سے رشتے آرہے ہیں، میرا وہاں نہ آج اور نہ کبھی کرنے کا ارادہ نہیں، میری ترجیحات کچھ اور ہیں۔'' عمر ولید نے صاف گوئی سے کہا۔

''مثلاً؟'' سائرہ میڈم نے استفسار کیا، وہ اکتا گئیں تھیں عمر کی شادی میں تاخیری حربے ڈالتے دیکھ کر۔

''اس کا جواب میں رات میں دوں گا، کیونکہ مجھے ابھی ذیشان سے ملنا ہے۔''

''عمر! تم اپنے جوتے، کپڑے، گاڑی اور دوسری چیزیں ہمیشہ اعلیٰ کوالٹی کی لیتے ہو نہ؟ تو چیزوں میں کوالٹی کے معاملے میں تم کمپرومائز نہیں کرتے، مگر اب انسانوں کے معاملے میں تمہاری سوچ مجھے الجھا رہی ہے، بہت بڑے اعلیٰ گھرانوں سے رشتے موجود ہیں، تمہیں دلچسپی نہیں ہے؟''

''مما! وہ گھرانے جن کا آپ ذکر کر رہی ہیں بلاشبہ مال و دولت کے اعتبار سے بہت بڑے ہوں گے، مگر خاندانی رکھ رکھاؤ سیرت و کردار کے لحاظ سے بڑے نہیں، آپ ان کے حسب و نسب سے ناواقف ہیں، ہماری سوسائٹی کی لڑکیوں کو اگر آپ دیکھ لیں تو افسوس کریں گی، وہ اس قابل نہیں کے کسی شریف خاندان کی بہو بن سکے، مما اگر ہم ٹھیک ہیں تو ہمارے ساتھ جڑے لوگوں کا ٹھیک ہونا بھی ضروری ہے۔''

''تمہیں شاید کوئی غریب لڑکی پسند آگئی ہے؟'' وہ مشکوک ہوئیں۔

''محبت میں یہ سب نہیں دیکھا جاتا مما، امیری..... غریبی کوئی معنی نہیں رکھتی، انسان اہمیت رکھتا ہے۔'' عمر نے ان کے جواب میں اس بات سے انکار نہیں کیا کہ وہ کسی کو پسند نہیں کرتا۔

''بیٹا! نام کیا ہے اس لڑکی کا جس نے میرے خوبرو لائق فائق بیٹے کو اپنا اسیر کر لیا ہے۔'' میڈم نے اشتیاق سے پوچھا۔

''وقت آنے پہ بتاؤں گا، ابھی جلدی ہے، مجھے جانا ہے۔'' عمر کھڑا ہوا گھڑی دیکھتے ہوئے اس کا آفس دس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔

''یہاں ہے یا امریکہ؟'' میڈم نے اسے جاتے دیکھ کر تیزی سے پوچھا تھا۔

''سسپنس برقرار رہنے دیں۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں تھا، لیکن پھر دوبارہ پیچھے مڑ کر اس نے میڈم کو دیکھا۔

''مما! آپ کو اس کے غریب ہونے پہ اعتراض تو نہیں ہوگا۔'' عمر نے پوچھا۔

''بیٹا! جب تمہیں اعتراض نہیں ہے تو میں تمہاری ماں ہوں، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور عمر ولید کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

''تھینک یو مما جان۔'' عمر بے حد سکون سے بولا تھا۔

''کون لڑکی ہوسکتی ہے، یہاں آفس، گھر یا جم اس کا حلقہ احباب اتنا وسیع نہیں ہے، وہ زیادہ سوشل بھی نہیں ہے اور جہاں تک میں جانتی ہوں، اس کی کوئی لڑکی دوست بھی نہیں ہے۔'' سائرہ میڈم نے سوچا، مومنہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

''امریکہ میں ہوگی۔'' انہوں نے حتمی انداز میں سوچتے ہوئے فون اٹھایا۔

مومنہ کو فون کرکے بلانے کا اور اس سے ڈسکس کرنے کا ارادہ تھا، مگر یاد آیا وہ اس وقت آفس میں ہوگی، مصروف ہوگی، سوچتے ہوئے انہوں نے موبائل واپس رکھ دیا، مومنہ ہی تھی جس سے وہ بلا جھجک اپنا ہر مسئلہ شیئر کرسکتی تھیں۔

''جو بھی ہوگی وہ مجھے بہت عزیز ہوگی، کیونکہ وہ میرے اکلوتے بیٹے کی پیاری سی دولہن ہوگی۔'' انہوں نے اطمینان سے سوچا تھا۔

☆☆☆

مومنہ دھیمے سروں میں گنگناتی ہوئی جلدی جلدی سلاد بنا رہی تھی، ایک سنڈے کا دن ہی تو اپنا دن ہوتا تھا، جب وہ خود کوکنگ کرتی تھی، ورنہ امی پکاتی تھی، آج صائمہ خالہ اور علی آرہے تھے، وہ دل و جان سے رات کے کھانے کی تیاری کررہی تھی۔

''السلام علیکم! بڑی خوش نظر آرہی ہو؟'' علی نے کچن میں جھانکتے ہی اس کے دھیمے سروں کی گنگناہٹ سن لی تھی۔

''وعلیکم السلام! خوش تو میں ہمیشہ ہی رہتی ہوں۔'' مومنہ خوشدلی سے بولی تھی اور اٹھ کے خالہ سے ملنے آئی۔

''السلام علیکم!'' صائمہ خالہ کے مقابل آکر اس نے بڑے ادب سے سلام کیا تھا۔

''کیسی ہو؟'' انہوں نے رسماً پوچھا۔

''اللہ پاک کا شکر ہے، آپ سنائیں خالہ؟'' مومنہ نے دھیمے سے کہا۔

''آج چھٹی تھی؟'' انہوں نے غور سے مومنہ کو دیکھا، جو گہرے سبز سوٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی، سادگی میں بھی بے حد دلکش لگ رہی تھی۔

''جی سنڈے کو آف ہوتی ہے۔''

''مومنہ! تم نے تو اپنا جہیز وغیرہ کافی بنالیا ہوگا؟'' خالہ نے کھلے پن سے کہا تھا۔

''ابھی تو کچھ نہیں بنایا، وقت پہ ہی بنائیں گے۔'' امی نے جواب دیا۔

''وقت پہ تو وہ بناتے ہیں جنہیں پیسوں کا کوئی ایشو نہیں ہوتا، جہاں دال روٹی مشکل ہو رہی ہو وہاں تو ایسی تیاریاں بیٹی کی پیدائش پہ ہی شروع ہو جاتی ہیں۔'' صائمہ نے انہیں ان کی اوقات یاد دلائی تھی، علی سمیت تینوں نفوس خاموش تھے۔

''خالہ! سچی کہوں تو میں نے ابھی تک جہیز کا سوچا ہی نہیں تھا، مگر اب آپ نے کہا ہے تو سوچنا پڑے گا۔'' مومنہ کچھ دیر بعد بولی صائمہ پہلو بدل کے رہ گئیں۔

''مومنہ! یہ نوکری تمہاری مردوں کے ساتھ کام کرنا ہمیں پسند نہیں ہے اسے چھوڑ دو، اب گھر سنبھالو۔'' صائمہ خالہ نے رعب سے کہا۔

''خالہ! اگر نوکری چھوڑ دی تو جہیز کیسے بناؤں گی؟ ابھی تو کچھ بھی نہیں کیا ہے۔'' مومنہ بھولپن سے بولی تو صائمہ جل کے رہ گئیں۔

''بی بی چار پیسے کماتے ہی تمہارے منہ میں

زبان آ گئی ہے۔'' صائمہ نے غصے سے اسے گھورا۔

''مومنہ! کھانا لگاؤ۔'' صالحہ کے کہنے پہ مومنہ اٹھی، کھانا لگتے ہی خوشبو پھیل گئی، کھانا بے حد رغبت سے کھاتے ہوئے ان کے ذہن میں نہیں تھا کہ یہ مومنہ نے بنایا ہے۔

''کھانا کیسا ہے؟'' امی نے پوچھا۔

''بہت لذیذ۔'' علی بے ساختہ بولا۔

''تم بھی کچھ سیکھ لو بی بی، زبان چلانا تو بڑی جلدی سیکھ گئی ہو۔'' صائمہ خالہ نے طنز سے کہا۔

''خالہ یہ سب کھانا میں نے خود بنایا ہے۔'' مومنہ نے اطمینان سے کہا تو وہ بے یقینی سے دیکھتی رہ گئیں۔

''مومنہ! اب نمرا سے بھی اچھا بنانے لگی ہے۔'' امی بولیں، صائمہ خاموش رہیں، مومنہ آہستہ آہستہ برتن سمیٹ کر چپ چاپ کچن میں آ گئی۔

چائے بناتے ہوئے وہ بڑی افسردہ تھی، کتنے اہتمام سے آج اس نے تیاری کی تھی مگر صائمہ خالہ کے رویے نے اس کا دل دکھا دیا تھا، چائے بناتے ہوئے وہ بڑی تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

''مومنہ! تم اتنی اداس کیوں ہو؟'' علی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تم نہیں جانتے؟'' مومنہ کا لہجہ شکوہ کناں تھا۔

''شاید۔'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ہونہہ، مجھے پتا ہے علی تم شاید نہیں یقیناً جانتے ہو۔'' مومنہ کے انداز میں بھرپور یقین تھا، علی اس کے یقین پہ چپ ہو گیا۔

''خالہ کے دل میں میرے لئے اک گرہ پڑ گئی ہے اور میری کوشش کے باوجود وہ اس گرہ کو کھول نہیں رہی ہے۔'' مومنہ بولی۔

''یہ تمہاری سوچ ہے۔'' علی نرمی سے بولا۔

''یہ میرا یقین ہے۔'' مومنہ اٹل انداز میں بولی۔

''وہ بڑی ہیں۔'' علی نے سرزنش کی۔

''بڑے ہونے کا مطلب ہے کہ وہ مجھے شرمندہ کریں، میری انا خودداری پہ ضرب لگائیں میں نے کیا برا کیا ہے؟'' مومنہ تپ گئی۔

''مومنہ! بس کرو یار، جذباتی مت ہو، ای کی تو عادت ہے۔'' علی جھنجلا کے بولا، وہ مومنہ کی حساسیت سے تنگ تھا۔

''علی! میں جذباتی ہو رہی ہوں۔'' مومنہ بے حد دکھ سے گویا ہوئی، اس کے ہونے والے ہم سفر کو اس کی عزت نفس کی قطعی پروا نہیں تھی جب کہ محبت کے دعوے بڑے بڑے بلند تھے۔

مومنہ کچھ کہتے کہتے رک گئی، بحث و مباحثے سے اسے پتہ تھا فائدہ نہیں ہوگا، وہ مہمان تھے، ضبط کر کے چائے اندر دے کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی، لیکن دل کی اداسی کہیں چین نہیں لینے دے رہی تھی، علی اس کی حمایت کیا کرتا وہ اس کے دکھ کو سمجھنے سے قاصر تھا، علی کی یہ بے نیازی اس کے دکھ میں اضافے کا سبب بن رہی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں ہی تھی جب خالہ اور علی چلے بھی گئے اور جاتے ہوئے کسی نے اس سے ملنا گوارا نہ کیا۔

صائمہ خالہ نے علی کا رشتہ کر تو دیا تھا، مگر اسے بدگمان کر دیا تھا، علی کانوں کا کچا مرد تھا، ماں بہنوں کے آگے غلط بات پر بھی اپنا موقف پیش نہ کر پاتا، اس کی یہ کمزوری اس کے اور مومنہ کے تعلق کو کمزور کر رہی تھی، مگر اسے احساس نہیں تھا۔

☆☆☆

مومنہ کو صبح سیکرٹری رباب کا پیغام ملا، عمر

ولید نے اسے بلایا تھا، وہ عمر کے آفس کی طرف آئی، آفس میں عمر ولید اس وقت نہیں تھا، وہ کسی کام سے ابھی باہر نکلا تھا، اس نے اپنے روم کی سیٹنگ پھر چینج کی تھی، اس کی سجاوٹ قابل دید تھی۔

سب فریم اسلامی تھے، آیات مبارکہ کے ترجمے اور احادیث مبارکہ سے سجے ہوئے تھے، خطاطی کا خوب صورت نمونہ تھے، اندر کا ماحول متاثر کن تھا، چاروں طرف لکڑی کی الماری میں کتابیں سجی تھیں، اس کے ساتھ ہی شیشے کی ٹیبل پر ٹرافیاں اور شیلڈ سجی تھیں جو یقیناً عمر ولید کو بہترین کارکردگی پہ دی گئی تھیں۔

''السلام علیکم!'' وہ احترام سے کھڑی ہوئی۔

''پلیز تشریف رکھیے اور معذرت خواہ ہوں، آپ کو انتظار کرنا پڑا۔'' عمر ولید نے نرمی سے کہا۔

''نو پرابلم سر۔'' مومنہ کو اس کی عاجزی بہت بھائی تھی، وہ اس کی ایمپلائی تھی، اس سے سیلری لیتی تھی، مگر وہ صرف اس سے نہیں تمام ایمپلائز کے ساتھ یکساں سلوک رکھتا تھا، یہ خاصیت سائرہ میڈم میں بھی تھی۔

''مس مومنہ! میں چاہ رہا تھا کہ آپ خود ایک بار نئی فیکٹری کا وزٹ کریں اور ورکرز کے ساتھ جو بھی ڈسکشن چاہتی ہیں وہ کریں، کیونکہ اس طرح فون پہ یا آن لائن سمجھانے سے کچھ نہیں ہوگا، آپ بھی نئی ہیں اس لئے اپنے ورکرز اور کولیگز سے ملنا بہت ضروری ہے آپ کا۔'' عمر مکمل طور پر باس کے روپ میں تھا اور انداز کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی ایسا ہی تھا، پروفیشنل۔

''اوکے لیکن مجھے پندرہ سے بیس منٹ درکار ہیں کیونکہ فی الحال میری ٹیبل پہ کچھ کام ادھورا پڑا ہے، مجھے آج ایک ڈیزائن کو پلیٹ کرنا تھا۔'' مومنہ نے کچھ وقت مانگا۔

''ٹھیک ہے آپ کمپلیٹ کر لیں، تب تک میں بھی فارغ ہو جاتا ہوں۔'' عمر نے اثبات میں سر ہلایا اور مومنہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

عمر ایک فائل پہ ڈیزائن دیکھنے میں مگن ہو گیا تھا، اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا، مومنہ اپنا کام مکمل کر چکی تھی۔

''سر! گاڑی تیار ہے اور مس مومنہ بھی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔'' پیون کی آواز پہ عمر ولید چونکا۔

گھڑی دیکھتے ہوئے تیزی سے موبائل اور لیپ ٹاپ لے کر آفس سے باہر نکل آیا۔

اور جیسے ہی آفس بلڈنگ سے باہر آیا، مومنہ کو گاڑی کے پاس انتظار کرتے دیکھ کر قدم ٹھٹک سے گئے، وہ بلیک اور ریڈ کلر کے سوٹ میں ملبوس چہرے کے گرد اچھی طرح دوپٹے کا ہالہ بنائے بلیک گلاسز لگائے کھڑی اس لمحے اسے بے پناہ دلکش سی لگی اور اس پر اتفاق یہ کہ علی جو مومنہ سے ملنے آیا تھا، اسے دور سے ٹھٹک کے دیکھ رہا تھا۔

''سر پلیز۔'' ڈرائیور نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولا، وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے تھے، گاڑی علی کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی، علی نے بے حد الجھن اور بے یقینی سے اس منظر کو دیکھا تھا، بے یقینی رفتہ رفتہ شدید غصے میں تبدیل ہو رہی تھی، وہ ساکت کھڑا تھا، غصے سے برا حال تھا۔

''مس مومنہ! میرا خیال ہے آپ کو ڈرائیونگ سیکھنی چاہیے۔'' عمر ولید نے خاموشی کے سکوت کو توڑا، عمر کب سے یہ بات کرنا چاہ رہا تھا مگر وقت نہیں مل رہا تھا۔

''سر! میں ڈرائیونگ سیکھ کے کیا کروں

کی؟" مومنہ نے استفسار کیا تھا۔

"کمپنی کی طرف سے گاڑی کی سہولت موجود ہے، ڈرائیور میسر ہے، آپ کو مگر پھر بھی ڈرائیونگ آنی چاہیے، میں آپ کا کسی اچھے ڈرائیونگ سینٹر میں ایڈمیشن کروا دوں گا، آپ ایک دو دن میں جوائن کر لیجیے گا۔"

مومنہ کو بھلا کیا پرابلم تھا اس نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔

"تھینک یو سر۔" اس نے بہت نپے تلے سے انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"یو ویلکم، مگر ایک بات بتائیں جب آپ ڈرائیونگ سیکھ جائیں گی تو سب سے پہلے ڈرائیو پہ لے کر جائیں گی؟ اپنی کسی فرینڈ یا فیملی ممبر کو؟" عمر نے کافی دلچسپی سے پوچھا تھا اور گاڑی کی گلاس ونڈو سے باہر دیکھتی مومنہ نے عمر ولید کے چہرے کی سمت دیکھا اور توقف سے جواب سے نوازا۔

"امی کو۔" عمر ولید مسکرا دیا جواب حسب توقع تھا، گاڑی فیکٹری کے پارکنگ ایریا میں رک چکی تھی۔

"آیئے۔"

فیکٹری میں سب لوگوں سے ملاقات بہت اچھی رہی تھی، آج کا دن بہت بزی تھا، وہ فیکٹری سے واپس سات بجے آئی تھی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، علی کی صورت میں ایک بے سکونی اس کی منتظر تھی۔

"مومنہ! تم آج کہاں تھی میں تمہارے آفس آیا مگر تم آفس میں نہیں تھی۔" وہ خطرناک تیور لیے سامنے تھا۔

"میں آج باس کے ساتھ نئی فیکٹری گئی تھی ورکرز اور کولیگز کے ساتھ میٹنگ تھی۔" مومنہ نے سادگی سے سچائی بیان کی، اس کا دل صاف تھا۔

"مومنہ! مجھے تمہاری جاب پسند نہیں، تم اس کام کو چھوڑ دو۔" علی تلخ ہوا۔

"علی ہوا کیا؟" مومنہ بے حد تھکی ہوئی تھی، اس وقت کسی بحث و مباحثے میں پڑنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"تم ایک ضدی لڑکی ہو۔" علی کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا مگر دروازے سے نمرا اپنی ساس کے ہمراہ آتیں دیکھیں تو چپ ہو گیا، مومنہ کپڑے چینج کر کے آئی، امی کچن میں چائے بنانے لگیں تھیں، وہ ان کے پاس بیٹھ گئی تھی، علی دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کے رہ گیا اور اٹھ کر چلا گیا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" نمرا بے حد حیرت سے بولی تھی، مومنہ مسکرائی۔

"ویسے ہی مجھ سے ناراض تھا۔"

"تم سے ناراض تھا مجھ سے نہیں، مجھ سے ایسا بی ہیور کی وجہ؟ اتنی دور سے میں آئی ہوں۔" نمرا بے حد دکھ سے بولی تھی، علی کو بھائی سمجھتی تھی۔

مومنہ تھک چکی تھی رات کو جلدی بستر پہ آ گئی، علی کی ناراضگی اسے فکر مند کر رہی تھی، اس نے علی کو فون کرنا چاہا مگر علی نے پہلے نمبر بزی کیا اور پھر موبائل آف کر دیا، مومنہ کو بے حد افسوس ہوا۔

"علی تم اتنے انا پرست کیوں ہو؟" مومنہ نے دل ہی دل میں شکوہ کیا تھا۔

بہت دنوں سے کوئی نہ کوئی رنجش ان کے درمیان چل رہی تھی، مومنہ بے حد اداس ہو جاتی تھی۔

وہ اپنا کام محنت اور دیانتداری سے قائل تھی، کرنے کی اس نے کبھی کام سے جی نہیں چرایا تھا۔

آنے والے دنوں میں علی کو لاہور جانا پڑ

گیا، مومنہ آج کل آفس سے دو بجے فری ہو کر پانچ تک ڈرائیونگ کی کلاسز لے رہی تھی، صالحہ، نمرا اور میڈم سائرہ بے حد خوش تھیں، اس نے علی کو بھی بتا دیا تھا، مگر علی نے محض اچھا، کہہ کر فون رکھ دیا تھا، نمرا سمجھی تھی وہ مصروف ہوگا، مگر اس کی بے رخی مومنہ محسوس کر گئی تھی۔

''آج میں آپ کو اور نمرا کو سمندر پہ لے کر جاؤں گی۔'' مومنہ نے ڈرائیونگ بہت جلدی سیکھ لی تھی، اسی خوشی میں وہ ٹریٹ دے رہی تھی۔

''ویسے یہ ٹریٹ تمہیں ہمیں نہیں کسی اور کو دینی چاہیے؟'' نمرا نے کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''سوچو ذرا۔'' نمرا نے مسکرا کر کہا۔

''میری ہر کامیابی میں میڈم سائرہ اور سر عمر ولید کا ہاتھ ہے۔'' مومنہ نے اعتراف کیا۔

''جن لوگوں کا تمہاری کامیابی میں ہاتھ ہے ان لوگوں کو آج تمہارے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔'' نمرا نے توجہ دلائی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں بھی سوچ رہی ہوں کہ میڈم کو دعوت دوں۔'' مومنہ بولی۔

''صرف میڈم کو؟'' نمرا نے ٹوکا۔

''سر کو، میں دعوت دیتی عجیب لگوں گی۔'' مومنہ جھجکی۔

''میڈم سے کہہ دینا۔'' نمرا نے آئیڈیا دیا۔

''نہیں، یہ مناسب نہیں لگتا، نجانے دیکھنے والے کیا سوچیں۔'' مومنہ کو اپنی ساکھ عزیز تھی۔

''ہاں یہ بات تو صحیح ہے۔'' نمرا کو بھی عقل آئی تھی۔

آج مومنہ گاڑی خود ڈرائیو کرتی ہوئی امی اور بہن نمرا کو ساتھ لے کر آئیں تھیں، آج اس خوشی کے موقع پر اسے اپنے ابو بہت یاد آ رہے تھے، یہی کیفیت امی اور نمرا کی بھی تھی، جب ہی سب کچھ لمحے کے لئے چپ ہو گئی تھیں۔

مومنہ نے ریسٹورنٹ پہنچ کر سائرہ میڈم کو فون کر دیا تھا، وہ بھی بیس منٹ میں پہنچ گئیں تھیں۔

چاروں نے کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا تھا، کھانے کے بعد سائرہ میڈم کے اصرار پہ سب نے سمندر کا رخ کیا، اس دوران عمر ولید نے میڈم کو فون کیا تو انہوں نے اسے بھی بلا لیا تھا، وہ جب تک آیا سب گھر جانے کے لئے تیار تھیں، آج کا دن سب نے بہت انجوائے کیا تھا، عمر ولید والدہ کو لے کر گھر روانہ ہوا وہ بھی گاڑی میں آ بیٹھیں۔

''ایسے کرو، گاڑی واپسی میں خالہ کی طرف موڑ لو، ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔'' نمرا نے کہا۔

''ہاں، یہ ٹھیک رہے گا، ایسا کرنے سے وہ خوش ہو جائے گی، علی ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔'' امی نے بھانجے کو یاد کیا۔

''پتہ نہیں خوش ہوتا یا تنقید کرتا۔'' مومنہ نے دکھ سے سوچا اور گاڑی ان کے گھر کی طرف موڑ لی۔

''امی! اچھی سے مٹھائی بھی لے لیتی ہوں۔'' مومنہ نے گاڑی مشہور شاپ کے آگے روکی۔

خالو، خالہ اچانک دیکھ کر حیران ہوئے، کچھ پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

ان کی بیٹی ثنا کا کچھ مسئلہ تھا۔

''اچانک خیریت؟'' خالو بوکھلا گئے۔

''بھائی ویسے ہی دل چاہ رہا تھا، آپ لوگوں سے ملنے کو۔'' امی نے اپنائیت سے کہا۔

''اچھا کیا مگر صالحہ وقت دیکھ کر نکلا کرو، جوان لڑکیوں کا ساتھ ہے۔''

''واپسی میں یہاں سے رکشے کم ہی ملتے ہیں۔'' صائمہ نے ٹوکا، تینوں شرمندہ سی ہو گئیں تھیں۔

''خالہ! ہم مومنہ کے ساتھ آئیں ہیں، مومنہ کو گاڑی کمپنی کی طرف سے ملی ہے، مومنہ کو ڈرائیونگ بھی آ گئی ہے۔'' نمرا نے سادگی سے کہا تھا۔

''اچھا! خالو بے حد حیرت سے نوعمر نوخیز مومنہ کو دیکھ رہے تھے، جس کے چہرے پہ ایک خاص بھولپن نمایاں تھا۔'' صائمہ کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

خالو، مومنہ سے جاب کی تفصیل پوچھنے لگے تھے، ثنا نے حسد سے مومنہ کو دیکھا تھا، جس نے آسانی سے سب کچھ پالیا تھا، اس کے بھائی جیسا لائف پارٹنر اس کا منگیتر تھا اور صرف اس کا ہی تھا، مالی حالات ان کے جس تیزی سے بدلے تھے، اس پہ حیرت ان لوگوں کو تھیں۔

چائے پی کر وہ ایک گھنٹے میں واپس آ گئیں تھیں، نمرا کو ڈراپ کر دیا تھا، آج کل دن بے حد تھکا دینے والا مگر یادگار تھا، یہ سب رپورٹ بڑھا چڑھا کر صائمہ خالہ نے علی کو بتایا تھا، علی کا موڈ وہاں ہی خراب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دو دن بعد علی ان کے گھر تھا اور مومنہ سے گاڑی اور ڈرائیونگ کرنے پر بحث کرتا تھا۔

''علی! مجھے صرف یہ کہنا ہے تم معاشرے کے عام لوگوں کی طرح مت سوچا کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے، مجھے جینے کا حق دو، میں اپنی فیملی کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہوں، مجھے کچھ وقت دو، میں صرف تم سے محبت کرتی ہوں۔'' مومنہ کی آنکھوں میں علی کے لئے اتنی محبت تھی کہ علی کچھ کہہ نہیں پایا۔

مومنہ نے اس کی پسند کا کھانا تیار کیا تھا، وہ گھر سے جاتے ہوئے بے حد اچھے موڈ میں تھا، مومنہ بھی اطمینان سے سوگئی تھی، ورنہ علی کی ناراضی کے باعث ایک الجھن سی رہتی تھی۔

☆☆☆

آفس سے نئے پروجیکٹ کے باعث میں حد مصروفیات تھی، علی آج فون پہ فون کر رہا تھا، وہ ہینڈ فری موبائل پر لگا کر بات کر لیتی تھی، ورنہ وہ ناراض ہو جاتا تھا، وہ ان مردوں میں سے تھا، جو بیوی کی ہمہ وقت مکمل توجہ چاہتے ہیں یا ہم وقت ان کے اعصاب پہ سوار رہتے ہیں۔

علی نے بتایا تھا، ثنا کی منگنی ٹوٹنے کے قریب ہے، اسے افسوس ہوا تھا، ثنا جیسی بھی صحیح مگر اس کی خالہ زاد تھی اور ایک لڑکی تھی، ہر لڑکی خواب دیکھتی ہے، وہ اس منگنی پہ بہت خوش نظر آتی تھی۔

کچھ دن ہی امن کے گزریں ہونگے کے نجانے علی کو صائمہ خالہ نے کیا کہا، وہ بڑا تلخ رہنے لگا تھا، فون پہ بڑی بے مروتی اور بدلحاظی سے پیش آ رہا تھا، اس دوران ثنا کی منگنی ختم ہو گئی اور خالہ کا غصہ بڑھ گیا تھا، مومنہ برداشت سے کام لے رہی تھی کے وہ پریشان ہیں۔

وہ عمر ولید کے ساتھ آفس روم کے سامنے کھڑی تھی، انہیں فائل دینے جا رہی تھی کہ وہ انہیں راستے میں ہی مل گئے تھے۔

اس دوران علی اچانک سیڑھیاں چڑھتا ہوا ان کے سامنے آ گیا تھا، مومنہ نے حیرت سے اسے دیکھا، اس سے پہلے وہ کوئی تعارف کروا پاتی یا کچھ کہتی علی نے اس کی کلائی پکڑی تھی اور اسے لے کر وہاں سے نکلنے لگا، وہ اس کی ہمت پہ حیران رہ گئی تھی اور حیران تو عمر ولید بھی بہت ہوا تھا۔

''ایکسکیوز می! کون ہیں آپ؟ اور اس

طرح زبردستی کہاں لے جارہے ہیں مومنہ کو؟''
عمر ولید نے بے حد غصے سے کہا۔
''یہ میری منگیتر ہے، اس پر صرف میرا حق بنتا ہے۔'' علی نے اس کسرتی جسامت اور اونچے لمبے قد والے ہینڈسم لڑکے کو دیکھ کر طنز سے کہا۔
دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ، ریل گاڑی جیسے عمر کے اوپر سے گزر گئی تھی، وہ شدید شاک کی کیفیت میں تھا، درد کی شدید لہر اس کے جسم میں اٹھی تھی، وہ بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا، سکتے کی کیفیت میں کھڑا بظاہر، مگر بہت تکلیف میں تھا۔
''چھوڑو میرا ہاتھ، یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' مومنہ نے اپنی نازک کلائی اس کی گرفت سے چھڑانا چاہی۔
''تم بہت تیز جارہی ہو، بہت اونچا اڑ رہی ہو تمہارے پر کاٹنے پڑیں گے۔'' وہ طنز سے بولا۔
''علی چھوڑ میرا ہاتھ تمہیں پتہ ہے تم جیسے میرا ہاتھ پکڑ کر لائے ہو، تمہیں پتہ ہے اس کا اثر میری ساکھ پر کیا پڑے گا؟ کیا سوچیں گے لوگ میرے بارے میں؟ تمہیں اس کی فکر نہیں ہے اور نہ ہوگی۔'' مومنہ غصے سے بولی تھی اور اس سے ہاتھ غصے سے چھڑا کر اسے پرے دھکیل دیا تھا۔
مومنہ کی آنکھوں میں نمی تھی جو علی سے پوشیدہ نہیں تھی، مگر اس وقت وہ بے حس اور سفاک ہوگیا تھا۔
''تمہیں صرف لوگوں کی فکر ہے میری کوئی پرواہ نہیں ہے؟ مومنہ وہ کون تھا اور کیوں اتنا مہربان ہے؟ تم دونوں کے درمیان جو بھی تعلق ہے مجھے بتادو؟''
''علی! مجھ سے اس طرح سطحی مردوں کی طرح گھٹیا باتیں مت کرو، تم مجھے بچپن سے جانتے ہو۔''
''میں چاہتا ہوں، تم یہ جاب چھوڑ دو۔'' علی نے حکمانہ انداز میں کہا۔
''فی الحال میں ایسا نہیں کرسکتی۔'' مومنہ دو ٹوک انداز میں بولی۔
''یہ اتنا مشکل فیصلہ تو نہیں ہے۔'' علی نے تمسخر اڑایا۔
''میرے لئے ہے۔'' مومنہ اٹل انداز میں بولی تھی۔
''تو تم جاب نہیں چھوڑنا چاہتی؟'' علی نے بے حد غصے سے پوچھا۔
''جاب؟ میں چھوڑنا چاہتی ہوں مگر ابھی نہیں، مجھ پر گھر کی ذمہ داری ہے، تم جانتے ہو۔'' مومنہ نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تھا۔
''میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم لڑکی ہو، تم جیسی لڑکیوں کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا کوئی کردار نہیں ہوتا۔'' علی نے سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بہت زہریلے انداز میں کہا تھا۔
''خدا کے لئے علی چپ ہوجاؤ، مزید کچھ کہا تو ہمیشہ کے لئے میری نظروں سے گر جاؤ گے۔'' مومنہ کے دل میں اذیت کی لہریں اٹھنے لگیں۔
''اور سنو آئندہ تم نے ایسی کوئی بات کی تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' مومنہ نے حتمی لہجے میں کہا، وہ چلا گیا تھا، مومنہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں تھیں، اس تماشے کے بعد آفس میں رکنے کا سوال ہی نہیں ہوتا تھا، سب کا سامنا کیسے کرتی، سو خاموشی سے گھر آگئی علی کے توہین آمیز رویے کا اسے شدید دکھ تھا، تیز بخار نے اسے گھیر لیا، امی پریشان ہوگئی تھیں، اس نے بھی صاف بتادیا، انہیں علی کی ذہنیت پہ دکھ ہوا، منگنی کرکے بیٹی بیچ نہیں دی تھی، جس کا جو دل چاہے سلوک کریں۔

شام میں نمرا فکر مندی سے دوڑی آئی تھی، ای نے آج کے واقعے کے بارے میں بتایا تو اسے بھی بہت رنج پہنچا تھا، وہ علی سے یہ توقع نہیں کر سکتی تھی، اتنا ارزاں جانا ہے مومنہ کو، پہلے تو منگنی نہیں ہوئی تھی تو ایک جھلک دیکھنے کو ترستا تھا اور آج یہ قدر کر رہا ہے، نمرا نے سوچا۔

☆☆☆

عمر کیسے گھر آیا، کیسے حوصلہ پیدا کیا، یہ وہ ہی جانتا تھا، اس کے سر پہ آسمان گر گیا ہو جیسے پیروں تلے زمین نہ رہی ہو، وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا، میڈم سائرہ تین دن کے لئے ایک این جی او کے ساتھ سندھ کے دیہی علاقوں میں گئی تھیں، گھر میں بھی چین نہیں آیا تھا اس رات سڑکوں پر بے سبب گاڑی دوڑاتے وہ اپنی روح کے ماتم سے بر سر پیکار رہا، رات کے آخری پہر وہ بھوکا پیاسا آ کر بے سدھ پڑ گیا تھا۔

صبح دوسرے دن بھی وہ یوں ہی پڑا رہا کمرے سے باہر نہیں نکلا، رات کے آخری پہر وہ اٹھا، دودھ کا ڈبہ نکال کر اس نے اپنے لئے اسٹرونگ سی چائے تیار کی تھی۔

خالی پیٹ چائے تیزاب کی مانند لگ رہی تھی، اچانک کسی کی یاد ابھری تھی، اس نے سر جھٹک کر موبائل ڈھونڈنا چاہا، تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے موبائل مل گیا، نومسڈ کال دیکھ کر اپنی مما کی وہ بری طرح شرمندہ ہوا، موبائل سائلنٹ پہ تھا۔

اس نے اندر کی گھٹن کم کرنے کے لئے کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے تھے، ای کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''عمر!'' دوسری ہی بیل پر کال ریسو کر لی گئی تھی، رات کے آخری پہر بھی انہوں نے دوسری بیل پہ کال ریسو کر لی تھی، وہ یقیناً پریشانی میں گھری رات بھر سو نہیں سکی تھیں، ماں کی پریشانی کے خیال نے اسے پشیمانی میں گھیر لیا۔

''مما...... مما جان۔'' وہ بہت ٹوٹ گیا تھا۔

''عمر میری جان، میرے بیٹے کہاں ہو تم؟ دو دن سے تم نے فون ریسو نہیں کیا۔'' ان کی آواز میں بے چینیاں ہمک رہی تھیں۔

''مما! موبائل خراب تھا۔'' اس نے جھوٹ بولا اور جھوٹ بولتے ہوئے اسے بہت شرم آئی تھی۔

''اتنے بڑے ہو کر ماں سے جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آئی۔'' ان کی ڈانٹ میں بھی محبت کی شیرینی تھی، کچھ دیر ان سے فون پہ بات کر کے وہ یوں ہی کھڑکی کے پار اندھیرے میں کسی غیر مرئی نقطے کو تلاشتا رہا۔

''ہیلو! ذیشان مجھ سے گھر پہ مل تو یار۔'' عمر نے اپنے دوست کو فون کر کے کہا۔

''او کے۔'' وہ ذیشان تھا، اس کا واحد بچپن کا دوست بے حد مخلص، اسے سمجھنے والا، عمر کا پتہ تھا، اب وہ جہاں بھی ہو گا، وہاں ٹھہر نہیں سکے گا اور فوراً آ جائے گا، ایسے دوست پہ فخر ہی کیا جا سکتا تھا، ٹھیک بیس منٹ بعد وہ اس کے بیڈ روم میں تھا۔

''یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی؟'' بڑھی شیو اور سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر وہ خفگی سے بولا تھا، عمر نے اسے سب بتا دیا تھا۔

''اتنی محبت ہے تمہیں اس عام سی لڑکی سے؟'' ذیشان کی حیرانگی بجا تھی۔

''وہ عام نہیں ہے، بہت خاص ہے، بہت منفرد ہے۔'' عمر ولید نے جذب سے کہا۔

''تو تم اس سے اظہار محبت کرو؟'' ذیشان نے مشورہ دیا۔

''وہ انگیجڈ ہے۔'' عمر بے بسی سے بولا۔

''آج کل منگنی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور تم جیسے شخص کو دیکھ کر کوئی بھی لڑکی اپنے منگیتر کو آسانی سے چھوڑ سکتی ہے۔'' ذیشان مزے سے بولا۔

''تم مومنہ کو نہیں جانتے، مومنہ کا شمار ان لڑکیوں میں نہیں ہوتا۔''

''تم بات کرو۔'' ذیشان بضد تھا۔

''دل کے رشتے دل کی مرضی سے جوڑے جائیں تو خوشی ہوتی ہے۔'' عمر افسردہ تھا۔

''یار! تجھے محبت ہوئی بھی تو منگنی شدہ سے۔'' ذیشان نے لتاڑا۔

''میں نہیں مانتا، کب، کیوں، کیسے وہ پہلی نظر میں میرے دل میں سما گئی اور پہلی نظر کی محبت؟ کیا وہ بہت خوبصورت ہے۔'' ذیشان نے پوچھا۔

''ہاں، لیکن میری محبت کی وجہ سے اس کی خوب صورتی نہیں ہے، کچھ اور ہے اس میں جو مجھے متاثر کر گیا، میں اس کا اسیر ہو گیا، اس کے سحر میں مبتلا ہو گیا، میری شروع سے خواہش تھی میری شریک حیات ایک باکردار اور صاف گو لڑکی ہو، جب کسی غیر مرد سے بات کرے تو بے لچک اس کے کردار کی گواہی دے، اس سے مل کر یوں لگا جیسے منزل مل گئی ہو۔'' عمر کھوئے کھوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اور کیا خوبی ہے اس میں؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''وہ بہت اچھی ہے، اس میں سب اچھا ہے۔'' عمر مسکرایا۔

''وہ اگر تیری قسمت میں ہوئی تو ضرور ملے گی۔''

رات گئے تک دونوں باتیں کرتے رہے، ذیشان اس کا غم بانٹ کے جا چکا تھا مگر اس کے جانے کے بعد پتہ چلا غم تو وہیں کا وہیں ہے، وہ نجانے کب سوچتا سو گیا، صبح جلدی آنکھ کھل گئی تھی، مما نے آنا تھا، اپنی محبت کی ناکامی کا دکھ اس طرح نہیں منا سکتا تھا کہ پیار کرنے والی ماں کو اسے دیکھ کر دکھ ملے۔

خود کو ہر زاویے سے اس نے جائزہ لیا، میکانی انداز میں وارڈ روب کی جانب بڑھ گیا، اس کا شعور متحرک ہو گیا تھا، ہینگر میں لٹکے بلیک پینٹ اور وائٹ شرٹ کو نکالا، ایک طویل غسل لے کر وہ بالوں سے پانی انگلیوں سے جھٹکتا باہر آیا باتھ لینے سے اس کا شعور حواس قائم کر چکا تھا، بھوک کے پیٹ کا شدت سے احساس ہوا، ملازم کو ناشتہ بنانے کا کہا، وہ اس وقت فریش لگ رہا تھا، اس پر بیتی قیامت کا شبہ تک نہیں ہو رہا تھا۔

مما سے مل کر وہ آفس گیا مگر غائب دماغ رہا، مومنہ آج نہیں آئی تھی، اچھا تھا، اسے دیکھ کر غموں کو تازہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

مومنہ تین دن بعد نارمل ہوئی مگر بے حد اداس تھی۔

''کیا میرا جیون ساتھ ایسا رہے گا؟ یہ کیسی محبت کرتا ہے وہ مجھ سے؟'' مومنہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوئے جا رہی تھی۔

رات کا دوسرا پہر تھا، بجلی گئی ہوئی تھی، امی واش روم جانے کے لئے اٹھی تو کمزوری چکرا کر گر گئیں، گرتے ہی بے ہوش ہو گئی، مومنہ کے تو اوسان خطا ہو گئے، وہ ہمت ہار گئی، روتی جا رہی تھی اور چلائے جا رہی تھی۔

''امی...... امی...... آنکھیں کھولیں، کیا ہوا ہے آپ کو۔'' اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا، پھر جیسے ہوش آیا لپک کر موبائل اٹھایا، علی کا نمبر ملایا، بیل جا رہی تھی، وہ بزی کر رہا تھا، پھر

اس نے موبائل آف کر دیا، آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال رابطہ ممکن نہیں کی ٹون اسے سنائی دے رہی تھی۔

''یا اللہ!'' وہ بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی، اس نے عمر ولید کا نمبر ملایا، عمر نمبر دیکھ کر چونک گیا اور کال ریسیو کی، مومنہ کو روتا سن کر اس کا دل ڈوبا تھا، وہ بھاگتا ہوا چابیاں لے کر بیڈ روم سے نکلا تھا، کچھ ہی دیر میں تیز ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مومنہ کے گھر تھا، مومنہ کی مدد سے آنٹی کو گاڑی میں لٹایا اور ہاسپٹل بھاگا۔

کچھ دیر بعد صالحہ بیگم کو ہوش آ گیا تھا، تسبیح پڑھتی مومنہ اب مطمئن لگ رہی تھی۔

فجر کے وقت وہ گھر آ گئے تھے، امی دوائیوں کے تحت سو رہی تھیں۔

''زندگی گزارنا آسان نہیں ہے مومنہ! یہاں قدم قدم پہ رکاوٹیں ہیں، کمزور لوگوں کو دنیا بہت دباتی ہے پیس ڈالتی ہے، کبھی کسی کو یہ احساس مت ہونے دینا کہ تم کمزور ہو، مجبور ہو، لوگ مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنے اندر اعتماد اور حوصلہ پیدا کرو، اتنی ہمت اور حوصلہ کہ اپنی طرف اٹھتے ہوئے ہاتھ روک سکو۔'' عمر نے مسکراتے ہوئے آخر میں بات ختم کی تھی۔

وہ بہت نرمی سے اپنائیت اور محبت سے دوستانہ انداز میں سمجھا رہا تھا، مومنہ کو بہت حوصلہ مل رہا تھا۔

''اور مومنہ! زندگی میں کوئی مشکل مرحلہ آئے تو جھجکنا مت، میں ہر قدم پہ تمہارے ساتھ ہوں۔''

''اتنا مان دینے کا شکریہ۔'' مومنہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''زیادہ فارمیلٹیز میں مت پڑو۔'' وہ ڈپٹ کر بولا۔

''میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' مومنہ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں! تم تھک گئی ہو گی، آرام کرو، میں پھر کبھی انشاء اللہ تمہارے ہاتھوں کی چائے پینے آؤں گا۔'' عمر نے اٹھتے ہوئے شائستگی سے معذرت کی تھی۔

''سر! آپ کا پھر بے حد شکریہ آپ نے ہمیشہ میرے لئے آسانیاں پیدا کیں ہیں۔''

''جن کا تعلق دل سے ہو ان کے لئے آسانیاں ہی پیدا کیں جاتیں ہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''کیا مطلب میں کچھ بھی نہیں۔''

''میں کچھ سمجھاؤں گا بھی نہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔

''اپنی ویز آنٹی کا خیال رکھنا، ایک ہفتہ تم آرام کر سکتی ہو، آنٹی کا خیال رکھو، آفس مت آنا۔'' وہ اپنائیت سے تلقین کر کے چلا گیا تھا، مگر مومنہ اپنی جگہ پہ کھڑی تھی۔

اداس دل کی ویرانیوں میں
بکھر گئے ہیں خواب سارے
یہ میری بستی سے کون گزرا
نکھر گئے ہیں گلاب سارے
نجانے کتنی شکایتیں تھیں
نجانے کتنے گلے تھے تم سے
جو تم کو دیکھا تو بھول بیٹھے
سوال سارے جواب سارے

''بنا کسی رشتے کے اتنی ہمدردی، اتنا خلوص ان کٹھن حالات میں، میرے اپنوں سے بڑھ کر آپ نے ساتھ دیا ہے۔'' مومنہ سوچتے ہوئے تہہ دل سے مشکور ہوئی۔

''اور علی تم تو مجھ سے محبت کے دعوے دار ہو، میرے اپنے ہو لیکن کٹھن وقت میں صرف

میری مشکلات میں اضافہ کرتے ہو، یہ کیسی محبت ہے؟ کیا اسے محبت کہتے ہے۔'' صبح نمرا کو اس نے بتایا تو وہ بھی فکر مندی سے دوڑی چلی آئی، دونوں بہنوں نے امی کی خوب خدمت میں رات دن ایک کیے، ان کا میکہ صرف ماں سے ہی آباد تھا، امی ٹھیک تھیں، لیکن وہ دونوں پریشان تھیں۔

''نمرا! علی کو نجانے کیا ہو گیا ہے؟'' مومنہ کے حسین چہرے پہ تفکرات کے آثار نمایاں تھے۔

''بعض اوقات محبت کرنے والے اپنے محبوب کی ذات اور توجہ کا بٹوارہ برداشت نہیں کر پاتے اور ان کے لئے محبوب وابستہ ہر چیز قابل نفرت ہو جاتی ہے، اس کی ذات، توجہ اور محبت پہ صرف اپنا حق سمجھتے ہیں۔'' نمرا نے علی کے حق میں دلیل دی۔

''یہ خود غرضی ہے، میں اسے محبت نہیں مانتی جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں وہ آپ سے وابستہ ہر رشتے ہر شے کو مقدم جانتے ہیں۔'' مومنہ نے اس کی دلیل کا جواب دیا۔

''میں پھر بھی چاہتی ہوں کہ تم اس سے بات کرو۔'' نمرا رسان سے بولی۔

''میں بات کروں مگر کیوں؟ میرا قصور کیا ہے، اس نے مجھے ذلیل کیا ہے، آفس میں میرا تماشہ بنا دیا ہے، وہ کیا چاہتا ہے ہم گھر میں بیٹھ کر فاقے کریں یا خالہ کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور ان کے طعنے سہیں، میں نے امی کے لئے رات فون کیا اس نے یہ بھی نہیں سوچا رات کے آخری پہر ہم دو تنہا عورتیں گھر میں رہ رہی ہیں، کہیں کوئی مسئلہ نہ ہو گیا ہو، اس نے موبائل آف کر لیا، سرعمر نیند سے اٹھ کر ڈیفنس سے ایف بی ایریا آ گئے اور وہ قریب سے نہ آ سکا۔'' مومنہ بے حد جذباتی ہو گئی تھی۔

''میں تمہاری سب باتوں سے متفق ہوں، اس نے غلط کیا ہے مگر آخری موقع دو۔'' نمرا نے سنجیدگی سے کہا تھا، مومنہ محض گہرا سانس لے کر رہ گئی تھی۔

مومنہ جو بے حد حساس اور خوددار لڑکی تھی، ایک مرتبہ پھر اتنی ذلت اور بے عزتی کو پس پشت بھلا کر علی کو منانے کے لئے رضامند تھی، اس نے میسج کیا، مگر دوسری طرف بدگمانی اتنی شدید تھی کہ اسے مومنہ پہ اب اعتبار شاید نہیں رہا تھا، اس نے مومنہ کے میسجز کو حقارت سے دیکھا اس کا نمبر بلیک لسٹ میں ایڈ کر کے وہ اطمینان سے دوستوں میں مووی انجوائے کر رہا تھا۔

صائمہ بہت مطمئن تھی، ان کا اکلوتا بیٹا جو کل تک مومنہ کا دیوانہ تھا آج شدید بدظن تھا، ان کے لئے اس سے بڑی خوشی کی کیا بات تھی، ان کا بیٹا مکمل ان کے اختیار میں تھا، انہوں نے مومنہ کو رسوا کر دیا تھا، ایک تسکین کا احساس ان کے اندر سرائیت کر گیا تھا۔

ماموں کا فون آیا تو مومنہ نے ان کی طبیعت کا بتایا، وہ پریشان ہوئے اور علی پہ حیران ہوئے کہ وہ اتنا بے حس اور بے ضمیر کیسے ہو گیا، بیوہ خالہ جو اسے بیٹوں کی طرح چاہتیں تھیں، ان کی خیریت تک دریافت کرنے نہیں آ سکتا تھا، صائمہ کے تو خیر پیسے نے مزاج ہی بدل دیں تھے، ان سے بھلائی کی توقع رکھنا حماقت تھی، مگر علی کی غیر ذمہ داری بے حسی نے بہرحال انہیں حیران کیا تھا، انہوں نے علی کو فوراً فون کیا اور پچھلی رات کے واقعے سے آگاہ کیا، علی نے بڑے سکون سے سنا اور کہا۔

''ماموں! آپ بڑے بھولے ہیں، یہاں مومنہ کے ہزاروں ہمدرد ہیں، وہ لوگ مزے میں ہیں، ان کے لئے پریشان مت ہوا کریں۔''

یہ بات مومنہ تک بھی مامی کے ذریعے پہنچ

گئی اسے بے حد دکھ ہوا، علی اس گھٹیا پن پہ اتر آئے گا اسے اب رسوا کرے گا؟ وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، وہ اتنا بدل جائے گا، کل تک جو دن میں اسے دیکھ نہ لے اس کا دن نہیں گزرتا تھا اور اب اتنی نفرت؟ کہاں گئے تھے وہ وعدے، کیا سب جھوٹ تھا، ڈھونگ تھا، مومنہ کا دل رو رہا تھا، اس نے سچے دل سے صرف علی کو چاہا تھا۔

علی کے دل میں اس وقت ''محبت'' نامی احساس کہیں بھی نہیں تھا، شاید اسے محض مومنہ کے حسن سے محبت تھی، اس حسن کو پانے کی تمنا تھی اس کے جذبات سے سروکار رہ تھا۔

نجانے کس گمان کے تحت اس نے اپنا سیل فون اٹھایا اور علی کا نمبر ڈائل کیا، دوسری جانب بیل جا رہی تھی، اس کے دل کی دھڑکنیں ایک لمحے کو رک گئیں، دوسری جانب سے کال اٹینڈ نہیں کی گئی، اس نے بے تابی سے دوبارہ نمبر ملایا، اس دفعہ تیسری بیل پہ اس کی کال کاٹ دی گئی، مومنہ کے دل کو دھچکا لگا، اب وہ پاگلوں کی طرح بار بار نمبر ڈائل کر رہی تھی، لیکن ہر دفعہ اس کی کال کاٹ دی جاتی۔

''علی! میری کال اٹینڈ کرو۔'' اس نے ایک ٹیکسٹ اسے بھیجا۔

''میں تمہاری آواز نہیں سننا چاہتا۔'' دوسری طرف سے آنے والے میسج پڑھ کر مومنہ کو لگا جیسے کسی نے سے گہری کھائی میں دھکا دے دیا ہو، اس نے سیل فون بیڈ پر پھینک دیا۔

''علی میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔''

ایک پریشان کن سوچ نے اس کے ذہن کا احاطہ کیا وہ حد درجہ ذہنی خلفشار کا شکار ہوئی، اسی ذہنی پراگندگی کے ساتھ وہ اندھیرے کمرے میں بیٹھی تھی، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

☆☆☆

''عمر! تم آج کل کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہو؟''

''نو مما! آج کل ملک کے معاشی حالات اچھے نہیں ہیں۔'' عمر نے بہانہ بنایا۔

''چلو اٹھو، صالحہ بہن کی طبیعت پوچھنے، ان کی عیادت کریں۔'' سائرہ میڈم بولیں تو عمر بھی جانے پہ رضا مند ہو گیا، کچھ دیر میں وہ جانے کے لئے تیار تھے۔

اس دوران صائمہ کو رشتے داری دکھاوے کا خیال آیا علی کے ہمراہ مومنہ کے گھر سر دمہری سے آ ئیں، عیادت تو کیا کرنی تھی مومنہ پہ تنقید شروع کر دی۔

''دھیان سے اڑو بی بی فضا میں بہت عقاب ہیں۔'' صائمہ خالہ نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنز کیا۔

''نصیحت کا شکریہ، میں اپنی فضاؤں میں اپنی حدوں میں اڑتی ہوں۔''

''بہت غرور آ گیا ہے تم میں کسی کو اپنے آگے سمجھتی نہیں ہو؟'' علی نے زہر خند انداز میں کہا۔

''یہ وصف آپ کا ہے، میری کیا مجال۔'' مومنہ نے آج نہ دبنے نہ ڈرنے کا سوچ لیا تھا۔

عمر اور سائرہ میڈم اس سے قبل دروازہ بجاتے اندر سے آنے والی آوازوں نے انہیں چونکا دیا، قدم وہیں رک گئے تھے، اندر سے آنے والی آوازیں بڑی صاف اور واضح تھیں، وہ واپس پلٹ جانا چاہتے تھے کہ یہ ان کا خاندانی میٹر تھا، مگر قدم جیسے زمین سے چپک ہی گئے تھے۔

''تم جیسی لوئر مڈل کلاس لڑکیاں ایسے ہی اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہو، پہلے علی کو اپنے دام میں پھانسا اور اب باس۔'' صائمہ خالہ نے

حقارت سے کہا۔

''خالہ! آپ نے علی کی خواہش پہ آ کر خود مومنہ کا رشتہ طلب کیا تھا، مومنہ کی کبھی کوئی خواہش نہیں رہی تھی۔'' نمرا نے یاد دلایا۔

''مجھے کیا پتہ تھا، میں جس لڑکی کو اپنانے جا رہا ہوں، اس کے کردار میں جھول ہے۔'' علی نے بڑی سفاکی سے کہا۔

''علی! تمہیں کس نے حق دیا ہے تم جب بھی دل چاہے میرے کردار پہ کیچڑ اچھالو، مجھے میری نگاہ میں گرانے کی کوشش کرو۔'' مومنہ کی آنکھیں اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''تم کسی بھی طرح میرے بیٹے کے قابل نہیں تھی، تمہیں اس سے اچھا لڑکا ہم بھی دیکھتے ہیں کہاں سے ملتا ہے؟ ہم نے تم پہ یتیم سمجھ کر احسان کیا تھا۔'' صائمہ نے سفاک انداز میں کہا تھا۔

''مجھ پر احسان مت کیجئے، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔'' مومنہ نے بے حد دکھ سے کہا تھا۔

''دیکھ رہے ہو، کیسے تن کر اپنے پیروں پہ کھڑی ہے، بے شرمی دیکھو۔'' صائمہ خالہ اس کا اعتماد اس کا جواب دیکھ کر سن کر آگ بگولہ ہو گئیں تھیں، ان کا خیال تھا علی کے لئے وہ ان کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے گی۔

''میں سر اٹھا کر تن کر آپ کے سامنے اس لئے کھڑی ہوں، میرے اندر کوئی کھوٹ نہیں ہے، میں اندر سے شفاف ہوں، سو میں کسی بات پہ پشیمان نہیں، نہ اپنے کسی عمل پہ پچھتاوا ہے۔'' وہ بے حد سکون سے بول رہی تھی۔

''تم سب کچھ پیسوں کے لئے کر رہی ہو، کیا نہیں ہے میرے پاس، گھر دولت و جائیداد۔''

''بولو کتنا پیسہ چاہیے۔'' علی نے شدید غصے میں والٹ اٹھا کر ہزاروں نوٹ اس کی طرف اچھالے تھے، اس توہین آمیز انداز پہ وہ صبر بے یقینی سے دیکھتی رہی۔

''مجھے اپنے لئے کسی دولت مند جائیداد کے مالک شوہر کی ضرورت نہیں، میں دولت کے بغیر زندگی گزار سکتی ہوں مگر عزت اور محبت کے بنا نہیں، تو یہ آج فیصلہ ہو گیا تم مجھے عزت نہیں دے سکتے۔'' مومنہ نے پیسے اٹھائے اور اس کی طرف اچھال دیئے۔

''اپنی یہ خیرات اپنے پاس رکھو۔''

''تم ہو ہی کرپٹ لڑکی۔'' علی کی انا کو شدید ٹھیس پہنچی تھی۔

''آپ لوگوں نے جو کہنا تھا کہہ چکے ہمیں ذلیل و رسوا کرنا تھا وہ بھی کر لیا گھر آئے مہمانوں کو ہمارے یہاں بے عزت کرنے کا رواج نہیں، ورنہ آپ دونوں کو اس سے اچھا جواب دے سکتے تھے، آپ براہ مہربانی یہاں سے تشریف لے جائیے، اس سے زیادہ برداشت کی سکت نہیں ہم میں اور یہ انگوٹھی بھی لے جائیے۔'' مومنہ نے خالہ کے سامنے رکھی، وہ انگوٹھی لے کر رکے نہیں تھے، مومنہ تھک کے بیٹھی تھی، وہ تینوں خاموش تھیں اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں ایک طوفان آیا تھا اور چلا گیا تھا۔

باہر کھڑے میڈم سائرہ اور عمر کو دیکھ کر چونک گئے تھے، میڈم عمر کو لے کر اندر آ گئیں۔

''مومنہ بیٹے ممکن ہو تو ہمیں معاف کر دیجئے، جان بوجھ کر ہم نے آپ کو تکلیف پہنچانے کا بندوبست نہیں کیا تھا، ہمارے تعلقات کو لوگ اس طرح دیکھیں گے ہم نہیں جانتے تھے۔'' شرمساری، ملال پچھتاوا کیا کچھ نہ تھا ان کی آواز میں۔

''آنٹی! آپ مت شرمندہ ہوں، یہ مومنہ کا

نصیب تھا۔'' نمرا نے انہیں شرمندگی کے حصار سے باہر نکالنا چاہا لیکن دل ہی دل میں ان کے بڑے پن کی قائل ہوئی تھی۔

''مومنہ کا نصیب تو بہت خوبصورت ہے یہ اب میری بیٹی بنے گی، صالحہ بہن کیا آپ کو منظور ہے عمر کا رشتہ؟'' سائرہ میڈم نے دھماکہ ہی ایسا کیا کہ سب اپنی جگہ ہل گئے۔

صالحہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، اللہ نے کیسے قدر دان لوگوں کو ان کی چوکھٹ پہ بھیجا تھا، بے شک وہ بڑا رحیم ہے، ان کے دکھ کا کیسا خوبصورت ازالہ کیا تھا۔

''سائرہ بہن! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے، یہ میری خوش نصیبی ہو گی۔'' صالحہ مسکرائیں۔

''خیر یہ تو ہماری خوش نصیبی ہو گی، مومنہ جیسی بیٹی آپ جیسی سمدھن مل جائے گی۔'' سائرہ میڈم نے انہیں ٹوکا۔

''لے، لیکن لوگ کیا کہیں گے، ان کا الزام تو پھر صحیح ثابت ہو جائے گا۔'' مومنہ خوفزدہ ہوئی۔

''بیٹا! ہمیں ان لوگوں کی پرواہ نہیں ہے، ہم دونوں بہنوں میں گہرا تعلق تو کبھی نہ تھا مگر جو رسمی سا تھا وہ آج اس نے میری پاک دامن بیٹی پہ الزام لگا کر ختم کر دیا ہے۔'' صالحہ حقیقت پسند بن کر سوچ رہی تھیں۔

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں، ان ظالم لوگوں کے خوف سے ہم اپنی زندگی خراب کیوں کریں، انہیں ہماری پرواہ نہیں تو ہمیں بھی نہیں ہے۔'' نمرا صاف گوئی سے بولی تھی۔

''مومنہ! کیا تم بے حس بے ضمیر لوگوں کی وجہ سے آنے والی بہار کو خوش آمدید نہیں کہو گی، یا ان کا سوگ مناتی رہو گی۔'' میڈم نے لتاڑا۔

''مجھے ان لوگوں کی پروا نہیں ہے۔'' مومنہ آہستگی سے بولی تھی۔

''میں انگوٹھی تو لائی نہیں اس نیت سے نہیں آئی تھی، فی الحال اس سے بنیاد رکھتے ہیں۔'' میڈم نے اپنی انگلی سے نکال کر اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنائی تھی۔

''آج ہی صحیح دن تھا یہاں آنے کا۔'' عمر بے ساختہ بولا تھا۔

مومنہ بے ساختہ مسکرا دی اس کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی، بے اختیار اپنی پلکیں جھکا گئی تھی۔

مومنہ کے سادہ چمکتے روپ اور اس انداز کو دیکھ کر عمر ولید کو لگا تھا کہ اس سے بڑھ کر خوبصورت نظارہ شاید اس نے کبھی نہ دیکھا ہو۔

☆☆☆

ہماری وفا کافی ہے

سویرا فلک

شام ڈھلنے لگی تھی، رات کے سائے گہرے ہونے لگے تھے، اس کے سوئٹ کی کھڑکی سے باہر کا منظر بے حد واضح نظر آتا تھا، ہوٹل کے وسیع بیک یارڈ میں لائٹس روشن ہونے لگیں تھیں تو ڈوبتے سورج کے بعد چھانے والی تاریکی پہ بڑے بڑے گلوبس کی روشنی کو چھاتے ہوئے دیکھ کر باغ میں بیٹھے ہوئے کئی ینگ کپلز شرارتوں میں مگن بچوں اور موج مستی کرتی فیملو کے چہروں پر غروب آفتاب کے باعث نمودار ہونے والی تاریکی کے باعث چھانے والی اداسی کی جگہ، ایک بار پھر مسکراہٹ نے لے لی تھی، ان کو مزید انجوائے کرنے کا موقع جو ہاتھ آ گیا تھا، منظر کے اس خوبصورت بدلاؤ نے اس کے گلابی چہرے پر ایک خوبصورت مسکراہٹ بکھیر دی، بیک یارڈ کے ہی ایک جانب وسط سے ذرا ہٹ کر شاہ بلوط کے درختوں کا دائرے کی شکل میں

ناولٹ

جھنڈ بنا کر الگ سے کچھ بینچیں بنائی گئی تھی، جہاں نئے شادی شدہ جوڑے زندگی کے اس نئے سفر میں ایک دوسرے کے ہاتھ پہ نئے وعدے تھما رہے تھے، محبت کے، اعتبار کے اور سدا ساتھ رہنے کے، وہ زیر لب مسکرائی اور ایک گہرا سانس لے کر کھڑکی سے ہٹ گئی اور بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موندلیں۔

دل و دماغ میں موجود خیالات اور سوچیں جیسے حرکت میں آ گئے، اس کی شادی کو آج پندرہ دن ہونے کو آئے تھے اور وہ پچھلے ایک ہفتے سے ہنی مون ٹرپ پر تھے۔

اس مختصر عرصے میں شاہ میر نے اسے کئی شہر دکھا دیئے تھے، ہر قدم پر اس کے سنگ سنگ رہنے کے وعدے کیے تھے، اپنی چاہتوں، بے قراریوں کو اس پر کھل کر عیاں کیا تھا، اس کی زندگی کو خوشیوں سے بھر دینے کا نہ صرف یقین

دلایا تھا بلکہ اپنے ہر عمل سے کسوئی کی زندگی میں رنگ بھرنے کی بھرپور کوشش بھی کی تھیں، وہ آنکھیں بند کر کے ہمیشہ کے لئے ان لمحوں کو قید کر لینا چاہتی تھی، مگر یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا کہ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور ہو گئی تھی، گو کہ شاہ میر کی اس کی زندگی میں آمد انتہائی خوشگوار تھی مگر رشتوں پر سے اس کا اعتبار کچھ اس طرح اٹھ گیا تھا کہ اب کسی تعلق کے حوالے سے مزید نئے خواب دیکھنے کی ہمت اس میں بالکل نہ تھی، ماضی میں دیکھے گئے خوابوں کے ٹوٹنے پر اس کے اعتماد کی کرچیاں کچھ اس طرح بکھری تھیں کہ انہیں وہ سب بھی چننے کی کوشش کرتی اس کا وجود ان کی چبھن سے بلبلا اٹھتا اور وہ زخمی ہونے لگتی، مگر جس طرح بچہ گرنے کے بعد بھی چلنے کی کوشش جاری رکھتا ہے کیونکہ یہی امر اسے اپنے وجود کو تن تنہا سنبھالنے کی ضمانت دیتا ہے بالکل اسی طرح اس نے بھی شاہ میر کی آمد پر ایک بار پھر اپنے قدم نئی امیدوں کی جانب بڑھا دیئے، وگرنہ تو اس نے دنیا تیاگ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس کی زندگی میں آنے والے تند و تیز طوفان نے اس کی روح کے اندر اس قدر تباہی مچائی تھی کہ طوفان کے گزر جانے کے بعد بھی اس کی زندگی میں تباہی کے تمام آثار آنسوؤں اور سسکیوں کی صورت میں باقی تھے۔

وہ تو کبھی ساحل کی جانب قدم نہ بڑھاتی اس نے خود کو زندگی کی لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اسے کب جینے کی آرزو تھی کہ وہ اپنی بقاء کے لئے ہاتھ پیر مارتی مگر وہ جو اس کے پیارے تھے کیسے اسے یوں ڈوبنے دیتے، کیسے اسے جیتے جی یوں اذیت ناک موت کے گلے لگانے دیتے، انہوں نے اس کی زندگی کی ڈولتی ناؤ کی بپھری موجوں سے بچا کر نکال کر ساحل پر پہنچانے کے لئے زور آور کوششیں شروع کر دیں اور پھر شاہ میر جیسے ملاح بن کر اس کی ناؤ کے چپوار سنبھالنے کو حکم ربی سے بھیج دیا گیا اور پھر بابا کے بے حد اصرار پر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہاں کرتے ہی بنی، کیونکہ وہ اس کی ہر دلیل مسترد کرتے گئے وہ شاید پھر بھی مان کر نہ دیتی اگر وہ ان کی پلکوں کے گوشوں پر تیرتے آنسو نہ دیکھ لیتی، جنہیں روکنے کی کوشش میں، لاکھ ضبط کی کوششوں کے باوجود ان کی آواز بھرا اٹھی تھی۔

''اپنے بابا کو اور سزا مت دو گڑیا، مجھے ساری عمر سسکنے اور تڑپنے کے لئے مت چھوڑو۔''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں بابا، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' ان کے آنسو صاف کرتے کرتے اس کی اپنی سسکیاں بندھ گئیں تھیں۔

''میں جانتا ہوں کسوئی، یہ سب بہت مشکل ہے، میری جان، مگر ڈوبنے کے ڈر سے انسان تیرنے کی کوششیں تو ترک نہیں کرتا نا، تم ماجد کو ماضی سمجھ کر ڈروانا اور بھیانک خواب سمجھ کر بھلا دو، انشاء اللہ اس بار میرا انتخاب، میرا فیصلہ غلط ثابت نہیں ہوگا، پھر وہ تو ہمیشہ سے ہی تمہارا طلبگار رہا ہے بس بے وقوف نے زبان کھولنے میں دیر کر دی وگرنہ شاید یہ نوبت ہی نہیں آتی، بہرحال جو بھی ہے وہ شاید آزمائش تھی ہماری تمہاری، اللہ کو ایسا ہی منظور تھا، بس میری خواہش اتنی ہے کہ اپنے بابا کو جیتے جی مرنے سے بچا لو۔'' انہوں نے اس کے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑے تو وہ یکدم ان کے قدموں سے لپٹ گئی۔

''خدا کے لئے بابا، مجھے گناہ گار مت کریں، آپ کی رضا اور خوشی میرے لئے سب سے مقدم ہے، میں خود سولی چڑھ سکتی ہوں مگر آپ کو جان بوجھ کر تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' کسوئی نے زار و قطار روتے ہوئے کہا تھا

تو انہوں نے اسے شانوں سے تھام کر کھڑا کیا اور اس کا ماتھا چوم ڈالا۔

''خوش رہو میری بچی، اللہ ایسی تابعدار اولاد سب کو عطا کرے۔'' اور اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر بابا کے کندھے سے اپنا سر ٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

بابا کے اصرار پر اس نے شاہ میر سے شادی کر لی تھی اور اب تک بابا کی توقع کے عین مطابق بہت ہی سلجھا ہوا، محبت کرنے والا اور خیال رکھنے والا ہمراہی ثابت ہو رہا تھا، مگر ماجد جو اس کا پہلا شوہر تھا، کی المناک یادیں، اس کے ذہن سے اب بھی پیوستہ تھیں، اس لئے نہیں کہ وہ ماجد کو بہت چاہتی تھی یا ماجد اسے۔ بلکہ ماجد کا دوغلا روپ، اس کے دیئے ہوئے گھاؤ کسوئی چاہ کے باوجود بھی بھلا نہیں پاتی تھی، ماجد سے اس کی شادی سات سال قبل ہوئی تھی، جب وہ فریش گریجویٹ تھی، شکل صورت بھی اللہ نے اس کی من موہنی بنائی تھی، اس لئے جلدی ہی اس کے رشتے آنے لگے، حمیدہ خاتون ویسے بھی دل کی مریضہ تھیں، بیٹیوں کی تو انہیں ایسی فکر نہ تھی کہ وہ مرد حضرات تھے البتہ اکلوتی بیٹی کسوئی کو اپنی زندگی میں بیاہ دینے کی خواہش انہوں نے کسوئی کے بابا سے کی تو انہیں ماجد کا رشتہ ہی بہتر لگا، ماجد اور اس کی فیملی نے کسی عزیز کی شادی پر کسوئی کو دیکھا تھا، خاص طور پر ماجد کسوئی کی لمبی گھنی زلفوں کا اسیر ہو گیا تو ماں بہنوں کو اس کے گھر کے چکر لگوانا شروع کر دیئے، ماجد بھی اچھی فیملی سے تھا، خود بھی خوش لباس و خوش شکل تھا، ایک سیمی پرائیوٹ ادارے میں برانچ منیجر تھا، اس لئے کسوئی کے گھر والوں نے رشتے کو مناسب جانتے ہوئے ہاں کر دی، شادی کے شروع کے عرصے میں تو ماجد نے اپنی والہانہ محبتوں سے کسوئی کو سرشار کیے رکھے مگر پھر جب وہ اپنے اصل رنگ میں آیا تو کسوئی کو یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ یہی شخص دیوانوں کی طرح اس کا طلبگار تھا اور جب کسوئی نے احتجاج کیا تو وہ کھل کر سامنے آ گیا۔

''تم میری بیوی ہو تو بیوی بن کر ہی رہو، میری ماں بننے کی کوشش ہرگز مت کرنا، میں کیا کرتا ہوں کیا نہیں اس سے تمہیں قطعاً کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے، میرے ساتھ رہنا ہے تو زبان اور آنکھیں بند کر کے رہو۔'' وہ ہٹ دھرمی سے اپنے ناجائز تعلقات قائم رکھنے پر تلا ہوا تھا۔

''میں کوئی کٹھ پتلی نہیں ہوں ماجد، جو آپ کے اشاروں پر ناچنے لگوں گی، میں آپ کی بیوی ہوں، زرخرید غلام نہیں کہ چپ چاپ سارا تماشہ دیکھوں، دو وقت کی روٹی اور چھت لے کر اپنے سارے حقوق سے دستبردار ہو جاؤں۔'' کسوئی تن کر سامنے آ کھڑی ہوئی تو ماجد آپے سے باہر ہو گیا۔

''اچھا تو ٹھیک ہے، آج سے میں تمہیں اپنی بیوی ہونے کے حق سے ہی محروم کر دیتا ہوں، جاؤ جا کر جس کا دروازہ پیٹنا ہے پیٹو، مانگو اپنا حق، میں تمہیں آزاد کرتا ہوں، طلاق دیتا ہوں تمہیں، طلاق......طلاق۔'' ماجد کے منہ سے کف بہنے لگا اور کسوئی ڈوبتے دل کے ساتھ وہیں ڈھیر ہو گئی تھی، ماجد نے تو کسوئی کے سوالوں سے اپنی جان چھڑالی تھی مگر کسوئی کو دنیا والوں کے سوالوں اور معنی خیز باتوں سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔

''ارے بھئی مرد کیسا بھی ہو، یہ تو عورت کا کام ہے کہ مرد کو اپنا بنا کر رکھے۔''

''ارے گھر ایسے تھوڑی بنتے ہیں، قربانی تو عورت کو ہی دینا پڑتی ہے۔''

''بھئی آج کل اپنی غلطی کون مانتا ہے، جانے اصل بات کیا ہے اور بتائی کیا جا رہی

ہے۔"

زہر میں ڈوبے ہوئے طنزیہ جملے کسوئی کی زندگی کے ہر قطرے کو کڑوا کر گئے تھے۔

وہ تو کب کی خودکشی کر لیتی، اگر اس کے اپنوں نے اسے ہتھیلی کا چھالا نہ بنا لیا ہوتا، حمیدہ خاتون تو اس کی شادی کے دو ماہ بعد ہی گزر گئیں تھیں، مگر بابا حارث بھیا اور اس سے چھوٹے بھائی یاسر نے اسے زندگی کی طرف واپس لانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور پھر ان سب کی خاطر ہی اس نے ماجد کے ساتھ گزارے ہوئے آٹھ ماہ پر ماتم منانا ترک کر کے نئے سرے سے جینا شروع کیا، اپنے آپ کو گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ اس نے بابا کی اجازت سے ایک اسکول بھی جوائن کر لیا، جہاں معصوم بچوں کی معصوم شرارتوں اور دلچسپ باتوں کے باعث اسے وقت گزارنے کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا، وقت گزر رہا تھا اور گزر ہی جاتا مگر شاہ میر کی آمد نے ایک بار پھر اس کی جھیل جیسی ساکن زندگی میں ہلچل پیدا کر دی، شاہ میر اس کے ماموں کا بیٹا تھا، جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہتر مستقبل کی خاطر دوبئی چلا گیا تھا، شاہ میر، کسوئی کو بچپن سے ہی پسند کرتا تھا مگر اس نے اپنے جذبات و احساسات کو کبھی زبان نہیں دی، حتیٰ کہ کسوئی کی شادی کی خبر سن کر بھی اس نے کوئی واویلا نہیں مچایا کیونکہ وہ رنگ میں بھنگ نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر جب اسے کسوئی کی طلاق کی خبر ہوئی تو وہ رہ نہ سکا۔

شاہ میر کی طرح ماموں ممانی بھی اپنی نرم گفتار اور من موہنی صورت والی بھانجی کو بے حد چاہتے تھے مگر وقت سے پہلے کوئی بات کرنے سے گریزاں رہے انہیں کیا خبر تھی کہ دراصل یہ سارے کھیل تو قدرت کے ہی رچائے ہوتے ہیں، کہ انسان زندگی کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کر بس یہی کہتا رہ جاتا ہے کہ مجھے کیا خبر تھی ورنہ میں یوں کر لیتا اور یوں نہ کرتا۔

کسوئی دنیا کے لئے قابل قبول تھی یا نہیں مگر ماموں ممانی آج بھی اسے چاہتے تھے اور پھر شاہ میر کی خواہش پر انہوں نے اپنی جھولی کسوئی کے بابا کے سامنے پھیلائی تو وہ رب کے حضور شکرانے میں گر گئے مگر کسوئی شاکی ہو گئی۔

"آپ لوگ ترس کھا رہے ہیں نا مجھ پر، اگر شاہ میر مجھے روز اول سے پسند کرتا تھا تو خاموش کیوں تھا، وہ کوئی لڑکی تو نہیں تھا کہ شرم و حیا آڑے آ گئی ہو، نہیں ماموں ممانی، آپ کیوں ایک طلاق یافتہ کو بہو بنا کر اپنا مذاق اڑوانا چاہتے ہیں، پلیز مجھ پر ترس نہ کھائیں، مجھ سے ہمدردی آپ لوگوں کو بہت مہنگی پڑے گی، یہ دنیا کھا جائے گی آپ لوگوں کو، شاہ میر کو۔" تب شاہ میر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کسوئی میں اگر چپ رہا تو صرف اس لئے کہ وقت سے پہلے بات کر کے میں تمہارا نام نہیں اچھالنا چاہتا تھا اور تم تو جانتی ہی ہو کہ اول تو میں اپنے پیروں پر ہی نہ کھڑا تھا کہ دست سوال دراز کرتا اوپر سے دو چھوٹی بہنوں کی شادی بیاہ کی ذمہ داری بھی تھی میرے کندھوں پر، ایسے میں، میں اگر امی ابو سے کہتا تو وہ یقیناً میری خواہش کا احترام کرتے مگر ابو کی ریٹائرمنٹ کے بعد، سب کچھ جانتے بوجھتے کیا مجھے اپنے فرائض سے منہ موڑ لینا چاہیے تھا؟ باہر جانا بھی اسی لئے طے کیا کہ میرا اپنا مستقبل بھی مزید مضبوط و مستحکم ہو سکے، بخدا اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا تو میں کم از کم نکاح کے لئے بڑوں کو راضی کر ہی لیتا، میں تمہیں اس لئے اپنانا چاہتا ہوں کہ آج بھی تمہیں اسی طرح چاہتا ہوں، میرا مقصد تم پر ترس کھا کر تمہیں اپنا کر دنیا کی واہ واہ حاصل کرنا نہیں اور رہی مذاق

اڑانے کی بات تو دنیا والوں کو تم چھوڑ دو، وہ کسی حال میں بھی مطمئن نہیں ہوتے، تم اپنی اور اپنے دل کی کہو اور سنو، تمہیں انکار اور اقرار کا پورا حق حاصل ہے کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت اتنا ضرور یاد رکھنا کہ ہم اکیلے کبھی نہیں جی سکتے اور ہم پر ہماری ذات پر ہمارے چاہنے والوں کا بھی پورا پورا حق ہوتا ہے، باقی تم خود سمجھ دار ہو۔" شاہ میر کا لہجہ اور دلائل اس قدر مضبوط تھے کہ وہ کسی طور اسے جھٹلانے کے قابل نہ رہی تھی، شاہ میر نے اسے با اختیار کر کے بھی بے اختیار کر دیا تھا، وہ بے بسی سے ہاتھ مسلنے لگی تو ممانی جان نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ہم پر اور ہماری محبت اور خلوص پر بھروسہ کر دیکھو بیٹا، باقی دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔"

"پلیز ممانی ایسا مت کہیں۔" وہ شرمندہ ہونے لگی تھی۔

"آپ لوگ میرے بڑے ہیں، میرے لئے قابل احترام ہیں۔" اس نے ممانی کے ہاتھ چوم لئے۔

"تو بیٹا ہمارے بڑے ہونے کا ہی مان رکھ لو۔" ماموں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

اتنی ڈھیر ساری محبتوں سے دامن چھڑانا اسے ناممکن لگنے لگا تو اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر سر جھکا دیا۔

سب کے اصرار پر وہ ایک بار پھر دلہن کا روپ دھارنے کو تیار تو ہو گئی مگر سہاگ کی سیج پر بیٹھتے ہوئے اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی مانند لرز رہا تھا، لاکھ چاہنے کے باوجود کوئی ارمان نہیں جاگا بلکہ الٹا ہزاروں خدشوں، واہموں اور اندیشوں نے اسے آکٹوپس کی مانند آ جکڑا تھا، فوٹو گرافر کے بارہا کہنے پر اس نے اپنے لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ تو سجالی تھی مگر دل بے وجہ ہی بھرا جا رہا تھا، ان چاہے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں اس کے حلق میں درد ہونے لگا تھا اور پھر جب شاہ میر نے منہ دکھائی کے طور پر اس کی مہندی سے رچی کلائی میں نازک سا گولڈ بریسلٹ پہنا کر اس کا موی ہاتھ لے کر محبت سے مخمور لہجے میں کہا۔

"کسوئی میں شاعر تو نہیں کہ اپنے لفظوں کو سجا سنوار کر اپنے دل کا حال بیان کر سکوں، مگر یہ کسی کی کہی نظم مجھے اپنے دل کی آواز ہی لگتی ہے، تم یہی سمجھ لو کہ یہ میں نے ہی لکھی ہے۔"

تیری محبت ملی ہے جب سے
میں خود کو پھولوں کی رہ گزر سے
گزرتا محسوس کر رہا ہوں
مشاہدہ کر رہا ہوں جیسے
قدم قدم پر ہے ساتھ میرے
خیال تمہاری، وفا تمہاری
سنا تھا میں نے کہ لمس شاید
ضروری ہوتا ہے چاہتوں کے لئے وگرنہ
یہ زندگی بے مزہ ہے
بے کیف ہے سزا ہے
یہ لمس جب سے ملا ہے تب سے
سرور طاری ہے جسم و جاں پر
غرور طاری ہے جسم و جاں پر

تو شاہ میر کا جذبات کی شدت سے دہکتا چہرہ، کسوئی کے دل کی دھڑکنیں تیز کرنے لگا تھا۔ اس کی گھبراہٹ، اس کی لرزتی پلکوں سے عیاں ہونے لگی تھی، شاہ میر نے اب اس کی کلائی میں سجی رنگ برنگی چوڑیوں سے کھیلنا شروع کر دیا تھا، وہ بار بار شہادت کی انگلی ان پر اس طرح پھیرتا کہ وہ جلترنگ کی طرح بج اٹھتیں اور شاہ میر مسکرا دیتا۔

"کسوئی مجھے تو یہ سب ایک خواب کی مانند لگ رہا ہے، یقین نہیں آ رہا کہ تم میری ہو گئی ہو، تمہیں پتہ ہے کہ میرے دن رات کیسے بے چین گزرے ہیں تمہارے فراق میں، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ اپنے دل کا حال تم پر عیاں کر سکوں، بس یہ جان لو کہ اب تمہارے بن میری زندگی نہیں، میری سانسیں نہیں، تم ہو تو زندگی میں دھنک کے سب رنگ ہیں، خوشی کے پل ہیں، اس لئے کبھی مجھ سے دور نہ ہونا، ہمیشہ میرے سنگ رہنا، بولو کسوئی مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی نا۔" اس نے کسوئی کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے بے چینی سے پوچھا تو کسوئی یک ٹک اسے دیکھے چلی گئی، شاہ میر کی گہری سیاہ آنکھیں کسوئی پر یوں مرکوز تھیں کہ وہ پلکیں بھی نہیں جھپکا رہا تھا، اس کے وجیہہ چہرے پر اس وقت بچوں جیسی معصومیت بکھری ہوئی تھی، کسوئی نے اپنے لب کھولے تو شاہ میر کا پورا سراپا گویا سماعتوں کا مسکن بن گیا، کسوئی کی پلکوں کے گوشے نم ہونے لگے تھے۔

"شاہ میر میں تو خود محبت کی متلاشی ہوں، مگر میں کیا کروں شاہ میر، میرا دوسروں لوگوں پر سے تو کیا خود اپنے اوپر سے بھی اعتبار اٹھ چکا ہے، میں نے خود کو بڑی مشکل سے سمیٹا ہے مگر اب میں بکھری تو میرے وجود کی کرچیوں کو یکجا کرنا میرے لئے ناگزیر ہو جائے گا، میں تو خود تمہاری بس، تمہاری بن کر زندہ رہنا چاہتی ہوں بس تم...... پلیز تم مجھے تنہا نہ چھوڑ جانا، مجھے دھوکہ مت دینا۔" کسوئی نے ایک گہرا سانس لے کر یہ سب کہنے سے خود کو روکے رکھا، وہ کیسے اتنی جلدی شاہ میر پر اعتبار کر لیتی، شاہ میر کے لئے یہ پہلا موقع تھا اس کے جذبات تو فطری تھے مگر وہ جو دوسری بار دلہن بنی تھی، ہزاروں وسوسوں اور خدشے جہیز کی طرح اس کے ساتھ چلے آئے تھے، ضبط کی کوششوں سے اس کا حلق خشک ہونے لگا تو اس نے بس اتنا کہا "پانی...... شاہ میر پیاس لگ رہی ہے مجھے پلیز پانی پلا دیں۔"

"اوہ...... او کے ایک سیکنڈ۔" شاہ میر جو کسوئی سے کچھ اور ہی سننے کا متمنی تھا، ٹھنڈا سا سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور بیڈ کے ساتھ موجود سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر، گلاس کسوئی کو تھما دیا، کسوئی نے گھونٹ گھونٹ پانی پینا شروع کیا تو وہ ایک بار پھر کسوئی کے حسین سراپے کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

میرون آنچل جس پر سنہری ستاروں کا دلکش کام ہوا ہوا تھا، نے کسوئی کے کتابی چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا، گھنیالے سیاہ بال موتیوں کی لڑیوں سے سجے ہوئے سیدھے شانے کو ڈھکے ہوئے تھے، اس کی ہلکی بھوری آنکھوں پر لرزتی پلکیں اور سرخ مہندی سے سجے اجلے دودھیا، کانپتے ہاتھ اس کی دلی کیفیت کا مظہر تھے، وہ کچھ نہ بھی کہتی تو شاہ میر پر اس کے دل کی حالت صاف عیاں تھی کیونکہ وہ کسوئی کو دل و جاں سے چاہتا تھا، اس کی محبت سچی اور پر خلوص تھی اور محبت کرنے والے محبوب کی خاطر سب کچھ قربان کرنا جانتے ہیں، سو شاہ میر نے بھی اپنے ارمانوں کو تھپک تھپک کر سلا دیا، وہ جانتا تھا کہ محبت زبردستی کبھی بھی حاصل نہیں کی جا سکتی، اس لئے اس نے کسوئی کا دلکش روپ اپنی آنکھوں میں سمو لیا اور خود صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

"کسوئی محبت کی سب سے پہلی سیڑھی اعتبار ہے، خدا کرے کہ میں تمہیں اپنی چاہت کے پر خلوص ہونے کا یقین دلا سکوں، مجھے یقین ہے کہ میں اس میں کامیاب رہوں گا کیونکہ نیت صاف تو منزل آسان، تم آرام کرو اور پر سکون ہو

جاؤ۔'' کسوئی نے اسے حیرت سے دیکھا وہ اب کسوئی کی طرف پیٹھ کر چکا تھا اس نے شیروانی اتار کر سائیڈ والے صوفے پر رکھی اور خود لیٹ گیا تو کسوئی بھی چینج کرنے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

وہ سحر خیزی کی عادی تھی، اس لئے صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ہی اٹھ بیٹھی، غسل کر کے نماز ادا کی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی، پو پھوٹ چکی تھی، سورج نے بادلوں کی اوٹ سے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا، موسم بہار کی آمد آمد تھی تو کچھ ٹھنڈی ہوائیں بھی اس کے چہرے سے اٹھکیلیاں کر جاتی تھیں، اس نے آنکھیں موند کر گہرا سانس لیا تاکہ ان تازہ اور سکون بخش ہواؤں کو اپنے اندر جذب کر سکے، ایسے میں شاہ میر جانے کب اٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور کانوں میں سرگوشی کی۔

''میری صبح و شام کو بھی ان سرمست فضاؤں کی طرح اپنی محبت سے پر بہار کر دو۔'' کسوئی چونک کر پیچھے مڑی تو وہ مسکرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑا جھک کر کسوئی کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''صبح بخیر مائی ڈیئر وائف۔''

''آ...... آپ کب اٹھے؟'' کسوئی شاہ میر کی لو دیتی آنکھوں سے پزل ہونے لگی تھی۔

''جب میرے کمرے میں اجالا پھیلا۔'' شاہ کی ذو معنی نظریں کسوئی کے دھلے دھلائے نکھرے چہرے کا طواف کرنے لگیں تھیں۔

''کچھ چاہیے آپ کو؟'' کسوئی نے گھبراہٹ کے عالم میں اپنی نم ہوتی ہتھیلیاں مسلی تھیں۔

''ہاں، تمہارا عمر بھر کا ساتھ، توجہ اور پیار۔''

شاہ میر نے ہوا کی شرارتوں کے باعث اس کے ماتھے پر آئی لٹوں کو دھیرے سے کانوں کے پیچھے سمیٹا تھا۔

''مم...... میرا مطلب تھا، چائے پئیں گے آپ۔'' کسوئی نے گلنار ہوتے ہوئے چہرے پر ابھرتی مسکراہٹ کو بڑی مشکل سے کنٹرول کیا تھا تو شاہ میر کو اس کی ضبط کرتی کاوشوں کو رائیگاں جاتے دینا گوارا نہیں کیا، سو وہ بیڈ پر جا بیٹھا۔

''ہاں ڈیئر چائے کی طلب تو ہو رہی ہے مجھے بیڈٹی کی عادت ہے، مگر اگر ممی کو خبر ہو گئی کہ میں نے تم سے چائے بنوائی ہے تو میری خیر نہیں۔''

''کیوں بھلا ممانی جان کو کیوں اعتراض ہو گا، یہ تو میرا فرض ہے، میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔'' کسوئی نے پشت پر بکھرے بالوں کو کیچر میں قید کرتے ہوئے آہستگی سے کہا، اب وہ قدرے ریلیکس تھی، وگرنہ شاہ میر کی جذبوں سے دہکتی قربت اس کے ہوش اڑانے لگی تھی۔

''ارے یار وہ تو صحیح ہے مگر وہ جو کھیر شیر پکوائی کی رسم ہوتی ہے اس سے پہلے تو دلہن سے کچن کا کام نہیں کرواتے نا۔'' شاہ میر نے کچھ اس انداز سے وضاحت کی جیسے اس ضروری اطلاع و خبر سے کسوئی باخبر نہ ہو تو کسوئی کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی اور دائیں گال پر ڈمپل نمایاں ہو کر ایک بار پھر شاہ میر کے لئے امتحان ثابت ہونے لگا تو وہ پھر اٹھ کر کسوئی کے قریب چلا آیا۔

''کسوئی مجھ سے ایک وعدہ کرو گی؟'' شاہ میر نے اس کے شانے تھام کر کہا تو وہ نظریں جھکا کر صرف اتنا بول سکی۔

''جی کہیے۔''

''کسوئی میں چاہتا ہوں کہ یہ ڈمپل ہمیشہ

تمہارے چہرے پر اپنی جھلک دکھلاتا رہے۔"
شاہ میر نے اس کے گالوں کو ڈمپل کے ابھرنے والے مقام پر اپنی انگلیاں پھیریں۔
"میں چائے بنا کر لاتی ہوں، مجھے بھی طلب ہو رہی ہے، گھر والے رات بھر کے تھکے ہوئے ہیں، ابھی سو رہے ہیں شاید۔" اس بار کسوئی کی نظریں اور چہرہ اس حد تک سپاٹ تھا کہ شاہ میر خاموشی سے ایک جانب ہٹ گیا اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

ولیمے کے فوراً بعد ہی شاہ میر نے ہنی مون پر جانے کا شور مچا دیا تھا، وہ اپنی آفس کی چھٹیاں یونہی ضائع نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔
"کسوئی میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی کا ایک ایک پل تمہارے صرف تمہارے ساتھ گزرے، ہم ساتھ گھومیں پھریں اور ڈھیر ساری باتیں کریں، مستقبل کے سہانے سپنے بنیں۔"
"بس کریں شاہ میر، اتنے خواب نہ دیکھا کریں، خواب ٹوٹتے ہیں تو بہت اذیت ہوتی ہے، ساری عمر دل میں ان ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں چبھتی رہتی ہیں۔" کسوئی کی آواز بھرانے لگی تھی۔
"جان شاہ میر، خواب زندگی کا اٹوٹ حصہ ہیں، منزل کے حصول کے لئے خواب دیکھنا اور انہیں پروان چڑھانے کی کوشش کرنا بے حد ضروری ہے، یہ تو زندگی نامی کھیل کا حصہ ہیں اور کھیل میں ہار جیت تو ہوتی ہے نا۔" شاہ میر کسوئی کا مرمریں ہاتھ لے کر اسے سمجھاتا تو وہ بس مسکرا کر رہ جاتی، وہ اپنے دل کا مزید درد اس سے بیان کر کے اس کے خوشگوار موڈ کو غارت نہیں کرنا چاہتی تھی، ویسے بھی چوٹ لگنے پر درد کا احساس صرف اسی کو ہوتا ہے، جسے چوٹ لگتی ہے، اس لئے شاہ میر کی خواہش اور خوشی کی خاطر اس نے خاموشی سے تمام پیکنگ کر لی اور اس کے ساتھ نئی منزلوں کی جانب قدم بڑھا دیئے۔
آج مری میں ان کا پہلا دن تھا، بادلوں نے پورے شہر پر ڈیرا ڈال رکھا تھا، بارش کا موسم بنا دیکھ شاہ میر تو خوشی سے جھوم ہی اٹھا تھا، مگر کسوئی فی الحال سفر کی تھکان اتارنا چاہتی تھی، وہ سامان سیٹ کر کے نہا دھو کر ٹیرس میں آ بیٹھی، اس کے ہلکے گیلے بال نمی کے باعث اور سیاہ لگ رہے تھے، شاہ میر نے بے خود ہو کر انہیں چھوا تو کسوئی نے آہستگی سے انہیں سمیٹ لیا۔
"شاہ میر کافی آرڈر کر دیں، تھکن ہو رہی ہے، کافی پی کر میں تھوڑی دیر سونا چاہ رہی ہوں۔" کسوئی نے شاہ میر سے نگاہیں تو چرائی ہوئی تھیں مگر اس کی سپاٹ آواز کے باعث اس کے دلی جذبات شاہ میر سے چھپے نہ رہ سکے، وہ خاموشی سے اٹھ کر واپس کمرے میں چلا گیا، انٹرکام پر کافی آرڈر کر کے وہ ٹی وی دیکھنے لگا، کافی آ گئی تو کافی پینے کے بعد کسوئی نے کمبل تان لیا تو شاہ میر ٹھنڈی سانس بھر کر اسے دیکھنے لگا، وہ انجان بنی ہوئی تھی مگر شاہ میر بے خبر نہیں تھا کہ کسوئی اپنے خود ساختہ خول سے نکلنے کو تیار نہیں، زبردستی محبت کا قائل تو شاہ میر بھی نہیں تھا مگر جب اس کی ذرا سی بھی پیش قدمی کو کسوئی روکنے کی، پس پشت ڈالنے کی کوشش کرتی تو اسے لگتا کہ کہیں اس کی اپنی ہمتیں بھی جواب نہ جائیں، کسوئی کی بے نیازی کا خول چٹان کی مانند سخت تھا اور چٹانوں سے ٹکرانے کے لئے چٹانوں جیسا ہی حوصلہ بھی درکار ہوتا ہے، شاہ میر کو اپنی محبت خلوص اور جذبوں کی صداقت پر پختہ یقین تو تھا مگر ساتھ ہی اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ خود لہولہان نہ ہو جائے اور ایسا ہوتا تو صرف شاہ میر کا نقصان

نہیں ہوتا بلکہ کسوئی بھی خسارے میں رہتی مگر افسوس کہ یہ بات شاہ میر تو سمجھ رہا تھا مگر کسوئی نہیں سمجھ رہی تھی یا سمجھ کر بھی انجان بنی ہوئی تھی اور شاہ میر شش و پنج میں پڑ گیا تھا کہ وہ صرف ایک پتوار کے سہارے کشتی کو کیسے دریا پار کروائے۔

☆☆☆

شام ڈھلتے ہی بادل کھل کر ایسے برسے کہ گویا یہ آخری موقع ہو، موسلا دھار بارش کی وجہ سے فضا میں رچی خنکی میں بے تحاشہ اضافہ ہو گیا، اس لئے شاہ میر نے کافی ہاؤس میں جانے کے بجائے کھانا کمرے میں ہی منگوا لیا، کھانا کھانے کے بعد پھر سے کافی کا دور چلا، کسوئی اپنی کافی لئے ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی، جہاں آسمان چھٹ جانے کے باعث روپہلی چاندنی بکھری ہوئی تھی، موسم بڑا حسین اور دلفریب ہو رہا تھا، سرد ہوائیں دل میں گدگداہٹ پیدا کر رہی تھیں، کسوئی سفید ریشمی سوٹ میں خود بھی چاندنی کا حصہ ہی لگ رہی تھی، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے جانے وہ کن سوچوں میں مگن تھی، شاہ میر نے گہری نیلی پشمینہ شال اس کے شانوں پہ پھیلائی تو وہ جیسے گہری نیند سے بیدار ہو گئی۔

''کیا سوچ رہی تھیں؟'' شاہ میر نے ریلنگ پر ہاتھ ٹکا کر آسمان دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس یونہی۔'' کسوئی نے دھیرے سے کہا اور ریلنگ کو مٹھیوں میں جکڑ لیا۔

''اتنا مت سوچا کرو کسوئی، بلاوجہ کی سوچیں انسان کے دل و دماغ کو بوجھل کر دیتی ہیں۔'' شاہ میر نے نہایت سنجیدگی سے اسے دیکھا تو کسوئی نے نظر بھر کر شاہ میر کو دیکھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو، مانا یار میں ہوں ہی اتنا گڈ لکنگ، مگر اپنی ماں کا لعل ہوں، نظر نہ لگ جائے کہیں۔'' شاہ نے ایک آنکھ دبائی تو کسوئی نے جھینپ کر اپنا رخ موڑ لیا۔

شاہ میر نے اپنا ہاتھ کسوئی کے ریلنگ پر رکھے ہاتھ پر دھیرے سے رکھا اور دو قدم بڑھا کر اپنا اور کسوئی کے بیچ کا فاصلہ قدرے کم کر دیا، کسوئی نے نظروں کے ساتھ ساتھ اپنا سر بھی جھکا لیا تو شاہ میر اس کے گلابی ہوتے چہرے کو دیکھ کر مسکرانے لگا، ٹھیک اسی لمحے کافی ہاؤس کے سنگر کی آواز گونجی۔

''ناظرین و سامعین میری آج کی یہ غزل محبت کے ان متوالوں کے نام ہے جن کے جذبوں کی حدت سرد موسم کو بھی مات دیتی ہے۔''

تمہارا عشق تمہاری وفا ہی کافی ہے
تمہارا عشق تمہاری وفا ہی کافی ہے
تمام عمر یہ ہی آسرا کافی ہے
جہاں کہیں بھی ملو مل کے مسکرا دینا
خوشی کے واسطے یہی سلسلہ ہی کافی ہے
مجھے بہار کے موسم سے کچھ نہیں لینا
تمہارے پیار کی رنگیں فضا ہی کافی ہے
تمہارا عشق تمہاری وفا ہی کافی ہے
تمام عمر یہی آسرا ہی کافی ہے

ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا جن کی گونج ٹیرس تک بھی پہنچ رہی تھی، شاہ میر نے کسوئی کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی تو کسوئی نے شاہ میر کے شانوں سے سر یوں ٹکا دیا جیسے وہ تھک گئی ہو اور آرام کرنا چاہتی ہو، بڑھتے اندھیرے پر تاروں کی چمک اور اجلے چاند کی شفاف روشنی غالب آنے لگی تھی، گویا آسمان بھی ان کے جذبوں کے صادق ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

☆☆☆

دوسری صبح بڑی حسین اور دلفریب تھی، دل

کا موسم اچھا ہو تو ویسے بھی چہرے پر مسکان ڈیرہ جما لیتی ہے ایسے میں من موج مستیاں کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے، شاہ میر نے بھی صبح ناشتے کے فوراً بعد ہی کسوئی کو سیر کے لئے نکلنے کا مژدہ سنا دیا، محض آدھے گھنٹے بعد ہی وہ دھلی دھلائی سڑکوں سے گزر رہے تھے، شاہ میر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگے، کسوئی نے اس کی محبت کو شرف قبولیت بخش دیا، وہ دنیا کی تمام نعمتیں اس کے قدموں میں ڈھیر کر دینا چاہتا تھا۔

اس نے کسوئی کے نہ نہ کرنے پر بھی اسے شالز، جیولری اور علاقائی ڈریس خرید دیا، فوٹو گرافر سے اپنی اور کسوئی کی کتنی ہی تصویریں بنوا ڈالیں، لفٹ چیئر کے مزے لینے کے بعد وہ اسے لنچ کے لئے واپس ہوٹل لایا تو کسوئی نے شاپنگ بیگز کا ڈھیر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو شاہ میر، کس قدر فضول خرچی کر رہے ہیں آپ؟ جیولری، کپڑے تو بہت ہیں میرے پاس۔''

''ہوں گے ڈیئر، لیکن یہ شادی کے بعد تمہارے لئے لئے گئے پہلے گفٹس ہیں اور تم بھی عجیب بیوی ہو یار، بیویاں تو شوہروں کو فضول خرچی کرنے کے لئے اکساتی ہیں اور تم ہو کہ روک ٹوک کر رہی ہو۔'' شاہ میر نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں ساری بیویاں ایک جیسی نہیں ہوتیں، جنہیں اپنے شوہروں کے پیسوں کا درد ہوتا ہے وہ کبھی شوہروں کو کنجوسی کا طعنہ نہیں دیتیں۔'' کسوئی نے رسانیت سے کہا تو شاہ میر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اچھا جی، یعنی ہماری بیگم صاحبہ کو ہمارے درد کا احساس ہے؟''

''جی بالکل۔'' کسوئی نے فوراً کہا۔

''تو پھر ذرا درد دل کی کچھ دوا تو کیجئے حضور۔'' شاہ میر نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''آپ بھی نا...... ہٹیں...... ہر وقت مستیاں سوجھتی رہتی ہیں آپ کو تو، مجھے بھوک لگ رہی ہے اور نیند بھی آ رہی ہے، پوچھیں ذرا کتنی دیر ہے آرڈر پورا ہونے میں، میں ذرا فریش ہو کر آتی ہوں اور یہ سامان بھی رکھ دوں۔'' کسوئی شاپر سمیٹتے ہوئے الماری کی طرف بڑھ گئی، تو کمرہ شاہ میر کے قہقہے سے گونج اٹھا اور کسوئی مڑ کر اسے مصنوعی غصے سے گھورتی رہ گئی۔

☆☆☆

تمام جگہیں گھومنے کے بعد وہ اسلام آباد پہنچ گئے، جہاں شاہ میر کے ایک پرانے دوست کی شادی بھی تھی، کیونکہ شاہ میر اتفاقیہ طور پر وہاں موجود تھا تو اس کے دوست نے اصرار کر کے شاہ میر کو شادی میں شرکت کرنے کے لئے راضی کر لیا، شاہ میر کی چھٹیاں بھی ختم ہونے والی تھیں اس لئے شادی کا فنکشن اٹینڈ کرتے ہی دوسرے دن انہیں کراچی کے لئے روانہ ہونا تھا، فنکشن آٹھ بجے مقامی ہال میں تھا، شاہ میر تو بلو جینز اور اسکائی بلو شرٹ پر بلیک کوٹ پہنے مکمل تیار تھا، البتہ کسوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تیاری کے آخری مراحل میں تھی، اس نے شاہ میر کی فرمائش پر میرون ویلوٹ کا سوٹ اور اسی میچنگ کی پشمینہ شال اوڑھ رکھی تھی، بالوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا، وہ میک اپ کو ری ٹچ کر رہی تھی تو شاہ میر اس کے گال چھوتا ہوا سائیڈ ٹیبل سے موبائل، والٹ اور گاڑی کی چابیاں اٹھانے بڑھ گیا۔

''جلدی کرو کسوئی اور کتنی دیر لگے گی۔'' شاہ میر نے خود پر پرفیوم کا اسپرے کرتے ہوئے

کسوئی کا عکس آئینے میں دیکھتے ہو۔ کہا۔

''بس ہو گیا، یہ جیولری پہن لوں، آپ جب تک گاڑی اسٹارٹ کر لیں، میں کمرہ لاک کر کے نیچے آ جاتی ہوں۔'' کسوئی نے گولڈن نگوں والے جھمکی جیسے ڈیزائن والے آویزے کانوں میں ڈالتے ہوئے کہا تو شاہ میر او کے کہتا ہوا باہر نکل گیا، کسوئی نے اپنی شال کو شانوں کے گرد لپیٹا، کلچ اٹھایا اور کمرہ لاک کر کے باہر نکل گئی، کسوئی کے گاڑی میں بیٹھتے ہی شاہ میر نے گاڑی اسٹارٹ کر دی، ڈرائیو کرتے کرتے اس نے کسوئی کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''آج تو غضب ڈھا رہی ہو، ہمیشہ ایسے ہی تیار رہا کرو نا۔''

''اچھا، تعریف کا شکریہ، لیکن اگر ہمیشہ اتنا ہی سج دھج کر رہوں گی تو شاید آپ کو اچھی نہ لگوں، ویسے بھی گھر کے حلیے میں اور کہیں جانے کے حلیے میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے، وہ جو کہتے ہیں نا کہ ہر کام وقت پر اچھا لگتا ہے، میرے خیالوں میں جو لوگ موقع محل کا خیال نہیں رکھتے وہ بد ذوق ہوتے ہیں۔'' کسوئی نے رسانیت سے کہا تو شاہ میر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''واؤ تم تو ذہین بھی ہو، یعنی میری بیوی حسن و ذہانت کا خوبصورت امتزاج ہے۔''

''ذرہ نوازی ہے آپ کی؟'' کسوئی نے ماتھے پر ہاتھ لے جا کر شکریہ ادا کیا۔

''آہم، ویسے پھر تو میں خاصا لکی واقع ہوں۔'' شاہ میر نے بھی فرضی کالر جھاڑے۔

''اچھا جی۔'' کسوئی زیر لب مسکرائی۔

''جی کوئی شک۔'' شاہ میر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ کھلکھلا کر مسکرا دی اور شاہ میر نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا، جب سفر میں من پسند ساتھی ساتھ ہو، خوشگوار باتیں ہوں تو سفر آسانی سے کٹ جاتا ہے، شاہ میر اور کسوئی بھی گویا منٹوں میں مطلوبہ منزل پر پہنچ گئے۔

شاہ میر نے کسوئی کو اپنے دوست یاور سے ملوا کر اس کی بہنوں کے ساتھ بٹھا دیا تاکہ وہ بور نہ ہو اور خود شادی میں آئے پرانے دوستوں سے ملنے میں لگ گیا، یاور کی دونوں بہنوں نے بطور میزبان کسوئی سے کچھ دیر بات چیت کی پھر خود دیگر مہمانوں کی جانب بڑھ گئیں، کسوئی کچھ دیر تو ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بیٹھی رہی، مگر جب آدھے گھنٹے سے اوپر ہونے لگا تو بور ہو کر شاہ میر کی تلاش کرنے اٹھ کھڑی ہوئی، ٹہلتے ٹہلتے وہ ڈریسنگ روم کی طرف آ گئی، وہیں اسے شاہ میر کھڑا نظر آ گیا، وہ کسی صنف مخالف سے باتوں میں مصروف تھا، جو شاید شاہ میر کی ہی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی، شاہ میر کی پشت کسوئی کی جانب تھی تو وہ کسوئی کو دیکھ نہیں پایا تھا، مگر وہ منظر کسوئی دیکھ رہی تھی اسے مزید دیکھنا کسوئی کے ناقابل برداشت تھا، اس لئے وہ واپس آ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی، پندرہ منٹ بعد شاہ میر اسی لڑکی کے ساتھ کسوئی کے پاس چلا آیا۔

''کسوئی! ان سے ملو، میری اور یاور کی پرانی کلاس فیلو انوشے اور انوشے میٹ مائی ڈیئر وائف کسوئی۔'' شاہ میر نے تعارف کرایا تو کسوئی نے اخلاقیات نبھاتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا جسے انوشے نے بڑی مضبوطی سے تھام لیا۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر، بائی دا وے آپ کو کیسا لگا شاہ میر سے مل کر؟'' انوشے نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا، وہ جس قدر خوبصورت تھی اسی قدر شوخ اور پر اعتماد بھی، عنابی کوٹ اسٹائل کے جدید تراش خراش کے سوٹ میں وہ بلاشبہ محفل کی جان لگ رہی تھی، جانے کسوئی اس کی شخصیت سے متاثر ہو گئی تھی یا اعتماد سے، وہ

صرف خاموشی سے مسکرا کر رہ گئی۔

''تم باز نہیں آنا۔'' شاہ میر نے ہنستے ہوئے انوشے سے کہا تو وہ پھر کھلکھلا پڑی اور پھر وہ دونوں ایک بار پھر جانے کون سے قصے کہانیوں کی شیئرنگ میں مگن ہو گئے، کسوئی کو دونوں کے درمیان بالکل مس فٹ لگنے لگا، قریب تھا کہ وہ بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتی ہوئی اٹھ کر چلی جاتی، کھانا لگ گیا، انوشے کو شاید کسی نے آواز دے کر بلا لیا تھا، کھانے کے تقریباً فوراً بعد ہی لوگ واپس جانے کے لئے نکل پڑے کیونکہ موسم کی خنکی میں بے تحاشہ اضافہ ہو گیا تھا، واپسی پر شاہ میر شاید لانگ روٹ کی ڈرائیونگ کے باعث تھک گیا تھا اس لئے چینج کرتے ہی سو گیا جبکہ کسوئی کی وہ ساری رات رت جگے کی نظر ہو گئی۔

☆☆☆

دوسرے دن انہیں اسلام آباد سے گھر والوں کے لئے کچھ تحفے تحائف خریدنے تھے اور پھر واپس جانے کے لئے سامان پیک کرنا تھا، شاہ میر کو ٹکٹ بھی بک کروانے تھے، شاہ میر نے پہلے جا کر ٹکٹ بک کروائے، پھر کسوئی کو شاپنگ سینٹر لے گیا تا کہ وہ اپنی پسند سے اپنے گھر والوں کے لئے شاپنگ کر سکے، کسوئی اس کے ساتھ چلی تو گئی، مگر شاہ میر نے صاف محسوس کیا کہ اس نے انتہائی بد دلی سے شاپنگ کی ہے، واپسی کے سارے راستے بھی شاہ میر نے مختلف حیلے بہانوں سے اس سے مختلف ٹاپکس پر بات کرنا چاہی تو اس نے محض ہوں ہاں میں جواب دینے سے کام رکھا، ہوٹل واپسی پر شاہ میر نے شاپنگ بیگز کو سائیڈ پر رکھا اور خود ٹی وی آن کر لیا، پھر کسی خیال کے تحت اس نے انٹرکام اٹھاتے ہوئے کسوئی سے پوچھا۔

''کافی پیو گی؟ منگواؤں؟''

''آپ کی مرضی؟'' کسوئی کا لہجہ انتہائی روکھا تھا۔

''کیوں؟ تمہاری مرضی کو کیا ہوا؟'' شاہ میر نے اچنبھے سے پوچھا۔

''بھاڑ میں گئی میری مرضی۔'' کسوئی نے تنتناتے ہوئے کہا تو شاہ میر کی مردانہ انا کو ٹھیس لگی۔

''کسوئی یہ کس طریقے سے بات کر رہی ہو تم؟''

''میں آپ سے بات کر رہی کب رہی ہوں اور نہ ہی کرنا چاہتی ہوں ناؤ پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔'' وہ اسی ہٹیلے لہجے میں کہتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی، شاہ میر کا دل تو چاہا کہ اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے، اس سے پوچھے کہ کیا اس کی محبت کا یہی صلہ ہے، مگر وہ اس مقصد کے لئے تو ہنی مون پر نہیں آیا تھا، وہ تو اسے حاصل کرنے کا منصوبہ بنا بیٹھا تھا، اسے کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لئے وہ انٹرکام رکھ کر اس کے پاس چلا آیا اور نہایت نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

''کیا بات ہے کسوئی ناراض ہو، تمہارا موڈ اچانک اتنا بگڑ کیسے گیا، دیکھو اس طرح ناراضگی سے تو مسئلے حل نہیں ہوتے بتاؤ کیا بات ہے؟'' شاہ میر نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔

''آئی سیڈ ڈونٹ ڈسٹرب می۔'' کسوئی کا لہجہ ہنوز غصیلا تھا جسے شاہ میر نے موقع کی نزاکت کے باعث نظر انداز کر دیا۔

''کسوئی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' شاہ میر کے لہجے میں ابھی بھی نرمی برقرار تھی۔

''بالکل، مجھے کچھ نہیں ہوا، میں بہت ڈھیٹ ہوں، آپ بس چلنے کی تیاری کریں، میں

اب مزید ایک دن بھی یہاں نہیں رہ سکتی اور پلیز خدا کے لئے اب میرا پیچھا چھوڑ دیں۔'' کسویٰ نے ہاتھ جوڑ کر تقریباً چیختے ہوئے کہا تو شاہ میر گویا لمحے بھر کو شاک میں آیا، غصے کو ضبط کرنے کی کوشش میں اس کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔

''ٹھیک ہے سامان پیک کرو۔'' وہ سرخ آنکھوں سے کسویٰ کو گھورتے ہوئے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کراچی کی سرزمین پر پہنچتے ہی کسویٰ نے ایک بار پھر شاہ میر کو زچ کر دیا۔

''میں پہلے بابا سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''ضرور مل لینا، ابھی ہمارے ساتھ سامان ہے، پہلے سامان رکھ کر فریش ہو لیں، پھر چلے جائیں گے۔'' شاہ میر نے حتیٰ الامکان لہجہ نارمل رکھا جبکہ ایک تو کسویٰ کے بدلتے بدلاؤ نے اوپر سے سفر کی تھکان نے اسے بھی ڈپریشن میں مبتلا کرنا شروع کر دیا تھا۔

''نہیں، آپ کی مہربانی ہوگی کہ آپ مجھے وہاں چھوڑ کر بے شک خود سامان رکھنے چلے جائیں۔'' کسویٰ کا لہجہ قطعی تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود اکیلی نکل کھڑی ہو۔

''ٹھیک ہے چلو مگر ایک بات یاد رکھنا کسویٰ میں بے جا ضدیں پوری کرنے والا مرد نہیں ہوں، میں صرف اس وعدے کا بھرم رکھ رہا ہوں جس کے تحت میں نے تمہارا مکمل ساتھ نبھانے اور تمہارا ہر طرح سے خیال رکھنے کا عزم و عہد کیا تھا؟'' جانے شاہ میر کے لہجے میں کیا تھا کہ اس بار کسویٰ نے مکمل خاموشی اختیار کر لی، تو شاہ میر نے بھی مزید کچھ کہے گاڑی کا رخ کسویٰ کے میکے کی جانب موڑ لیا، بابا، بھیا، بھابھی، کسویٰ کی ڈائریکٹ آمد پر حیران تو ہوئے مگر ان کی خوشی ان کی حیرانگی پر غالب آ گئی، شاہ میر بھی سب سے

انتہائی تپاک سے ملا، اس نے قطعاً کسی پر اپنے اور کسویٰ کے بیچ موجود سرد مہری ظاہر نہیں کیا، اس کے باوجود کسویٰ نے اپنی روش قائم رکھی۔

''بابا میں آپ کے پاس ہی رکوں گی؟''

چائے پیتے پیتے اچانک اس نے کہا تو سب کے ساتھ شاہ میر بھی اس بری طرح سے چونکا کہ سب نے واضح طور پر اس کی یکدم خاموشی کو محسوس کیا ورنہ وہ کسویٰ کے بھیا سے حالات حاضرہ پر زور و شور سے گفت و شنید کر رہا تھا۔

''مگر کسویٰ..... ابھی تو سامان وغیرہ ان پیک کرنا ہوگا، شاہ میر کو آفس بھی جانا ہوگا، پرسوں سے اس کی تیاری بھی تو کرنی ہوگی۔'' بھابھی نے کسویٰ کو سمجھانا چاہا مگر اس نے اپنی رٹ قائم رکھی۔

''وہ سب ملازم ہینڈل کر لیں گے، میں جا کر بزی ہو گئی تو جانے کب آ پاؤں اور میں بابا کو بہت مس کر رہی تھی، تو اتنا تو حق بنتا ہے میرا کہ میں اپنی مرضی سے اپنے بابا کے ساتھ رہ لوں۔'' کسویٰ کا انداز لاپرواہ تھا، اس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ شاہ میر اچھی طرح جان جائے کہ کسویٰ کو اس کی ہرگز پرواہ نہیں اور شاہ میر کچھ سمجھا یا نہیں مگر بھابھی، بھیا اور بابا کی جہاں دیدہ نظریں بہت کچھ بھانپ چکی تھی، مگر فی الحال کوئی تماشہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے تھکن کا بہانہ بنا کر اجازت لے لی اور اپنے دل میں کئی سوال لئے اور اپنے پیچھے کئی سوال چھوڑے وہ اپنے گھر کی جانب رواں دواں ہو گیا۔

☆☆☆

شاہ میر کے جاتے ہی کسویٰ نے فریش ہونے کے بہانے خود پر چبھتی نگاہوں سے وقتی فرار تو حاصل کر لیا مگر وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ

ابھی اسے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہے، مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی پوزیشن بہت مضبوط ہے اس لئے فیصلہ بہرحال اس کے حق میں ہی ہو گا لیکن اسے کے باوجود اس کے دل کی بے کلی اسے پرسکون نہیں ہونے دے رہی تھی، فریش ہو کر اس نے کمرے کی لائٹس آف کر دیں اور تکیے پر رکھ کر آنکھیں موند لیں، لیکن بے قراری اور بے چینی جیسے اس کے وجود سے چپک سی گئی تھیں، وہ کروٹیں لینے لگی۔

''یہ تم نے کیا کیا شاہ میر؟ اور یہی سب کرنا تھا تو......'' یکدم اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں، رخسار بھیگنا شروع ہو گئے۔

''یہ تم نے کیا کیا شاہ میر، کیوں کیا تم نے ایسا اور اب جبکہ میں تم پر اعتبار کرنے لگی تھی، اک بار پھر محبت کے فریب میں مبتلا ہو گئی تھی، تم نے اپنا چولا اتار پھینکا، کیا مزہ آتا ہے تم مردوں کو، ہم عورتوں کو اس اذیت سے گزارنے میں۔'' کسوئی کا رواں رواں فریاد کر رہا تھا، اس کے جسم و جاں تڑپ رہے تھے، شانزے کا چہرہ، اس کے قہقہے اس کی ہنسی کی گونج کسوئی کو ناگ بن کر ڈس رہے تھے، شک کا ناگ جب کسی کو ڈس لے تو وہ درد کی بھٹی میں جل کر اذیت ناک کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی سب کسوئی کے ساتھ ہو رہا تھا، وہ بری طرح تڑپ رہی تھی، سسک رہی تھی، اس کا تن من شک کی آگ میں جل کر بھسم ہو رہے تھے اور وہ خاک ہونے کو تھی کہ یکدم کسی خیال کے آتے ہی اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

''نہیں شاہ میر، اب نہیں، اب کسوئی کسی کے لئے نہیں روئے گی، میں کیوں تم بے اعتبار لوگوں کے لئے اپنی زیست کا پل پل اذیت کی نذر کر دوں، میں ہی بے وقوف تھی جو ایک بار پھر اعتبار کر بیٹھی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم سارے مرد سنگدل، بے وفا، ہرجائی اور ناقابل بھروسہ ہو، شہد کی مکھی کی طرح ہر ہر خوش رنگ و خوش بودار پھول پر بیٹھنے والے ہو، مگر میں ایسے تمہیں معاف بھی نہیں کروں گی، میں دنیا کے سامنے تمہارا گریبان پکڑ کر تم سے اعتراف گناہ کرواؤں گی شاہ میر، اب کے کسوئی رسوا نہیں ہو گی، اب کے پھانسی کے تختے پر وہی لٹکے گا جس پر جرم ثابت ہو گا۔''

کسوئی کے روئیں روئیں سے گویا دھواں اٹھ رہا تھا، وہ انتقام و شک کی آگ میں جھلسنے لگی تھی، سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس لبوں سے لگا کر ایک لمحے میں خالی کر دیا، مگر آگ تو آگ ہوتی ہے اسے پانی سے بجھا بھی دیا جائے تو تپش تادیر باقی رہتی ہے۔

☆☆☆

''کیا بات ہے بیٹا، تم آج کل اتنا لیٹ کیوں آ رہے ہو آفس سے؟'' شاہ میر ساڑھے گیارہ بجے گھر میں داخل ہوا تو کھانے کے لئے اس کا انتظار کرتی نصرت نے فریج سے سالن کا ڈونگا نکال کر مائیکرو ویو میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بس امی، آج کل کام زیادہ ہے کچھ۔'' شاہ میر نے لیپ ٹاپ سینٹر ٹیبل پر رکھے صوفے کی بیک سے سر ٹکاتے ہوئے جواب دیا۔

''کام زیادہ ہے یا پھر بیوی کے بغیر گھر میں دل نہیں لگ رہا۔'' نصرت نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا تو شاہ میر نے چند لمحوں خاموشی سے ماں کو دیکھا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے، میں فریش ہو کر آتا ہوں آپ کھانا لگوا دیں۔'' وہ تیزی سے کہتا ہوا ان کی نظروں سے اوجھل تو ہو گیا مگر نصرت بیگم شش و پنج میں پڑ گئیں، انہوں نے ڈائننگ ٹیبل پر پلیٹیں رکھیں، فریج سے پانی کی بوتل اور مائیکرو ویو سے سالن کی ڈش نکال کر ٹیبل پر رکھ دی

اور خود کرسی پر بیٹھ کر شاہ میر کا انتظار کرنے لگیں، وہ چند لمحوں بعد ہی واپس آ گیا تھا، ان کے مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، اس نے بہت خاموشی سے ڈونگے سے سالن نکال کر پلیٹ میں نکالا اور ہاٹ پاٹ سے روٹی نکال کر کھانے لگا۔

''شاہ میر کیا بات ہے، تم جب سے مری سے واپس آئے ہو چپ چاپ ہو، ایک ہفتہ ہو گیا کسویٰ بھی نہیں آئی میکے سے واپس، فون پر بھی وہ سلام دعا کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتی، میں تمہاری ماں ہی نہیں دوست بھی ہوں بیٹا، مجھ سے کچھ چھپاؤ نہیں، اگر کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ مل بیٹھ کر حل نکالیں گے آخر بڑے ہوتے کس لئے ہیں۔'' نصرت بیگم نے گلاس میں پانی نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

''مسئلہ کیا ہے...... یہ بات تو میں خود اب تک نہیں سمجھ پایا، آپ کو کیا بتاؤں۔'' شاہ میر نے پانی کا گھونٹ لے کر ہاتھ روک لیا تو نصرت بیگم سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''تم لوگوں کا کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' نصرت بیگم نے شاہ میر سے کوئی جواب نہ پا کر اپنے طور پر اندازہ لگانا چاہا۔

''نہیں۔'' شاہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر......؟'' نصرت بیگم کی نظریں پھر سوالیہ ہوئیں تو شاہ میر نے گہری سانس لی اور خلاء میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''امی...... مجھے خود نہیں معلوم، کسویٰ کا رویہ اس کا پل پل بدلتا انداز، پل میں وہ اپنی لگتی ہے، پل میں پرائی، ابھی ناراض تو ابھی خوش، جانے میں اسے سمجھ نہیں پایا یا وہ مجھے، یا پھر اس نے یہ شادی سب کے اصرار پر کر تو لی مگر وہ دل سے اس رشتے کو قبول نہیں کیا یا پھر وہ اپنا ماضی نہیں بھلا پا رہی، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، میں خود بہت کنفیوژ ہو

گیا ہوں۔" شاہ میر نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے نصرت بیگم کی طرف دیکھا جو بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

"شاہ میر بیٹا، تم نے سنا ہی ہوگا کہ انسان کا مزاج اس کے حالات سے بنتا ہے کسوئی نے جو تکلیف جھیلی ہے اس کا اندازہ شاید تم نہ کر پاؤ کیونکہ بہر حال تم ایک مرد ہو، وہ چوٹ کھائی ہوئی ہے بیٹا، جب اعتبار کو ٹھیس لگ جاتی ہے تو اسے واپس بحال کرنا بہت مشکل امر ہوتا ہے، مگر اگر تم ثابت قدم رہو اپنی محبت اور وفا سے اس پر یہ ثابت کر دو کہ ہر خواب سراب نہیں ہوتا، ہر مرد بے وفا نہیں ہوتا تو یقین مانو کہ تم کسوئی کو ہمیشہ کے لئے جیت لو گے، بیٹا اگر کوئی شخص سمندر میں ڈوب رہا ہو لیکن اسے بچا لیا جائے تو سانس کی بحالی میں کچھ وقت تو لگتا ہے نا؟ کسوئی کی مثال ایک ایسے ہی شخص کی ہے بیٹا، اسے کچھ وقت دو یاد رکھو کہ تمہیں اسے اس ڈر سے باہر نکالنا ہے کہ سمندر کے کنارے کھڑا ہر شخص نہیں ڈوبتا۔" نصرت بیگم کی باتوں نے شاہ میر کو نئے زاویے پر سوچنے پر مجبور کر دیا، یقیناً ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے اور شیئرنگ ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

☆☆☆

"کیا کر رہی ہو کسوئی؟" وہ چولھے پر کیتلی چڑھا رہی تھی کہ بھابھی کچن میں آئیں۔

"کچھ نہیں بابا نے کافی کی فرمائش کی ہے، وہ ہی بنا رہی ہوں۔" کسوئی نے کافی چینی کے مکچر کو پھینٹتے ہوئے کہا۔

"آہم...... بابا نے سوچا ہوگا، جانے بیٹا رانی کب تک یہاں ہے، جلدی سے موقع اٹھا کر اپنی فرمائشیں پوری کروا لیں، ویسے کافی واقعی تم بہت اچھی بناتی ہو۔" بھابھی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھابھی ایک بات پوچھوں؟" کسوئی نے مگ کاؤنٹر پر رکھا اور بھابھی کے عین مقابل آن کھڑی ہوئی۔

"ہاں ضرور۔" بھابھی نے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہوؤں اور بھابھیوں کی آمد کے بعد بیٹیوں اور بہنوں کے لئے ان کا میکہ پرایا کیوں ہو جاتا ہے؟" جانے کسوئی کے لہجے اور نظروں میں کیا تھا کہ بھابھی بری طرح چونک پڑی تھیں، کسوئی بے ادب ہرگز نہ تھی اور چھوٹی بھابھی سے تو اس کا نند بھاوج سے زیادہ دوستی کا رشتہ تھا، ایسے میں اس کا یہ بدلا ہوا تیور چھوٹی بھابھی کے لئے بے حد حیران کن تا، مگر کسوئی کے سوال نے ان کے اندر کی چھٹی حس کو مکمل طور پر جگا کر کسوئی کے ارادوں سے باخبر کر دیا تھا، اس لئے انہوں نے نہایت تحمل اور بردباری سے اس کے سوال کا جواب دیا۔

"کسوئی اس گلاس کو دیکھو ذرا" چھوٹی بھابھی نے پانی سے آدھا بھرا ہوا گلاس کسوئی کی نگاہوں کے سامنے لہرایا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر بولیں۔

"یہ گلاس آدھا خالی ہے یا آدھا بھرا ہوا، یہ بات دیکھنے والے کی نظر کی ہے، اس طرح بیٹیوں کا میکہ ان کے کسی دوسرے گھر میں بلکہ ایک نئے گھر میں جانے سے پرایا ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کے میکے میں ایک نئی بیٹی، نئی بہن آ جاتی ہے اور ایک بات اور ہمارے معاشرے میں ایک عورت کی عزت اس کے نئے گھر میں بس جانے میں ہی ہے۔" بھابھی نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ شرمسار ہو کر ان کے گلے لگ گئی۔

"آئی ایم سوری بھابھی، جانے میں یہ کیا

بیوقوفانہ بات کہہ بیٹھی، جانے کہاں سے میرا دل دماغ......''

''شاہ میر کے پاس۔'' بھابھی نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''ہاں شاید، لیکن آپ کو پتہ ہے وہ، وہ میرے پاس نہیں، وہ میرا ہو کے بھی میرا نہیں، یہ سارے مرد......'' وہ غصے سے دانت کچکچا رہی تھی۔

''نہیں کسوئی، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، سارے مرد ایسے ہوتے تو تمہارے بھائی بھی ایسے ہی ہوتے۔'' بھابھی نے رسان سے کہا۔

''تو پھر میں ہی بدقسمت ہوں، جو میرے نصیب میں ہرجائی مرد، بے وفا شوہر لکھا ہے۔'' کسوئی کی آنکھیں بھیگنے لگیں، تو بھابھی نے اسے پانی کا گلاس تھما دیا۔

''لو یہ پیو اور تسلی اور سکون سے مجھے بتاؤ کہ آخر کیا ہوا ہے، ایسے بے وجہ اندیشے اور واہمے پالنے سے کچھ حاصل حصول نہیں ہوتا، انسان گھٹن کا شکار ہو جاتا ہے، اپنے کس لئے ہوتے ہیں اسی لئے نا کہ دکھ سکھ بانٹیں جا سکیں۔'' کسوئی نے اپنے خشک حلق کو تر کیا تو اسے لگا کہ اس کی قوت گویائی بحال ہو گئی ہے، ویسے بھی وہ دل و دماغ کی جاری جنگ سے تھکنے لگی تھی، اس لئے اس نے اپنا دل کھول کر بھابھی کے سامنے رکھ دیا، بھابھی نے نہایت توجہ اور تحمل سے اس کی بات سنی، پھر ندا کی فیڈر اٹھاتے ہوئے بولیں۔

''ایسا کرو، تم بابا کو کافی دو، وہ انتظار کر رہے ہوں گے، میں جب تک ندا کو سلاتی ہوں، پھر ہم آرام سے بیٹھ کر اس مسئلے پر بات کرتے ہیں، تم بالکل بے فکر رہو، تم ہر طرح کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہو اور ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، لیکن ضروری ہے کہ کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے ہر پہلو سے معاملے کا جائزہ لیا جائے، ٹھیک ہے نا؟'' بھابھی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''گڈ گرل، کافی دے کر میرے کمرے میں آ جاؤ، میں انتظار کر رہی ہوں، میں جاؤں ندا نسیمہ بوا کو تنگ کر رہی ہوگی۔'' بھابھی فیڈر اٹھا کر کچن سے نکل گئیں تو اس نے بھی کھولتا ہوا دودھ کافی کے کپوں میں ڈال کر کپ ٹرے میں جمائے اور بابا کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

بابا کو اسٹڈی روم میں کافی دے کر وہ بھابھی کے کمرے میں آئی تو وہ ندا کو سلا کر کاٹ میں لٹا رہی تھیں، اسے دیکھ کر وہ مسکرائیں اور بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، بچی کو دو تین تھپکیاں دے کر وہ بھی اس کے پاس آ بیٹھیں، گرمیاں عروج پر تھیں لیکن کمرے میں اے سی کی کولنگ کے باعث پرسکون ٹھنڈک تھی، مگر جانے کیوں کسوئی کی ہتھیلیاں نم آلود تھیں، اس کا اضطراب اس کے بھینچے ہونٹوں سے صاف عیاں تھے، بھابھی نے چند لمحے ہتھیلیاں مسلتی کسوئی کو دیکھا جو نظریں جھکائے جانے کس سوچوں میں غلطاں تھی، پھر انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تو کسوئی نے چونک کر انہیں یوں دیکھا جیسے وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی ہو۔

''ریلیکس کسوئی اتنا ٹینس مت ہو، یہ زندگی ہے ڈیئر، نشیب و فراز اس کا حصہ ہیں اور ہم تو مسلمان ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ زندگی کے پل پل بدلتے یہ رنگ ہماری آزمائشوں کا حصہ ہیں، اس لئے ہمیں ثابت قدم رہنا ہے، صابر رہنا ہے، اس میں ہماری بقاء کامرانی کا راز مضمر ہے۔''

بھابھی نے نرمی سے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''مگر بھابھی ہر بار میں ہی کیوں؟ کیا قصور کیا گناہ ہو گیا ہے مجھ سے؟ کب ختم ہوں گے میری زندگی کے امتحان، میں تھک رہی ہوں، بار بار گر کر اٹھنے کی ہمت نہیں مجھ میں۔''

''پاگل لڑکی! تم کیوں جذباتی ہو رہی ہو، دیکھو کم از کم شاہ میر کے معاملے میں تو میں یہی کہوں گی کہ ہم اسے بچپن سے دیکھتے آ رہے ہیں، وہ بہت نیک فطرت انسان ہے، کسوئی ضروری تو نہیں جو آنکھیں دیکھیں وہ ہی حقیقت ہو، تمہیں شاہ میر سے بات تو کرنے چاہیے تھی، یا تم کہو تو ہم سب مل کر بیٹھتے ہیں، پوچھتے ہیں اس سے، دیکھو اس طرح وہم پال لینا اور خاموش ہو کر بیٹھ جانا یا بغیر ڈسکس کیے چھان بین کیے سزا سنا دینا، جلد بازی میں فیصلے لے لینا سراسر بے عقلی ہے، تم ٹھنڈے دل دماغ سے سوچو، اس سے بات تو کر کے دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے، پھر دیکھتے ہیں۔'' بھابھی نے رسانیت سے کہا تو کسوئی نے بیڈ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں، بھابھی نے ایک نظر اسے دیکھا اور کمبل اس کے پیروں پر پھیلا دیا اور خود بھی اس کے برابر میں نیم دراز ہو گئیں اور کن اکھیوں سے اسے دیکھنے لگیں، اس کا گلابی چہرہ زرد ہو گیا تھا اور رتجگوں نے آنکھوں کے گرد حلقے بنا دیئے تھے، کسوئی ان کی نند تھی مگر خود اپنی سلجھی ہوئی طبیعت کے باعث اور کسوئی کی ملنساری کی بدولت ان دونوں میں بہنوں اور دوستوں جیسی لگاوٹ اور محبت تھی، بڑے بھیا اور بڑی بھابھی کے باہر چلے جانے کے بعد تو اب دونوں اور بھی قریب آ گئے تھے، سچ ہی تو ہے کہ رشتے خون سے نہیں دلوں کی قربتوں سے بنتے ہیں، کمرے میں طاری سکوت اور خوشگوار ٹھنڈک نے بوجھل ہوتے دل و دماغ پر سکون کی پھوار برسائی تو کسوئی اور بھابھی نیند کی آغوش میں سما گئے۔

☆☆☆

پھر محض دو دن بعد ہی جانے نصرت بیگم کے سمجھانے پر یا پھر کسوئی کے میکے والوں کا اس کا گھر بسا رہنے کی دعاؤں کی بدولت شاہ میر کسوئی کو واپس لینے چلا آیا۔

وہ ہمیشہ کی طرح سب سے خوش مزاجی سے ملا، کسوئی نے اپنے بڑوں کا مان رکھنے کے لئے اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا، سامان پیک کر کے اپنے بیگ کے لئے وہ سیڑھیاں اترنے لگی تو سامنے کا منظر دیکھ کر وہ چند لمحوں کو ٹھہر گئی، شاہ میر چھوٹی بھابھی کے ساتھ کچن میں کھڑا تھا جو اس کی خاطر مدارت کی تیاریوں میں مصروف تھیں، بھابھی مسلسل کھلکھلا رہی تھیں، شاہ میر مسلسل بولنے میں مصروف تھا۔

''ضروری نہیں جو آنکھیں دکھائیں ہمیشہ وہی حقیقت ہو'' کسوئی کے کانوں میں بازگشت ہو رہی تھی۔

''ارے آؤ کسوئی ذرا میری ہیلپ تو کرا دو، میں جب تک ندا کو چینج کرا دوں۔'' بھابھی نے اسے دیکھ کر آواز لگائی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس طرف چلی آئی، جہاں وہ ایک بار پھر دشمن جاں کی نگاہوں کے حصار میں تھی، بھابھی فرائنگ پین میں تیل اور کباب ڈال کر اسے دھیان رکھنے کا کہہ کر خود کچن سے نکل گئیں، کسوئی سمجھ نہیں پائی کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا یا واقعی ندا کو چینج کروانے چلی گئیں تھیں، شاہ میر چند لمحوں خاموشی سے اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''تم ابھی تک مسلمان ہی ہو نا؟''

''کیا مطلب؟'' کسوئی اس کے بے تکے سوال پر گڑبڑا گئی۔
''وہ دراصل مسلمان سلام کرتے ہیں نا، مہمان کو دیکھ کر۔'' شاہ میر نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے کہا۔
''جی، السلام علیکم!'' کسوئی نے جلدی سے کہا پھر اپنی بے اختیاری پر خود ہی جھینپ گئی۔
''وعلیکم السلام جیتی رہو۔'' شاہ میر کی آواز میں شوخی چھلکنے لگی۔
''مہمانوں کے لئے ڈرائنگ روم ہے آپ وہاں بیٹھیں، میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' کسوئی شاہ میر کے ارادوں سے خوب باخبر تھی، وہ یوں ہی پل میں ماحول بدلنے کا ماہر تھا مگر کسوئی کو اب شاہ میر کی کوئی ادا نہیں بھا رہی تھی، اس لئے اس نے اخلاقیات کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور رخ موڑ کر بے سبب ہی برتنوں کی ترتیب بدلنے لگی، شاہ میر اس کی ناراضگی کی شدت کا پیمانہ ناپتے ہوئے خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچے تو رات بہت ہو چکی تھی، نصرت بیگم بھی دواؤں کے زیر اثر سو چکی تھیں، اس لئے دونوں براہ راست کمرے میں ہی آ گئے، کسوئی نے کمرے میں آتے ہی ایک تکیہ بیڈ سے اٹھا کر صوفے پر رکھ دیا اور سوٹ کیس سے سامان نکالنے بیٹھ گئی۔
''بہت رات ہو گئی ہے سو جاؤ، یہ کام صبح کر لینا۔'' شاہ میر نے دھیمے سے کہا مگر وہ جیسے بہری بن گئی تھی، تب شاہ میر اٹھ کر اس کے پاس صوفے پر آ بیٹھا۔
''تمہاری یہ ناراضگی یہ خاموشی کب تک چلے گی؟'' کسوئی ہنوز انجان بنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہی تو شاہ میر نے اس کا شانہ پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔
''کسوئی! میں تم سے بات کر رہا ہوں، ایسے زندگی کیسے گزرے گی، تمہاری یہ بے رخی، بے وجہ خاموشی، کیا ہے یہ سب؟''
''بے وجہ نہیں ہے یہ سب مسٹر شاہ میر، پاگل نہیں ہوں میں، جیتی جاگتی انسان ہوں، دیکھتی ہوں، سنتی ہوں، محسوس کرتی ہوں، چوٹ لگتی ہے تو مجھے بھی درد ہوتا ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے آپ کو انوشے کے ساتھ۔ آپ دھول نہیں جھونک سکتے میری آنکھوں میں۔'' اس کی آواز بھرانے لگی اور شاہ میر یک ٹک اسے بھیگے چہرے اور آنکھوں کو دیکھتا چلا گیا جہاں بے اعتباریوں کی داستان رقم تھی، شاہ میر کو یوں حیرت میں مبتلا دیکھ کر کسوئی اور ابل پڑی۔
''کیا سمجھا تھا آپ نے آپ کوئی بھی الٹی سیدھی کہانی گڑھ لیں گے اور میری ناک کے نیچے سارا تماشا خاموشی سے چلتا رہے گا کیوں، کیوں کیا آپ نے ایسا اور ایسا کرنا ہی تو میرا انتخاب کیوں کیا، کیوں ایک بار پھر زندگی بھر کی اذیت کو مقدر بنانے پر تل گئے، شاہ میر۔'' وہ سسکنے لگی، اس کا وجود ہچکیوں کے باعث لرز اور کانپ رہا تھا، شاہ میر نے چاہا کہ اسے بڑھ کر تھام لے مگر جانے کیا سوچ کر اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا اور کمرہ میں سسکتی کسوئی اپنی تنہائی کے گلے لگ کر بلکنے لگی۔

☆☆☆

دوسری صبح ملازم نے دروازہ بجا کر کسوئی کو ناشتے کے لئے بلایا، کسوئی کے استفسار پر ملازم نے اسے بتایا کہ شاہ میر رات کو ضروری کام کی وجہ سے آفس میں ہی رک گیا تھا اور کام ختم ہونے تک وہ وہیں رہے گا، ناشتے کی ٹیبل پر نصرت بیگم

نے کسوئی کی واپسی پر خوشی کا اظہار کیا۔

''شکریہ بیٹا، تمہارے آنے سے تو میرے گھر کی رونق لوٹ آئی، شاہ میر بھی بہت چپ چاپ اور اداس رہنے لگا تھا اور پھر میں اس کے اور تمہارے ماموں کے جانے کے بعد بالکل اکیلی ہو جاتی تھی۔'' کسوئی خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی مگر نصرت بیگم اپنی ہی دھن میں بولے چلے جا رہی تھیں۔

''اس خوشی کا شکرانہ ادا کرنا تو لازم ہے نا، میں آج ہی جا کر ٹرسٹ میں جا کر معصوم بچوں میں مٹھائی بانٹ کر آتی ہوں، تم بیٹھو، میں ایک گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔''

نصرت بیگم اس اپنا پروگرام بتا کر اٹھ کھڑی ہوئیں، تو وہ بھی ناشتہ ختم کر کے کمرے کی طرف چلی گئی، بور ہونے لگی تو ٹی وی آن کر لیا، وہ غائب دماغی سے چینل تبدیل کر رہی تھی کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا، اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو گھر کی پرانی ملازمہ نذیرہ کھڑی تھی۔

''باجی جی یہ شاہ میر بابا کا خط آیا ہے۔''

اس نے خاکی لفافہ کسوئی کو تھمایا تو کسوئی نے لفافہ تھام کر الٹ پلٹ کر دیکھا، انوشہ کی جانب سے ٹی سی ایس تھا، کسوئی نے ملازمہ کو جانے کا کہا اور خود کارڈ لے کر بیڈ پر آ بیٹھی، وہ کچھ لمحے تو لفافے کو دیکھتی رہی پھر اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اخلاقیات کو پس پشت ڈال کر لفافہ چاک کر دیا، سنہرے حرفوں سے جگمگاتا خوبصورت کارڈ کسوئی کے دل کی دھڑکنیں بڑھا رہا تھا، ساتھ ہی ایک خط بھی تھا شاہ میر کے نام، چند سطروں پر مشتمل خط کے متن نے کسوئی کو چکرا کر رکھ دیا اور وہ بے اختیار اوندھے منہ بستر پر گر پڑی۔

☆☆☆

''کسوئی آنکھیں کھولو، کیسی طبیعت ہے تمہاری۔'' شاہ میر کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو کسوئی بجلی کی سرعت سے اٹھ بیٹھی۔

''آ...... آپ؟'' کسوئی نے حیرت سے آنکھیں چھپکائیں۔

''ہاں بھئی میں ہی ہوں، میرا بھوت نہیں ہے نذیرہ نے فون کیا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے، تو میں دیکھنے آیا تھا۔'' شاہ میر نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں مگر آپ نے ٹھیک نہیں کیا، آپ نے کیوں نہیں بتایا مجھے؟'' کسوئی پر روہانسی ہونے لگی تو شاہ میر نے سر پکڑ لیا۔

''یا میرے مالک، اب کیا ہو گیا؟''

''یہ دیکھیں؟'' کسوئی نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا کارڈ اور خط والا لفافہ اسے تھمایا، شاہ میر نے متجسس ہو کر اسے دیکھا، پھر لفافہ کھول کر کارڈ اور خط نکال لیا، کارڈ پڑھ کر اس کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے، پھر اس نے خط کی تہیں کھول کر اس میں درج عبارت کو پڑھا، جو انوشے نے اس کے نام لکھیں تھیں۔

ڈیئر شاہ میر!

السلام علیکم!

امی اور تمہاری کوششیں بر آ گئیں، مجھے پیا دیس ٹھکانے لگانے کی، تم نے ہمیشہ مجھے اپنی بہن سمجھا ہی نہیں، بہن کا حق نبھا کر دکھایا، کالج سے اب تک تمہاری ہر معاملے میں سپورٹ مجھے عمر بھر یاد رہے گی اور میرے پاس اس کے بدلے میں تمہیں دینے کے لئے صرف دعائیں ہیں، اب تم آنے کی تیاری پکڑ لو کیونکہ میں اپنے بھیا کی دعاؤں کے بغیر رخصت نہیں ہوں گی، میری پیاری سی بھابھی کو ضرور ساتھ لانا۔

تمہاری لٹل گرل

انوشے

شاہ میر نے خط پڑھ کر کسوئی کی جانب دیکھا جو زارو قطار رو رہی تھی، اس نے خط سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور کسوئی کو زبردستی پانی پلایا، چند گھونٹ پی کر اس کی ڈھارس بندھی تو وہ اس کے عین مقابل آ بیٹھا اور پھر شہد آگئیں لہجے میں بولا۔

''ٹھیک کہا تم نے کہ میں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا، کیونکہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارے ذہن میں ایسا کوئی خیال آ سکتا ہے جبکہ تم جانتی ہو کہ میں بچپن سے تمہیں پسند کرتا ہوں، امی ابو تصدیق کر چکے ہیں اس کی، لیکن آج میں سب کھل کر تم سے کہہ دیتا ہوں، سنو کسوئی میں تمہیں اپنے جسم و جاں کی ساری توتوں اور روح کی تمام صداقتوں اور جذبات کی ساری سرشاریوں سمیت چاہتا ہوں، اس چاہت میں کبھی کوئی شراکت دار نہیں ہوگا۔'' پھر اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے گیلے رخسار خشک کیے۔

''بس اب ان پیاری آنکھوں کو رونے کی تکلیف نہ دینا، ان میں میرا جہاں بستا ہے، انہیں دیکھ کر ہی تو میں جیتا ہوں، میں تم سے سچی اور پاک محبت کرتا ہوں اس کا ثبوت تو خود رب باری تعالٰی نے یوں تم پر حقیقت عیاں کر کے دے دی ہے، میں نے تو تمہیں پا لیا سمجھ ساری دنیا کا خزانہ پا لیا، میری محبت پر شک نہ کرنا کسوئی، بے اعتباری سے محبت معتبر نہیں رہتی، تمہاری وفا، تمہاری چاہت کا اثاثہ میری عمر بھر کے لئے کافی ہے، میں سر سے پاؤں تک اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں سمیت صرف تمہارا ہوں، صرف تمہارا۔'' شاہ میر نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تو وہ سرشار ہو کر مسکرا دی۔

''آئی ایم سوری، میں نے بنا تصدیق کے۔''

''بس اب کوئی شکوہ شکایت نہیں، صرف محبت اور پیار کی باتیں ادکے۔'' شاہ میر نے اس کے رخسار چھوئے تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ویسے میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ انوشے کی شادی میں شرکت کے ساتھ ساتھ ہم ایک آدھا ہنی مون اور منا لیں، کیا خیال ہے؟'' شاہ میر نے شرارت سے اسے دیکھا تو اس نے شاہ میر کی شوخ نگاہوں سے بچنے کے لئے اپنا چہرہ ہتھیلیوں سے ڈھانپ لیا اور شاہ میر نے اس کی اس ادا پر نثار ہو کر اسے آغوش میں بھر لیا، ادھر چاندنی رات کی تاریکی کو اپنی آغوش میں بھر رہی تھی۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

اکیسویں قسط کا خلاصہ

علی گوہر عمارہ سے سچ اگلوالیتا ہے اصل بات جان کر، وہ نڈھال ہے مگر بدلا ہوا بھی۔
امرت کو اپنے نکاح کا پتہ چلتا ہے، وہ چوری گھر سے نکل آنے میں کامیاب ہو جاتی ہے، گھر پہنچ کر عمارہ کی رائے ہے کہ اسے لاھوت سے نکاح کر لینا چاہیے تھا۔
لاھوت کاغذات کی فائل لے کر فنکار کے گھر جاتا ہے مگر تعارف نہیں کرا پاتا اپنا۔
واپسی پر وہ فائل پڑھتے ہیں اور ان کے ساتھ نواز بھی حیران ہے، صدمے میں۔
لاھوت واپسی پر امرت سے ملنے آتا ہے، دروازے پہ امر کلہ اور ھالار کا بالآخر ٹکراؤ ہوتا ہے۔

بائیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے
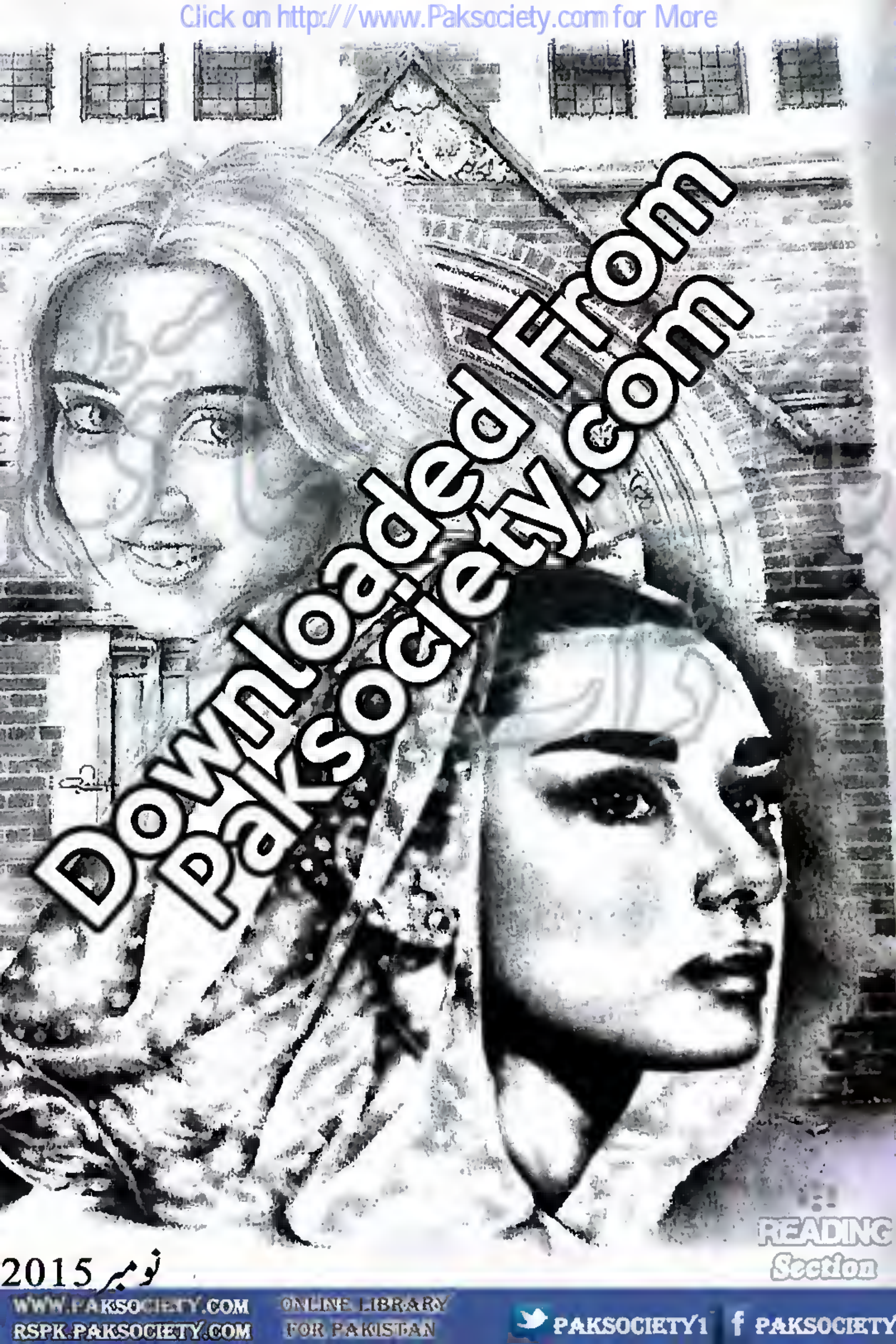
خلاف توقع کھلے دروازے کے سامنے لاہوت کھڑا نظر آیا وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئی، خفگی اپنی جگہ پر تھی، وہ اندر آیا سلام کیا اور اس کے پیچھے لاؤنج تک آیا، اس نے صرف سلام کا جواب ہی دیا تھا۔

خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی، اس کے سامنے۔

''فرمایئے؟ کچھ رہتا ہے ابھی؟'' لہجہ تلخ کیسے نہ ہوتا، اس نے جیب سے سیل فون نکال کر اس کے سامنے میز پہ رکھا۔

''بہت شکریہ۔'' اس نے سیل اپنی طرف کھسکا لیا۔

وہ اسے آن کر کے ہر ہر فائل ان باکس سے لے کر سوشل اکاؤنٹس تک دیکھ رہی تھی، لاشعوری طور پہ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر جگہ کٹ لگ گیا ہو، ہر جگہ کچھ نہ کچھ مسنگ ہو، بظاہر کچھ بھی مسنگ نہ تھا۔

نہ کوئی تبدیلی تھی، یہ اس کے اندر کا وہم تھا، یا پھر اندر کے احساس تھے جو ثانوی چیزوں پر چڑھ کر بولنے لگے تھے۔

بے چینی کا کوئی نکتہ تھا جو کٹ لگا رہا تھا، کچھ نہ کچھ تو اپنی جگہ سے سرکا تھا، یا تو پھر کوئی آوارہ نکتہ اپنی اصل جگہ حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا اور اندر کوئی کھٹ پھٹ، کوئی کھلبلی تھی، تفکرات چہرے پر پھوٹتے تھے، جب ٹوٹ پھوٹ اندر میں ہوتی تھی، جیسے کسی ہونی کا خدشہ۔

''میں بے خبر تھا، مجھے بتایا گیا تھا کہ امرت بہت خوش ہے، میں الجھا تھا، وقت کی تلاش میں تھا، بات کرنا چاہ رہا تھا۔'' ابھی بھی اس کے سیل فون پر گھر کے لینڈ لائن کی کئی مسڈ کالز تھیں جو اس نے رجیکٹ کر کے کاٹی تھیں۔

اس نے سوچا تھا جب تک یہ دو ضروری کام نہ ہو جائیں وہ کسی کی کوئی بات نہ سنے گا، کسی ضروری غیر ضروری بات کو اپنے پاس جگہ نہ دے گا۔

گھر والوں سے بات کرنے کا صاف مطلب تھا اپنے سر پہ پتھر برسانا، دوہرا پریشر لیتا اور پھر سر پکڑ کر بیٹھ جاتا۔

''تو کب بولتے تم، جب مولوی نکاح کی فائل تمہیں تھما تا تب بھی شاید تم نے سائن کر لینے تھے اور پھر کہنا تھا سوری میں تو بول رہا تھا، بس کیا ہے کہ صرف سائن ہی تو کیے ہیں، اس سے کیا ہوتا ہے، کسی کی زندگی ہی تو جاتی ہے، میں معذرت تو کر رہا ہوں نا۔'' وہ اسی کی ٹون میں بولی۔

''اور پھر تمہاری معذرت سے میرا سارا نقصان بھر جاتا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو امرت، مگر تمہیں وہاں سے آنا نہیں چاہیے تھا، مجھے بتا دیتیں، انکار کر دیتیں۔''

''تم ملے کہاں تھے مجھے، دلہنوں کی طرح منہ چھپائے تو پھر رہے تھے، سامنے تو آتے، ٹھیک ٹھاک خبر لیتی میں تمہاری۔'' وہ پوری طرح بگڑی ہوئی تھی، وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا، جب دروازہ دھڑا دھڑ بجا، اتنی عجلت، وہ جھلائی۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ اٹھا تھا۔

''رہنے دو میں دیکھ لوں گی۔'' وہ جھٹکتے ہوئے اس کی بات پر فوراً اٹھی، دروازہ لگ رہا تھا جیسے کسی نے توڑ دینا ہے، لاھوت اس کے پیچھے اٹھا۔

''تم میرے گارڈ بننے کی کوشش نہ کرو، بیٹھ جاؤ، دروازے پہ کوئی بندوق لے کر نہیں کھڑا۔''

''بندوق ہوتی تو بندوق چلاتا دروازہ نہیں پیٹتا۔'' وہ اسے سنا کر باہر گئی۔

لاھوت کو ناچار وہیں رکنا پڑا اور اس نے اپنی جاندار مسکراہٹ خارج کی جو کوئی دیر سے بھینچے بیٹھا تھا۔

''ٹھہر جائیں دو لمحے۔'' وہ تیزی سے کہتی دروازے تک آئی، دروازہ کھولا، سامنے عمارہ تھی، اس کا دل کر رہا تھا ایک تھپڑ سیدھا جڑ دے اسے جس طرح اس نے دروازے کو پیٹا تھا۔

''کون سی بلا تمہارے پیچھے پڑ گئی ہے کہ دروازہ توڑنے کے لئے تمہیں یہی گھر ملا، حد ہے، میری ماں اگر اس دروازے میں کوئی نقص دیکھ لے آ کر تو قیامت تک میری خلاصی کرتی رہے گی۔'' وہ بری طرح جھلائی۔

''اکیلی کھڑی تھی گلی میں، ڈر لگ رہا تھا، کوئی آ نہ جائے۔'' وہ دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ آئی۔

''اور جس طرح تم دروازہ بجا رہی تھیں اس سے تو پوری گلی کے گھروں کے دروازے تم پر کھل گئے ہونگے۔''

''کہاں، صرف ایک بڈھا کھوسٹ دروازے سے نکلا تھا جانے کیا بکے جا رہا تھا۔'' ڈھٹائی کی حد بھی عمارہ پر ختم ہو جاتی تھی۔

وہ اندر آئی تو بجائے علی گوہر کے لاھوت کو دیکھ کر حیران رہ گئی، وہ بھی کرسی سے اٹھا سلام کیا، کچھ حیرانی وہاں بھی تھی۔

''ارے وعلیکم السلام! تم آ گئے؟ کون کون آیا ہے؟ شکر ہے امرت نے میری بات سمجھ لی، نکاح تو نہیں ہوا نا؟ فون پر بھی نہیں بتایا امرت کی بچی حد ہو گئی، سرپرائز دینے کا چکر۔'' لاھوت حیرانی سے دیکھنے لگا اور امرت نے سر پکڑ لیا۔

بیل ایک بار پھر بجی تھی، بڑے طریقے سے، اس بار باہر لاھوت گیا تھا، علی گوہر ساتھ آیا، اس کی اچانک آمد پر وہ بھی کچھ کنفیوژڈ سا تھا۔

''لو جی گوہر بھی آ گیا، اب تو بس حالار کو بلا لو اور مولوی صاحب کو، نکاح سادگی سے سہی۔''

عمارہ سے اب کون سر پھوڑتا اپنا۔

علی گوہر کا منہ کھل گیا۔

''کیا واقعی؟''

''ہاں واقعی مگر پھر یہ نکاح لاھوت اور عمارہ کا ہو رہا ہے۔''

امرت پوری طرح بے بس تھی، خود کے بارے میں بات کرنے کی سکت جیسے ختم تھی، اس نے عمارہ کی طرف دیکھتے کہا، وہ اور شپٹا گئی۔

''کیا کہہ رہی ہو، خوشی سر پر چڑھ گئی ہے؟'' عمارہ بوکھلائی تھی۔

''تمہارے نکاح کی خوشی مجھ سے زیادہ اور کسے ہوگی بھلا عمارہ، بس اماں ابا کو فون کر لیتے ہیں، کیا خیال ہے۔'' وہ تینوں کی طرف باری باری دیکھنے لگی۔
''یہ سب کیا ہے یار؟'' لاھوت بری طرح الجھا تھا۔
''یار تمہاری خوش نصیبی ہے اور کیا لاھوت دو دو لڑکیاں تم سے منسوب ہونے جا رہی ہیں۔''
علی گوہر سارا مسئلہ سمجھ چکا تھا۔
لاھوت پوری طرح بے بس تھا۔
''کیا میں کوئی کھونٹا ہوں کہ جس سے آیا جب آیا باندھ دیا، جانتے ہیں ہم کوئی تمہیں کھوتوں کے لائق لگتی ہیں؟'' عمارہ چلائی وہ اور گھبرایا۔
''دیکھیں، مجھے نہیں کچھ سمجھ آ رہا۔'' وہ کہنے کچھ آیا تھا، اور کچھ لگ رہا تھا، سمجھ سے باہر، علی گوہر کو وہ اس وقت مظلوم ترین انسان لگا تھا، اس دنیا پر۔
امرت بڑے سکون سے بیٹھی تھی اب۔
خود گوہر آیا تو کسی اور کام کے لئے تھا اور یہاں کھڑا اس مضحکہ خیز صورتحال پر مسکرانے کے علاوہ اور کچھ نہ سوجھا تھا۔
''قصہ یہ ہے کہ چیپٹر کلوز کرو اب۔'' امرت آخر جھلائی۔
''وہ تو کلوزڈ ہے۔'' لاھوت بوکھلایا ہوا۔
''جانے دو یار چلو چائے پیتے ہیں، امرت دو کپ زبردست چائے۔''
''کیوں کوئی ٹی چینی خرید کر دے گئے ہو؟ روز روز یہاں چائے پینے کھڑے ہو جاتے ہو، گھر میں چائے نہیں بنتی کیا؟'' عمارہ کرسی پکڑ کر بیٹھ گئی، امرت پہلی بار اتنی دیر میں مسکرائی تھی اور گوہر بھی۔
''تو چلو پھر کسی کیفے میں چلیں، لاھوت یہاں تو چائے کے سو سو طعنے مل رہے ہیں۔'' وہ اچھے موڈ میں تھا۔
''میں نے تو صبح سے کچھ نہیں کھایا، بڑی بھوک لگی ہے، کچھ پکا ہے تو پلیز کھلا دو امرت۔'' وہ کرسی پہ جما بیٹھا تھا۔
''دال چاول ہیں تھوڑے سے۔'' وہ اٹھی تھی۔
''کچھ اور بنا لوں؟'' موڈ کافی بہتر تھا اب۔
''نہیں، کچھ نہیں بس جو ہے سو دے دو۔'' عمارہ کچن میں آئی اس کے پیچھے۔
''یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے تم نے، یا تو اسے گھر بلایا ہے کھانے کھلا رہی ہو......اور یا تو۔''
''دیکھو عمارہ، یہ بات اب آخری بار تم سے کہہ رہی ہوں اور آخری بار کہنے کا یہی مقصد ہے کہ اسے ذہن نشین کر لو اچھی طرح سے کہ نہ میرا پہلے کبھی لاھوت کے بارے میں یہ ارادہ تھا اور نہ اب ہے، نہ کبھی ہوگا، آئی سمجھ میں بات؟''
''تو پھر کون سا شہزادہ تمہارے لئے آسمان سے اترے گا؟''
''لاھوت آسمان کا شہزادہ ہے تو، تم سوچ لو۔'' یہ گفتگو تیز آواز میں ہو رہی تھی، باہر بیٹھے گوہر

اور لاھوت دونوں ہنسنے لگے تھے۔

''میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا، کیوں اپنے کزن کے آگے میری ریپو خراب کر رہی ہو، وہ پہلے ہی مجھے کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔''

امرت کھانا لئے باہر آئی۔

''لاھوت اب میری دوست کو پلیز اچھی نظر سے دیکھنا تم۔'' وہ مسکرایا۔

''بالکل بوس ٹھیک ہے۔'' عمارہ نے اسے گھورا۔

''تم کھاؤ گے کھانا۔'' گوہر کو پیشکش تھی۔

''نہیں تم کھالو، میں کھا کر آیا ہوں۔''

''ویسے عمارہ سوچ لو لڑکا برا نہیں ہے۔'' اب کی بار گوہر تھا۔

''میں تمہیں جان سے نہ ماردوں، گھر تو چلو ذرا تم۔''

''دل سے تو کسی اور نے مار دیا ہے اب جان سے تم ماردو۔'' اب کی بار لاھوت بولا تھا۔

''آپ تو ذرا چپ ہی رہیں تو بہتر ہے، عمارہ کو جانتے نہیں آپ۔''

''ہاں لاھوت یہ تم سے زیادہ کھڑوس ہے۔''

''امرت جان سے ماردوں گی لمٹ میں رہو۔''

''کاش یہ دھمکی تم نے خود کو بھی کبھی دی ہوتی۔''

چاروں کی نوک جھونک کتنی دیر تک چلتی رہی۔

☆☆☆

''تمہارا باپ شاید کبھی بڑا نہیں بن سکتا ھالار، دن بدن چھوٹا بنتا جا رہا ہے، بچہ بنتا جا رہا ہے، تمہارے لئے مسئلے کھڑے کرتا جا رہا ہے، سوچ رہا ہوں تمہیں کون سا سکھ دیا ہے میں نے زندگی میں، کیا کوئی دیا بھی ہے؟'' وہ وہی فائل تھامے اس کے کمرے میں تھے۔

جب وہ متورم آنکھوں سے اپنی تھکن کے ہاتھوں چور بوٹ کا ٹوٹا ہوا تلوہ چپکا رہا تھا، اس نے کوئی بونڈز کی آدھی ٹیوب اس پہ مل لی تھی اور اب بوٹ کا ٹوٹا تلوہ سرے کے ساتھ چپکا رہا تھا۔

یہ اس کی بچپن کی عادت تھی کہ ٹوٹی پھوٹی چیزیں وہ خود جوڑ لیتا ٹھیک کر لیا کرتا تھا، اس حد تک کہ اسے استعمال کے قابل بنا لیتا، اگر نہیں تو چار چیزیں کباڑی میں دے کر کوئی نئی چیز لے آتا، اپنے باپ سے اس نے چیزیں جوڑنا سیکھی تھیں، مگر اس کا باپ طبیعت کا ہی نہیں نام کا بھی فنکار، ٹوٹی پھوٹی چیزوں کو بھی سنبھال کر رکھنے کا عادی تھا۔

چیزوں سے بھی انسیت کی بنا پر وہ کھونا نہیں چاہتا تھا، اسے چھوٹی سی عمر میں بھی اپنے باپ کے اس رویئے سے فکر ہوتی تھی، ایک دفعہ پورا اسٹور بھر گیا، ان کی غیر موجودگی میں ھالار نے سب کباڑی میں دے دیا اور ان کے لئے نیا سوئیٹر اور چپل لے آیا جس کی انہیں بہت ضرورت تھی، سوئیٹر اور چپل کو دیکھ کر وہ خوش تو بہت ہوئے، مگر اتنی ساری کھوئی ہوئی چیزوں کو یاد کر کے آب دیدہ ہو گئے۔

تب اسے گود میں لے کر کہا تھا۔

"دیکھ ھالی یہ سوئیٹر اور چپل میں سنبھال کر رکھوں گا جانی، مگر چیزیں یوں اٹھا کر نہیں پھینکتے، ان کے ساتھ بھی ہم نے ایک وقت گزارا ہوتا ہے، تعلق ہوتا ہے ان کے ساتھ ہمارا۔"

اس کے بعد ھالار چیزیں کباڑی میں نہیں دیتا تھا بلکہ کسی کو استعمال کے لئے دے دیتا تھا، اپنی اور ان کی تو اتنی گھس چکی ہوتیں تھیں کہ کباڑی والا بھی لینا پسند نہ کرتا۔

مگر کچھ سالوں سے ھالار کی عادت ہو گئی چیزوں کو جمع کرنا، اس نے سوچا تھا چیزوں کو سینت سینت کر رکھنے والا کیسے اتنا پتھر ہو گیا کہ اپنی سگی بیٹی سے منہ موڑ لیا، کیا ان دنوں میں ان کا اس بچی سے کوئی تعلق نہ جڑا ہو گا دلی طور پہ، ان دنوں میں وہ یہی سوچ رہا تھا۔

فنکار کو لگا ھالی ابھی بارہ سال کا ہے، انہیں وہ سین یاد آیا جب بارہ سال کی عمر میں اس نے جوتے گانٹھنے کی کوشش کی تھی، جوتا نہیں گانٹھا جا رہا تھا اور سوئی ہاتھوں میں چبھ گئی تھی اور وہ رو دیئے تھے، اب بھی ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"ھالی! کیا میں تجھے ایک جوتا نہیں دلوا سکتا یار۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے جوتا لینے کی کوشش کی۔

"اپنی سی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے ابا اور اب یہ بتائیں اس فائل کا کیا کرنا ہے ہمیں۔"

"ھالی! یہ میں نے امرت کے نام لکھ دیا ہے یار، یہ وہ نہیں لے گی، مجھے پتہ ہے مجھ سے تو کبھی نہیں، تو ایسا کر یہ رکھ لے۔"

"میں رکھ کر کیا کروں گا۔" لہجہ روکھا تھا۔

"جب میں مر جاؤں تو دے دینا اسے، پھر لے لے گی۔" ھالی ایک لمحے کو رکا، پھر جوتا اٹھا کر کھڑکی کی آڑ میں دھوپ میں رکھ دیا۔

"ھالی جو کچھ میرا ہے، جو بھی ٹوٹا پھوٹا، کچھ ہی، چند سکے، چند چیزیں، وہ تمہارے لئے، ھالی میرا سب کچھ تمہارا ہے، جو بھی ہے جو میرا ذاتی ہے، وہ سب تمہارا ہے ھالی۔" وہ اس کے سامنے فرش پر بیٹھ گئے۔

"یہ سب آبائی ہے اسی کا حق ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے، سوائے آپ کے۔"

"اور اسے کیا میری ضرورت نہیں ہے ھالی؟"

"آپ کو اس کی ضرورت ہے؟" سوال تیکھا تھا۔

"وہ میری بیٹی ہے ھالی، کچھ وقت تو میری گود میں کھیلی ہے۔" ھالار سنجیدہ تھا۔

"مجھے پتہ ہے، سگی بیٹی ہے آپ کی۔"

"سگا کیا ہوتا ہے ھالی، سگے تو میرے تم ہو۔"

"مجھے مت بہلائیں ابا جی۔"

"ھالی، یار تو مجھ سے خفا ہے، تو بھی۔"

"میں تو سمجھتا ہوں ایک دنیا بدل جائے مگر ھالی ابے سے نہیں روٹھ سکتا، ابے کی ہر اک چیز اپنا لیتا ہے، اب کو سینے سے لگا کر رکھا ہے۔"

''یہی تو مجبوری ہے ابا جان، حالی کاش آپ سے روٹھ سکتا، کاش کہ روٹھ سکتا۔''
''حالی تو نے بھی کچھ نہیں پوچھا مجھ سے بھی، اپنی ماں کے بارے میں، دل نہیں کیا؟''
''میں نے ابے میں ہی سب پا لیا، ماں بھی باپ بھی سگا سوتیلا سب کچھ، دوست یار ساتھی۔''
کتنے دنوں بعد اس کا دل کر رہا تھا رو دے۔
دل بھرا ہوا تھا، کل رات امر کلہ سے ایسا سامنا، اس کا یوں پھر سے رخ بدلنا، مگر ٹھہر جانا، اس کا دل تب سے گہرے سمندر میں ڈبکیاں لے رہا تھا۔
''حالی میری جان، ابے کی جان۔'' انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا۔
''کبھی کہہ دیا کر جو دل میں چھپا رکھا ہے اپنے، اپنے یار دوست سے نہ چھپا کر۔''
''ابھی بولنے کا حکم نہیں، زبان پہ جیسے تالا لگا تھا۔'' حالی خاموش تھا۔
اسی وقت نواز حسین آیا تھا کھانا لئے، حالی ان کی گود سے اٹھ بیٹھا۔
''باپ اور بیٹے کا رومانس۔'' وہ مسکرایا۔
''اصل میں نواز حسین ہمیں دنیا میں کوئی رومانس کرنے کے لئے نہیں ملا۔'' وہ کھوکھلی ہنسی ہنسے۔
''رومانس کے بغیر کیا زندگی نہیں گزاری جا سکتی؟'' اس نے بریانی کی تھیلیاں میز پہ رکھیں اور پلیٹیں لینے کچن کی طرف گیا تھا۔
''لگتا ہے یہ بدھو آج کی ساری کمائی خرچ کر کے آ گیا، میں کہتا ہوں تانگے سے بھلا رکشہ لے لے۔'' حالا رکپڑے جھاڑ کر اٹھا، جوتا دیکھا خاصہ چپک گیا تھا۔

☆☆☆

اس کے پاس ایک دن تھا اور اس نے جیسے دشت میں گھوڑے دوڑا دیئے تھے، لاھوت اپنی یونیورسٹی کے کام سے نکل گیا تھا، عمارہ نے گھر کی صفائی میں اس کی بہت مدد کی تھی، ایک دن بعد گھر والے واپس آنے تھے، سب کچھ بظاہر ٹھیک لگ رہا تھا، جیسے ٹینشن ٹلی تھی، مگر اسے بہر حال جاب کی فکر نے پریشان کر دیا تھا، اوپر سے جو سندھی پرچوں کا حال تھا، جس کے لئے اس نے بورڈ میں ایک مشقت بھری زندگی گزاری تھی چاہے کچھ عرصہ سہی مگر اسے لگ رہا تھا کہ اس نے کوئی لمبا عرصہ گزارا ہے اس مشقت میں اور پھر وہ وہیں پہ آ کھڑی تھی۔
بورڈ کے پرچے گورنمنٹ کے پرچے تھے، خرچہ گورنمنٹ تھا، ان کو صرف سیکرٹری کا سر کھپانا تھا، چیئرمین تک دوڑ لگوانی تھی، پرچے کی تحقیق کا میٹر شروع سے بہت عمدہ رہا تھا دیگر اصناف کے بھی کیا کہنے، ان کے پاس بھٹائی جیسا مفکر دانشور صوفی تھا، ان کی شاعری کی فکر کے کھلتے پیغامات تھے، مگر ابھی فکشن تجربات سے عاری تھا، ان کی حالت ادب اپنے جونیئر کو کچھ سکھا نہیں پا رہا تھا، ہر جگہ الیکٹرانک میڈیا کی طرح ریٹنگ کا چکر تھا۔
ادبی پرچے کے ایڈیٹر نے اپنا خرچہ نکالنا تھا، اضافے کے ساتھ، اشہارات کے بحران نے یا ان کی عام دستیابی نے پرچوں کو غریب کر دیا تھا اور نیا لکھاری اپنے پرانے ادب کے تجربات سے ناواقف صرف شہرت کے چسکے میں پیسے دے کر کتاب پہ کتاب لا رہا تھا جو کوئی خریدنے کو تیار نہ

تھا، بس چار یار دوستوں میں بانٹ کر ایک رونمائی کروا کر وہ خود کو اعلیٰ پائے کا ادیب کہہ رہا تھا۔
اور جو اصل پائے کے ادیب تھے، وہ کسی کونے میں منہ چھپائے پڑے تھے، یا ضروریات زندگی میں الجھے تھے۔
امرت کو پتہ تھا سب ایک مشقت کی فصل کاٹ آئے ہیں، سب دشت میں دل پاؤں جھلسا آئے ہیں۔
سب نے ایک عرصہ قلم کی پیاس کو بجھانے کے لیے سفر کیا ہے، سب بہت تھکے ہوئے ہیں، مگر افسوس یہ کہ یونٹی نہیں تھی، ایک دوسرے کے خلاف تلخی اور کڑواہٹ زیادہ تھی، برے تجربات نے اچھے تجربات کو زد میں لیا ہوا تھا۔
اسی جا کو سلسلے کی ایک کڑی تھی جب اس نے بورڈ جوائن کیا تھا اور پرانے ادیبوں سے ملنے ملانے کا سلسلہ شروع کیا تھا اور اب وہ پھر سے اس جھنجھٹ میں کھپنے کے لئے تیار تھی۔
''دیکھو امرت اصل بات یہ ہے کہ تمہیں کسی طرح سے چین نہیں تم ہر بار کوئی نہ کوئی جھنجھٹ پال لیتی ہو، تمہیں بس ایک ہاٹ ایشو چاہیے ہوتا ہے۔'' عمارہ بری طرح بگڑی ہوئی تھی، وہ لوگ ابھی ایک نشست سے اٹھ کر آئے تھے۔
اور عمارہ اتنی دیر میں صرف پہلو ہی بدلنے کا کام کر رہی تھی یا دوسرا شکل سے اس کی بیزاری ظاہر تھی اور پوری طرح، امرت گوہر کو اس کے بارے میں بتا رہی تھی، وہ دونوں اب بھی اس کے بیزار تاثرات سے محظوظ ہو رہے تھے، عمارہ ان کے قطع نظر صرف اس بات پر پریشان تھی کہ امرت نے ایک نیا گھڑاک پال لینا ہے اب اسے کیسے ہینڈل کرے گی۔
''دیکھو گوہر اسے سمجھاؤ یار ہر دفعہ ایک نئی فلم گلے میں ڈال لیتی ہے، کتنا دماغ خراب ہے اس کا، اب نیا پرچہ کون نکالے گا گوہر، اور کیسے، دیکھنا آنے والے دنوں میں یہ پھر گدھوں کی طرح کام کرنے والی ہے۔'' گوہر ہنس پڑا تھا اور امرت بھی۔
''یہ لو عمارہ اخبار کا دفتر آ گیا ہے، میں بورڈ کے دفتر کا چکر لگا کر عمارہ کو تمہارے گھر ہی چھوڑ دوں گا۔''
''ہاں یہ اچھا ہے۔'' عمارہ اس سے پہلے بول پڑی۔
''کیا خاک اچھا ہوگا بھلا، اس کے حصے کا کام تم جو کرو گی، یہ تو ہے ہی کام چور۔'' اس سے پہلے گوہر ۔ ا، امرت ہنستے ہوئے اتری۔
''سو، میں بھی جانتی ہوں، اس نے سوچا تھا اخبار سی وی دے کر وہ پھر ریڈیو اسٹیشن یا ٹی وی کے دفتر بھی ٹرائی کرے گی، کسی بھی نوعیت کا کام ہو، بس ایکسپٹ کے کام اسے نہ دلچسپی تھی نہ ضرورت، اسے شہرت نہیں کام چاہیے تھا اور ابھی وہ کسی قسم کا رسک نہیں لے سکتی تھی کہ ٹائم ویسٹ ہو چکا تھا اس نے اپنے کھانے کے لئے کمانا تھا، مشقت اٹھانی تھی، مشقت کا بوجھ اٹھانا تھا، وہ ادب کے لئے مشقت کرنے کے لئے تیار تھی مگر اسے اپنے لئے روٹی روزی کا انتظام بھی خود کرنا تھا، کہنا غلط نہ ہوگا کہ جو نصیب میں لکھا تھا، اسے خود تلاشنا تھا۔''

☆☆☆

"اوہ شکریہ گوہر۔" گاڑی رکی تھی اس نے اپنی سی وی چیک کی۔
"اب اخبار کے دفتر میں کون سی بین بجانی ہے تم نے۔" عمارہ بھری ہوئی تھی۔
"شکر ہے عمارہ تم رشتے میں میری ماں نہیں ہو؟" سی وی موجود تھی اس نے باقی کاغذات الگ کرتے ہوئے کہا، عمارہ کی گھورتی نگاہ تیز تھی۔
"آجائیں خالہ۔"
"ویسے امی کی کمی نہیں محسوس ہونے دی تم نے مجھے۔"
"دیکھو میں ضرور چاہتا ہوں کہ امرت تم گدھوں کی طرح کام کرو، مگر یہ ہرگز نہیں کہ اس میں تمہارا کوئی فائدہ نہ ہو۔"
"گوہر اگر سوچ لو گدھوں کی طرح کام کرنے پر یہاں اتنا ہی معاوضہ ملتا ہے جتنا گدھوں کی گھاس پہ خرچہ ہوتا ہے، تم لوگ کتنے نان سیریز ہو اور تم لوگوں کی وجہ سے میں چار دن سے جاب پہ نہیں گئی، مجھے ابھی بورڈ لے جاؤ تاکہ میں اپنا کچھ کام گھر لے کر جاؤں پرچے کا۔"
"اور مجھے پتہ ہے کہ گھر بیٹھ کر تم نے کتنا کام کرنا ہے، خیر بتاؤ امرت ہم یہاں کتنی دیر کھڑے رہیں؟"
"یار تم لوگ جاؤ میں اب خود ہی آجاؤں گی۔" اسے چھوڑ کر گوہر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

وہ کھانا کھا چکے تھے، ان کے اندر کی بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔
"اسے فون کرو نواز حسین، اس لڑکے کو۔"
"کسے گوہر کو؟" نواز کا تقریباً روزانہ کا معمول بن گیا تھا ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا، وہ کبیر بھائی کے لئے ترستا پھرتا تھا، ان سے بات کر کے دیکھ کر دل خوش ہو جاتا تھا، ایک سب سے بڑا فرق یہ تھا کبیر احمد پر امید رہتے تھے، وہ کافی سارا علم لے کر چلتے تھے، خود شناس تھے اور انسان شناس بھی، پک چکے تھے، انہیں راستوں کا علم اور اندازہ تھا، منزل کا پتہ تھا، پورے رچ چکے تھے۔
یہ جیسے ابھی تک اتنے غائب دماغ تھے، کھوئے ہوئے، ایک یکساں چیز تھی، کہ تڑپ لگن اور سچائی جو تھی وہ دونوں میں برابر تھی۔
نواز کو ایسے لگتا جیسے غم روزگار سے ہٹ کر وہ یہاں چند سانس اطمینان کے لیتا تھا، ابھی پھر ان کے اندر کی بے چینی محسوس کر گیا تھا۔
"کس لڑکے کو؟" اس کی بجائے ھالار بولا۔
"لاھوت کو۔" وہ ڈرتے ڈرتے کہنے لگے۔
"میرے پاس نمبر نہیں ہے سر، ھالار تمہارے پاس ہے۔" ھالار ملانے لگا اس کے کہتے ہی۔
کوئی چوتھی بار کی بیل تھی جب ہڑبڑاتے لاھوت نے کال ریسیو کی، ھالار اس کی آواز کی پریشانی سمجھ سکتا تھا۔
"خیریت لاھوت۔"
"اللہ کا شکر ہے۔" گہرا سانس بھرا تھا۔

''کیسے فون کیا؟''

''تم سے ملاقات ہو سکتی ہے ابھی؟ اس وقت؟''

''نہیں، سوری گاؤں جا رہا ہوں ایک ایمرجنسی ہے۔''

''خیر ہے؟''

''ابا کی طبیعت بہت خراب ہے۔''

''اوہ اللہ انہیں زندگی دے، کیسا مسئلہ ہے؟''

''ھالار! ایک دعا کرنا، مجھے کبھی ان کی خدمت کا موقع نہیں ملا، وہ مل جائے، آخری بار ت۔'' اس کا لہجہ ڈوبا تھا۔

''دعا کرنا ھالار۔'' اس کی آواز سے طبیعت کی نوعیت کا پتہ چل رہا تھا۔

''وہ کومہ میں چلے گئے ہیں، میں ان کی ایک دفعہ صحت یابی چاہتا ہوں۔''

''اللہ انہیں سلامت رکھے۔'' فنکار چونک کر دیکھنے لگے تھے۔

''ھالار ان سے کہنا دعا کریں۔'' وہ سمجھ گیا۔

''یہاں سے ہی گزرو گے نہ، چند لمحے دروازے کے پاس ٹھہر جانا تم۔'' کہتے فون رکھ دیا اس کی ناں سنے بغیر۔

''سب خیر ہے ھالی؟'' نواز کو اندازہ تھا۔

''لاھوت کے والد صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے، کومہ میں ہیں وہ۔''

ایک جھٹکا تو لگا ہی تھا۔

''نواز ان کو لے جاؤ ساتھ۔'' اشارہ باپ کی طرف تھا۔

''ایک بندہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے۔''

''ہو سکتا ہے زندگی ایک موقع دے دے انہیں بھی، انہیں بھی۔'' فنکار پوری بے بسی سے دیکھنے لگے تھے۔

''عین موقع پر، ہر کوئی جاتا ہے، بڑی بات ہوتی ہے وقت سے پہلے جانا، رشتوں کی ڈور اتنی کچی نہیں ہوتی۔'' وہ اٹھ کر ان کا تھیلا بنانے لگا۔

''ھالار مت کرو، میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے۔'' بے بسی ہمیشہ کی طرح عروج پہ تھی۔

''زندگی کے بہت سے کام انسان بغیر ہمت کے بھی کر لیتا ہے، میں چاہتا ہوں کل آپ کے پچھتاؤں میں اضافہ نہ ہو کہ ان کو دیکھا نہیں بات نہ کی۔''

''چلے جائیں، زندگی مٹی میں مل جاتی ہے ایک دن، اس کے معاملے اسی کے اوقات میں حل کرنے چاہئیں، قبر اور حشر کے لئے مسئلوں کی لمبی قطار ہوتی ہے۔'' وہ اندر چلا گیا، ان کے کپڑے ڈھونڈنے۔

''دیکھا نواز یہ مجھے بھیج رہا ہے، مجھ بزدل کو، میرے اندر طاقت نہیں، نواز اس نے وعدہ کیا تھا جیتے جی تمہاری شکل نہ دیکھوں گا اور میرا وعدہ شکل نہ دکھانے کا تھا۔''

''سر! وعدوں کو نہ سوچیں، کل یا آج جانا تو ہے، آپ نکل پڑیں آگے جو اللہ کو منظور۔'' اتنے

میں لاھوت کی ٹیکسی رکی تھی۔

''تم نہیں چلو گے ھالی؟'' کمزور سی التجا۔

''میرا وہاں کیا رکھا ہے؟ کون سے رشتے ہیں میں جا کر کیا کروں گا۔'' وہ لاپرواہی سے کھڑا تھا۔

''نواز ہے آپ کے ساتھ یہ اچھا ہے۔'' لاھوت بار بار گاڑی کا ہارن بجا رہا تھا۔

وہ نواز کے ساتھ نکلے، عجیب کیفیت تھی، جیسے کوئی مقدمے کے لئے ہتھکڑیاں پہنا کر لے جا رہا ہو اور انہیں اس کے بعد قید بامشقت ہو جاتی ہے یا عمر قید، انہوں نے بڑی معصومیت سے لاھوت کی طرف دیکھا تھا، کوئی تسلی کوئی دلاسہ، امید نہیں، لاھوت خود سے زیادہ ایک بے چارے کو دیکھ رہا تھا، اس نے ڈرائیور کو گاڑی بڑھا لے جانے کا اشارہ کیا، اس سے پہلے ھالار دولھوں کے لئے آیا تھا۔

اس کو اس بات کی تسلی دی تھی، اسے ھالار بہت اچھا لگ رہا تھا، اسے پتہ تھا یہ ہمت ھالی نے کی ہے، وہ بہت بڑے دل کا مالک ہے۔

اس نے اپنے لہجے اپنی باتوں میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

گاڑی آگے بڑھ گئی، فنکار نے کھڑکی سے سر نکال کر ھالی کو دیکھا جب تک گاڑی موڑ نہ مڑی دیکھتے رہ گئے، ھالی کتنا بڑا بڑا، مضبوط سا لگ رہا تھا۔

''ھالی تو بڑا ہو گیا ہے، فیصلے کرنے لگا ہے، میرا ھالی بڑا ہو گیا، میرا ھالی۔''

دل میں ایک وہم بھی زندہ تھا، اس کی جدائی تو ممکن کم تھی کہ وہ خود ان کے بغیر کہاں رہ پاتا تھا، مگر لگتا تھا انجانے میں انہوں نے کچھ زیادتیاں کر لیں، یا پھر فطری دکھ تھا۔

کبھی اس نے کوئی شکوہ نہ کیا تھا، کبھی یہ نہیں کہا کہ کاش میری سگی ماں ہوتی، میں تنہا اکیلا کبھی نہیں کہا، وہ اعلیٰ ظرف تھا، آخر بیٹا کس کا تھا۔

ھالی اندر آ کر بیٹھ گیا تھا برآمدے کے ستون کے ساتھ لگ کر، آنکھوں میں کتنا پانی تھا۔

''میرا وہاں کیا ہے، میرا کوئی رشتہ نہیں، میں احسان فراموش نہیں ہوں میرے باپ میرے ابا جانی، میرے یار، تیرا ھالی اتنا بھی گیا گزرا نہیں کہ تیرا گریبان پکڑ کے حساب کتاب لینا شروع کر دے۔'' وہ آنسو پونچھ کر اٹھا ابھی بہت سے کام رہتے تھے۔

☆☆☆

اپنے دماغ کو اس نے گھن چکر بنائے رکھا تھا، صبح کہانی کی نشست، نشست سے پھر اخبار کے دفتر، وہاں اس کے پورے دو گھنٹے فضول میں ضائع ہوئے اخبار والوں کو بس رپورٹنگ کا شوق تھا، اسے اندازہ تھا یہ آپشن اس کے لئے برا ہے، مشکل ہے کس قدر، وہ کہاں سڑکوں پر ماری ماری پھرے گی، خواری تو خواری مگر خبریں لانے کے لئے سیاستدانوں کے جاسوسوں کی خوشامدیں الگ۔

مگر اس نے یہ آپشن سیکنڈ کر لیا تھا، اس سے پہلے وہ ٹی وی میں بھی بات کر لینا چاہتی تھی اور وہاں پہ ایک نمونہ ہی بیٹھا تھا، عجوبہ سا، وہ بار بار اسے احساس دلا رہا تھا کہ اس کا فیس کتنا فوٹو جینک

ہے، اشتہارات کے لئے کس قدر موضوع ہے، اسے خاصی ہنسی آئی تھی، واپسی پر گوہر خود ہی پہنچ گیا تھا اس کے پاس۔

وہ اسے بتا رہی تھی کہ آج وہ اپنی اضافی خوبیوں سے واقف ہوئی ہے، وہ بھی ہنس رہا تھا۔

''ویسے آئیڈیا قطعی برا نہیں ہے امرت سوچ لو، کمائی زیادہ ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''گوہر جاتے جاتے ریڈیو میں آڈیشن دے آئیں؟ آج کل انٹرویوز ہو رہے ہیں۔''

وہ پہلے تو اسے ایسے دیکھنے لگا جیسے وہ مذاق کر رہی ہو، پھر اس کے ساتھ مذاق مذاق میں ہی ہو لیا تھا، وہ دونوں رات کے غزل ٹائم کے لئے سلیکٹ ہو گئے تھے، حالانکہ گوہر ذرا انٹرسٹڈ نہیں تھا، مگر مفت میں کم از کم چند سو کی روز کی کمائی تو بری نہیں تھی۔

امرت نے ایوننگ والا شو کرنا چاہا تھا مگر ٹائمنگ کا مسئلہ تھا، وہیں ان کو پرانا جاننے والا ملا جو امرت کا لیکچرر رہ چکا تھا، اس نے بتایا کہ مجھے ایک فی میل دوکاندار کی ضرورت ہے، دو دوکانیں ہیں ایک کاسمیٹکس کی، ایک کتابوں کی، کہہ رہا تھا لوگ کہتے ہیں فی میلز کیوں مگر میں کہتا ہوں عورتیں عورتوں کو دیکھ کر زیادہ آرام سے خریداری کر پاتی ہیں، بک شاپ کے لئے امرت نے ہامی بھر لی تھی کہ چار گھنٹے وہ بیٹھ سکتی ہے۔

اس نے سوچا اس طرح وہ ایوننگ کا شو کر لے گی، اس کے بعد چھ سے لے کر دس تک بک شاپ پر ہو گی، سوا دس بجے غزل ٹائم کر کے بارہ کے بعد گھر چلی جائے گی، گوہر واپسی پر ساتھ ہو گا تو اتنا مسئلہ نہیں ہو گا اسے، گوہر اس کی فوراً ہامی بھر لینے پر خاصا حیران ہو گیا تھا۔

وہ فائنل بات کر کے ایک کیفے سے چائے پینے آئے اور وہ باتوں ہی باتوں میں شیخ چلی کی منصوبے بناتی رہی کہ ایک دن وہ اپنی بک شاپ کھول لے گی اور اس کے بعد وہ اتنا کما لے گی کہ اپنا پرچہ نکال سکے گی۔

وہ اس کی باتوں پر صرف سر ہلاتا مسکراتا رہا، ایک بات اچھی تھی، اس کے پاس خواب تھے، کم از کم خواب تو تھے۔

وہ ہمت نہیں ہارتی تھی، وہ ایک سے دوسرا کام نکال لیتی تھی، وہ باہنر بھی تھی، باصلاحیت بھی اور باشعور بھی، پھر اس کے اندر کام کا اسٹیمنا اور رسک لینے کا اعتماد تھا، وہ مزے سے رسک لے لیتی تھی، چاہے نقصان کا اندیشہ ہو، مگر سدھار کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی اور جہاں جاتی وہاں اسے تبدیلیاں ضرور کرنا ہوتیں، دوہری مشقت، مگر کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ خود سے کام ضرور نکالتی تھی۔

اسے پتہ تھا اسے کچھ نہ ملا کرنے کو تو وہ اینٹیں بھی اٹھائے گی یہاں تک کہ گدھا گاڑی تک چلائے گی جو کہ ایک بار اس نے چلا کر دکھائی تھی، اس نے ایک بار تانگہ چلانا بھی سیکھا تھا۔

نواز سے کہنے لگی بھاؤ جب میرے پاس کوئی ڈھنگ کا کام نہ رہا تو یہ تانگہ تجھ سے میں خرید لوں گی، اسے اپنی خدا دار صلاحیتوں کی قدر تھی اور دوسروں کی بھی، حالانکہ غم اور فکر اس کے پاس بھی تھے۔

احساس محرومی اس کے لئے بھی منہ کھولے کھڑی تھی، مگر وہ زندگی کے سارے رنگ جانتی تھی، پھر سے آنسوؤں کی آنکھوں سے اسے مسکرانا آتا تھا اور گوہر نے اسے کئی بار بھرے آنسوؤں کی

آنکھوں سے روتا ہوا اور مسکراتا ہوا دیکھا تھا۔

☆☆☆

گھر کا سودا پکا ہو گیا تھا، دو دن میں رقم ملنی تھی، اس تک ھالار کا پیغام پہنچا تھا، وہ اس سے ملنا چاہ رہا تھا اور وہ بھی مل لینا ہی چاہتی تھی، حالانکہ ہمت کم تھی، مگر ایک بار سامنا ہو چکا تھا اس نے سوچا امرت کا سامنا کیسے کرے گا۔

کیا سامنا کرے گی بھی یا نہیں بس جیسے آئی تھی اسی خاموشی کے ساتھ چلے جانا چاہیے اسے، امرت کو ابھی تک پتہ نہ چلا ہو، یہ تو ناممکن تھا، تو اسے بھی کچھ شکوے ہیں، اچھا ہے وہ نہیں ملنا چاہتی، نہ ملے، زندگی کتنی خاموش شام جیسی چپ تھی، جیسی سردیوں کی ویران شام ہوتی ہے، اداس رات ہوتی ہے اور تھکی ہوئی صبح، جیسے خاموشی سے دن چڑھے گا ڈوب جائے گا، قصہ تمام۔

وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی، گھر سے نکلی، وہ بھی نکل چکا ہو گا گھر سے، اس نے سوچا گھبراہٹ سی طاری تھی۔

''تو تمہیں پتہ ہے کہ زندگی میں پہلی محبت کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟''

''تو تمہیں پتہ ہے کہ درحقیقت محبت کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے، تو تم نے کبھی چکھا ہے، کیا کبھی کسی کو خط لکھا ہے، کیا کبھی کسی کو......''

جملے آج بھی زندہ تھے، وہ پوری طرح بھیگی تھی، پسینے میں گو کہ نومبر اچھا خاصا ٹھنڈا ہوتا ہے۔

''تو تم کبھی میرے ساتھ دھوکا مت کرنا۔'' ایک خط میں بس ایک جملہ۔

''تو کبھی محبت کی ہے؟ بتاؤ کی ہے، بتاؤ نا۔'' ایک خط میں کئی جملے تھے۔

سارے محبت کے، پورے چودہ سال بعد وہ کہاں آ کے کھڑی تھی، کس جگہ پر، کس مقام پہ۔

''تو کیا تم نے کبھی؟''

''تو کیا محبت بھی؟''

''تو کیا تم بھی؟'' ایک ہنسی تھی، اس کے اندر آوازوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔

''تو کیا محبت بھی......؟''

''تو کیا اب بھی......؟'' اس نے کانوں کی بجائے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے چہرہ ڈھانپ لیا۔

ہمیں جان دینی ہے ایک دن
وہ کس طرح، وہ کہیں سہی
ہمیں آپ کھینچئے دار پر
جو نہیں کوئی تو ہمیں سہی

وہ کئی دنوں بعد روئی، کم از کم وہ ھالار کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی، کیونکہ وہ اس کے سامنے کبھی روئی نہیں تھی اور اب بھی اس کے سامنے رونا وہ اپنی کم ظرفی سمجھتی تھی۔

☆☆☆

عمارہ کب سے سو رہی تھی اور آج وہ بھی گدھے گھوڑے بیچ کر سو جانا چاہتی تھی، کل حاجیوں کی واپسی تھی اور دو تین دن بعد اس نے کام پر بھی لگ جانا تھا، دل کو کافی تسلی تھی، وہ لیٹتے ہوئے

ذہن ہی ذہن میں اپنے سارے پروگرام ترتیب دے رہی تھی اور ساتھ ساتھ سیل فون اٹھا کر میسج چیک کر کے سب کو ریپلائی کرنے کا وقت بھی یہی تھا۔

سارے فارورڈ غیر ضروری میسج پڑھے بغیر ڈیلیٹ کرتے وقت ایک بے حد ضروری ٹیکسٹ کی ٹون بجی تھی، ایک میسج لاموت کا تھا، ایک حالار کا تھا، جو اس نے ابھی پڑھے نہیں تھے اور ابھی کا تازہ خالی میسج گوہر کا تھا۔

''بلینک ٹیکسٹ۔'' وہ تعجب سے دیکھنے لگی۔

''شاید غلطی سے، نہیں غلطی سے کہاں۔'' اس نے گوہر کا نمبر ملایا تھا، دوسری بیل پر کال ریسیو کی گئی تھی۔

''ہیلو گوہر خیریت ہے نا؟''

''خیریت نہیں ہے۔'' آواز بھیگی ہوئی تھی، آنسوؤں سے۔

''کیا ہوا گوہر؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''امرت! آج اس نے مجھ سے سرخ کوٹ مانگا ہے۔''

''حالار نے؟'' اسے اندازہ تھا۔

''حالار نے۔'' وہ بولا۔

''اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ امر کلہ سے ملا ہے، پھر ملنے گیا ہے۔'' آواز نم بھیگی بھرائی ہوئی، اس سے پہلے کہ اس کی سب کمزوریاں ظاہر ہوتیں، وہ فون بند کر چکا تھا۔

''ہیلو گوہر، بات سنو۔'' وہ آواز دیتی رہ گئی، اسے پتہ تھا دوسری طرف وہ دکھ کا پانی رویا تھا۔

''دکھ کا پانی جیسے سادہ زبان میں آنسو کہتے ہیں، کہنے والے اشک بھی کہتے ہیں اور اس کی روانی میں بہہ جانے والے کو روگی یا جوگی۔'' بات تو کھل چکی تھی۔

☆☆☆

دنیا گول ہو نا ہو، انسان کا نصیب ضرور گول ہو سکتا ہے، جو اسے ایک دن وہیں لا پٹختا ہے جہاں سے اس کا نصیب اٹھا ہوا ہوتا ہے، انسان جیسے زمین کا گول چکر لگاتا رہتا ہے، وہ انہیں رستوں پہ تو جا رہے تھے نا جن پر نا آنے کی قسم ٹوٹی تھی، دل تو مٹھی میں جکڑا ہوا تھا، وہ وہاں پہنچے تو عجیب منظر تھا۔

رستے کے پیڑ پتھر دو آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے شکایات کر رہے تھے۔

''وہی ہو نا تم، چھوڑ کر گئے تھے تم جو۔'' انہوں نے نظریں چرا لیں، جن رستوں پر جوان ہوا تھا، بچپن جن کی دھوپ چھاؤں میں گزارا تھا، انہوں نے ہچکی لی، کہاں پتہ تھا اسے زندگی تو یہاں لا کر مارے گی نہیں لگ رہا تھا، وہ کومہ میں ہیں، وہ مرنے والے ہیں، وہ پہنچے تو عجیب ماحول تھا۔

گھر کی عورتوں اور خاندان کے مردوں کا جمگھٹا تھا، مجرم جیسے دربار میں پیش ہونے لگا، انہیں تو ایسے ہی لگا تھا۔

چارپائی کی سیدھ کی لکیر لوگوں سے بھری تھی، لاموت سے نظر ہو کر جب اس بڈھے پر گئی تو کئی چہرے ان کے لئے اور وہ کہیوں کے لئے نا آشنا تھے، اگر نقش ملتے جلتے نہ ہوتے تو کون

پہچان پاتا نہیں۔

''عبدالحادی۔'' کسی کے بوڑھے ہاتھوں میں ایک عرصے کے بعد لرزش کیسے ہوئی۔

لاھوت کا دھیان نہ تھا اور نواز دروازے کے پاس ہی ٹھہر گیا تھا، کسی نے کہا پردہ ہوتا ہے، سیدوں کی حویلی ہے، عورتیں کھڑی ہیں، وہ وہیں ٹھہر گیا، کوئی نہ کہتا تب بھی وہ بغیر اجازت کے اندر نہیں آتا۔

اپنے شوہر کا نرم روئی جیسا بے دم ہوتا ہوا ہاتھ ان کے ہاتھ سے کھسک گیا تھا، وہ تھوڑا دور کھسکیں تھیں۔

عبدالحادی آگے بڑھا، آنکھیں چھلک پڑیں، ان کے پیر اپنے ہاتھوں میں جکڑ لئے تھے، آنکھوں سے لگا لئے، لاکھ رنجش سہی، لاکھ شکوے سہی، لاکھ شکایتیں سہی، خون تو خون ہوتا ہے، مرنے سے ایک گھڑی پہلے بھی جوش مار سکتا ہے، ان کی آنکھیں کھلیں، ہاتھوں میں حرکت ہوئی، لاھوت نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں گرمایا۔

''ابا سائیں۔'' فنکار نے نگاہ اوپر اٹھائی، کسی نے اسے اوپر اٹھنے کا اشارہ کیا تھا، وہ اوپر اٹھے، نظر ملی، جھک گئی، بڑا بھائی، باپ کی جگہ پر، انگارے برساتی آنکھیں۔

''نکل جا یہاں سے کافر، بت بناتا ہے، تصویریں گھڑتا ہے، کل پوجا کرے گا ان کی، بد مذہب ہو رہا ہے، نکل جا تیری یہاں جگہ نہیں، شادی کر آیا ہے۔'' ٹھوکریں مار دھاڑ سب یاد تھا۔

''جا رہا ہوں، قسم خدا پاک کی پھر نہ لوٹوں گا، نہ لوٹوں گا۔''

بت ٹوٹ گیا، بت ہوتے ہی ٹوٹنے کے لئے ہیں، انسان کے بت ٹوٹنے کے لئے بنے ہیں، سب کا بت اپنی اپنی عمر پوری کر کے ٹوٹ جاتا ہے، ایک کا بت بے جان ہو رہا تھا اور دوسرے کا ٹوٹ ٹوٹ کر کرچی ہو رہا تھا، انہوں نے آخری بار آنکھیں کھولی تھیں، آخری بار اپنے سامنے اس بت کو ٹوٹتے دیکھا۔

''کفر کرتا ہے، بت بناتا ہے، ٹوٹے گا۔'' ان کو بھی یاد تھا مگر ابھی صرف اپنی سانس کی پرواہ تھی، بس اسی کا انتظار تھا، سانس اٹکا تھا، کسی نے کسی کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

عبدالحئی نے اپنی روح اللہ کی رضا سے اس کے حوالے کر دی، حکم سر پہ کھڑا تھا۔

انسان کے بس میں اگر زندگی بڑھانے کا اختیار دیا جاتا تو کبھی وہ ایک دنیا سے دوسری دنیا کے تیکھے سفر پہ نہ جاتا۔

عہد الست، مقام ارواح سے، اس زندگی کا سفر، ماں کے پیٹ کی زندگی، پھر یہ دنیا اور پھر قبر، اس سے آگے، اللہ جانے حشر سفر کتنا، کیسا کس طرح کا، لوگ تو قبر کے نام سے ہی کانپ جاتے تھے، آگے کون سوچتا۔

جسم ایک خالی بت پڑا تھا، روح سے خالی، بے جان، چیزوں کی طرح، ایک چیخنے چلانے والا انسان بے جان تھا، گھر بدر کرنے والا انسان بے جان تھا، جس کی روح کو جسم بدر کر دیا گیا تھا، چیخنے والا بے سدھ تھا بے جان تھا، حواسوں کی ڈور کتنی کھینچتی، اللہ جاننے والا تھا اور انہیں آہوں صداؤں آوازوں کے درمیان، کسی نے سوچا ہو گا کوئی یہ کیوں نہیں کہتا کہ تم ہمیں چھوڑ کر کیوں گئے۔

اس کو اس سے پہلے پتہ ہوگا کہ کچھ سلونے لوگ ہی ایسے ہوتے ہیں، نمانے، جن کو کہا جاتا ہے، تو کاش ہمیں نہ چھوڑتا، بلکہ کہا نہیں جاتا، ان کی کمی ہر جگہ اپنی غیر موجودگی کا خود ہی اعلان کرتی ہے۔

کوئی نہیں تھا اور کوئی تھا، یہی رونا تھا، انسان اپنی ازلی ناشکری اور بے چینی کے دکھ کی لپیٹ میں آ کر روتا ہے، روئے جا رہا تھا، عزیز و اقارب، عورتیں مرد، اپنے پرائے، میدان بھرا تھا۔

لاھوت نے سر گھٹنوں پہ ٹکایا ہوا تھا اور فضا میں نواز حسین کی میٹھی سی آواز میں تلاوت کی گونج تھی، فنکار چارپائی کے پاس بیٹھا تھا، نہ کچھ بولنے کو تھا نہ کہنے کو، نہ سوچنے کو، ہر جگہ کچھ خلاء تھا۔

کسی خاندانی بزرگ خاتون کے ہاتھ تھا، جو پہلے ان کے سر پہ دھرا، پھر بے جان بت کے چہرے سے سفید کپڑا اٹھا کر وہ رازداری سے بولیں۔

''سنو! آج تمہاری خوش قسمتی کا دن ہے، تم اس دنیا کی ذمہ داریوں سے بری ہو رہے ہو، تمہارے قفل کھول کر تمہیں آزاد کر دیا گیا ہے، تم آج سے آزاد ہو اور تم خوش نصیب اس لئے ہو، صرف اور صرف اس لئے کہ تم اپنے اللہ سے ملنے کے لئے جا رہے ہو، تمہیں خوش ہونا چاہیے، ان سب کو ایک نہ ایک دن تمہاری ہی دنیا میں آنا ہے، یہ جو دن ہے نا، یہ گرم دن سب پہ آنا ہے، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم بس اپنے اللہ پاک کے پاس جا رہے ہو یہی اہمیت کی بات ہے، اپنی رضا و خوشی کو اس حکم میں شامل کر لو، تمہارا اللہ حامی جو تم پر آسانیاں کرے گا آمین۔'' انہوں نے چہرہ کپڑے سے ڈھک دیا، فنکار اپنی جگہ ساکت تھا ساکت رہ گیا۔

صرف ایک سوال، اس نے بواء اماں کے دوپٹے کا کونہ پکڑ کے چیخنا چاہا تھا اور کہنا چاہا تھا کہ کیا یہ اپنا کام مکمل کر کے گیا ہے؟ کیا جو جاتا ہے وہ اپنا کام پورا کر کے جاتا ہے، کیا اس کے حصے کے کام ہو گیا ہے، یہی تو سوچنا تھا، بواء اماں نے جس حیرت اور سمجھی ناسمجھی کی کیفیت میں دیکھا تھا۔

سوال اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل تھا اور اتنی ہی الجھن اس وقت ان کے چہرے پر تھی، نواز پڑھتے ہوئے لمحے کے لئے اٹکا تھا، سوال کی نوعیت الگ تھی، مگر ان کے چہرے کی کیفیت دیکھنے لائق تھی۔

وہ پھر سے تلاوت میں مشغول ہوا، مگر ذہن اس کا بھی اس سوچ کو کھوجنے کے لئے نکل کھڑا تھا، کچھ تو وہ بھی سمجھتا تھا۔

☆☆☆

یہ ایک کھلا اچھی آب و ہوا والا پہاڑی علاقہ تھا، حیدر آباد کے عقب میں چھپا ہوا، جہاں کیمپس لگی ہوئیں تھیں اور سیمنٹ فیکٹری کے نزدیک رہنے والے مزدوروں کے چھوٹے سے کوارٹر، شلٹر، گھر تھے۔

اسے یاد آیا بہت کچھ، آخری بار جب وہ اس راستے سے گزری تھی تو کس بہانے سے گزری تھی۔

انسان جب بھی زندگی سے ہارتا ہے تو اسے موت ہی کا خیال کیوں آتا ہے، جیسے ڈوب

مرنے کا اور ابھی وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو رہی تھی، اللہ جانے وہ کیوں اور کس لئے ماننا چاہتا ہے، وہ جانتے ہوئے بھی خود کے سامنے انجان تھی۔

اس کے آنے سے پہلے وہ خود سے اپنے دل ہی دل میں مخاطب تھی، خود کی بات کو سننا سر جھٹکا خود کے آگے ہی پشیمان ہونا گھبرانا اور خود کو تسلیاں دینا، انسان کتنا خوش ہوتا ہے، جس دن میں خود کی نظر میں سرخرو ہوتا ہے۔

کتنا خوش ہوتا ہے، کتنا مطمئن ہوتا ہے، گردن تان کر چلتا ہے، مگر جب خود سے شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے آئینے میں آنکھ نہیں ملا پاتا تو پھر کسی سے نہیں ملا پاتا اور اس کا بقول اس کے خدا جانے کیوں مگر یہی حال ہو رہا تھا۔

اس کے اطراف میں اس کے انکل کے دوست کا گھر تھا، انہوں نے کہا تھا چاہو تو کچھ دن کے لئے اس شیلٹر نما گھر میں چلی جاؤ، ان کے گھر کی گھٹن اور تنگی نہ صرف مہمان کو پریشان کرتی تھی بلکہ گھر کے مکین اس سے کہیں زیادہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتے تھے۔

اس سے پہلے کہ دونوں طرف اک دوسرے کی صورت تک دیکھنا ناگوار ہو اس نے مختصر سے سامان والا تھیلا اٹھایا اور وہاں آ گئی، پیسے کچھ مل گئے تھے، کچھ ملنے تھے، انہیں کا انتظار تھا۔

وہ شلٹر سے باہر نکل آئی رات ماحول پر چھائی ہوئی تھی، یہ اس کی پہلی رات تھی یہاں، صبح اسے اندازہ تھا کہ رات میں جس نے حالی کو دیکھا اس طرف آتے ہوئے اس کے کردار کو کچھ اچھا نہیں سمجھا جانا ہے، یہاں مزدور طبقے کی بول چال رہن سہن بات چیت تیکھی گھورتی عورتوں کی نظروں سے ان کی ذہنیت سوچ اور ردعمل کا تو بخوبی اندازہ ہو جاتا تھا۔

شام میں اس کی چھ سات عورتوں سے ملاقات اور کسی حد تک واقفیت بھی ہو گئی تھی، ان میں زیادہ تر وہ عورتیں تھیں جن کے مرد فیکٹری میں مزدور تھے، کچھ کے باپ بھائی پتھر پیسنے کا کام کرتے تھے، پتھر ریتی، کنکریوں کے ڈھیر جگہ جگہ لگے ہوئے تھے، یہ علاقہ بھی پتھریلا تھا اور عورتیں زیادہ تر کچھ بیگماؤں کے گھر کام کرنے جاتیں تھیں شہر کی طرف اور دو عورتوں نے کوئی چار بار رکشے کے کرائے کا رونا رویا تھا، پھر بیگماؤں کی برائیوں خامیوں کی ایک لمبی فہرست تھی۔

''شمی باجی تو قسم بڑی کاہل ہے، عورت کو ایسا نہیں ہونا چاہیے میما۔'' وہ عورت اسے میما کہہ رہی تھی، اس نے کچھ بار اپنے نام کی تصحیح کی تھی کہ میما نہیں امر کلہ ہے، مگر وہ جھلا کر اتنا برا منہ بناتی تھیں کہ ہم نے تمہیں میما کی صورت قبول کر لیا ہے۔

''ہم سے نہیں یہ مشکل نام لیا جاتا۔'' اور وہ بے بس سی چپ ہو گئی۔

ان میں سے، زینت، زہرہ، سکو اور کیکی دوکانوں سے کپڑوں کو تھان کی صورت لے کر مختلف دیہی علاقوں کی طرف بیچنے جاتی تھیں۔

کیکی نے اسے بھی اس نایاب انمول مشورے سے نوازا تھا، اسے تھوڑی دیر کے لئے ہنسی آ گئی تھی اور عورتیں اس کی ہنسی پر ہنس رہیں تھیں۔

اور وہ خود پر کہ کہاں پھنس گئی، اے زندگی تیرے کتنے رنگ ہیں، یہاں کئی ایسے لوگ تھے جنہوں نے زندگی میں کئی گھر گاؤں جگہیں جھونپڑے بدلے تھے۔

خانہ بدوشوں کے سوگھر، مزے کی بات یہ تھی کہ کوٹھی نہ ہونے کا یہ فائدہ ضرور تھا کہ جگہ بدلنا آسان تھا، اس نے سوچا شعوری طور پہ شاید وہ بھی سفر کی اتنی عادی ہو چکی ہے اگر ایک جگہ گھر بنا کر بیٹھ گئی تو بڑی بے چینی ہوگی مگر نہیں، گھر کا سکون اور آسرا بہت بڑی بات ہوتی ہے اور وہ تھک بھی بہت گئی تھی۔

اسے کپڑے بیچنے والا آئیڈیا خاصا پسند آیا تھا، اس نے سوچا یہاں امرت ہوتی تو اس کا کتنا مذاق اڑاتی، یہ امرت بے مروت بار بار کیوں یاد آ جاتی ہے، وہ اسی سوچ میں تھی جب کسی نے دروازہ بجایا تھا، باہر سے دروازے پر ٹین کا کڑا مارا، حالانکہ وہ سامنے کھڑا تھا، وہ خیالوں سے چونکی تھی۔

''السلام وعلیکم!'' وہ سائے میں کھڑا تھا، گو ہر سا دکھتا تھا، پوری روشنی کی جانب چہرہ ہوا تو سرخ کوٹ پہنے ھالار تھا، اس کے منہ سے جیسے کسی نے زبان چھین لی تھی۔

''کیا حال ہے؟'' وہ ابھی تک شٹر کے باہر سائے میں کھڑا تھا، جہاں پر اندر جلتی موم بتی کی جھلملاتی ہوئی لہر کبھی کبھار پڑتی تھی اور چہرہ نمایاں ہوتا تھا، وہ تو اسے بہت کچھ یاد دلانے آیا ہے۔

اس نے کہا اندر آ جاؤ، وہ یہاں بیٹھ کر بھی کیا بات کرتی، کئی جھونپڑوں کے چراغ تو بجھ گئے تھے مگر چاندنی میں کافی کچھ نظر آتا تھا، کسی نے دیکھ لیا تو ابھی ایکشن ہو سکتا تھا، وہ اندر آ گیا، کھڑکی کے پاس دو کرسیاں رکھیں تھیں، اس کمرے میں دو کرسیاں ایک چارپائی اور ایک سیف پڑا تھا، پانی کا کولر انکل دے گئے تھے اور گنتی کے چار برتن۔

ایک چھوٹی کیتل، دو کپ، ایک ساسر، دو پلیٹیں، ایک چنگیر، ایک دیگچی اور ایک ٹوٹے ہینڈل والا توا، اس پہ یہ بھی بڑا احسان تھا۔

ابھی اس کے استعمال میں سوائے کیتل کے کچھ نہ آیا تھا، دوپہر میں اسے بھوک نہیں تھی، ابھی زینت نے دال اور چاولوں کی آدھی پلیٹ بطور مہمان نوازی عطا کی تھی، اس نے خدا کا شکر ادا کر کے کھانا کھایا، شام میں اپنے لئے چائے بنائی تھی۔

ھالار نے اندر آ کر ایک شاپر رکھا، جس میں کھانے پینے کی کچھ اشیاء تھیں۔

''یہ سب کیوں لائے ہو؟'' اس نے لہجے کو سختی سے دبانے کی کوشش میں لہجہ خاصا خشک ہو گیا تھا۔

''کھانے کی چیزیں کھانے کے لئے ہوتی ہیں۔'' اس نے شاپر کھولا، کچھ بسکٹس کے فل سائز پیکٹ تھے، ایک پلاسٹک کی ٹوکری تھی چھوٹی سی جس میں سیب تھے۔

''میں یہ سیب نہیں کھاتی۔''

''کب سے؟'' وہ حیران تھا، حالانکہ ہونا نہیں چاہیے تھا۔

''شروع سے۔''

وہ کون سے شروع کی بات کر رہی تھی، ھالار نے سوچتے ہوئے چاکلیٹس نکالے، اس کے ساتھ کچھ اور سوئیٹس تھیں اور دو پیسٹریز تھیں، وہ سر پکڑ کر کھڑی تھی۔

''میں کوئی بچی نہیں ہوں۔''

''مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا چیزوں کا، بس جو سمجھ میں آیا لے آیا، تم نے بتایا نہیں کہ تم نے سیب کھانا کب سے بند کر دیئے۔''

''سالار میں سیب شروع دن سے نہیں کھاتی تھی جب سے ہوش سنبھالا تھا، بچپن سے کہہ لو۔''

وہ کہنا چاہتا تھا یہ اچھی کوالٹی کے ہیں، اچھے لگیں گے تم کھالو۔

''کھا کر تو دیکھو۔'' اتنی اپنائیت کہاں رہی تھی۔

''تم اب بیٹھ جاؤ اور جب جاؤ تو یہ سب لے جانا، مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

''پھر تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے مجھے بتاؤ۔'' وہ سامنے کھڑا تھا۔

وہ جان بوجھ کر اس سرخ کوٹ سے نگاہیں چرا رہی تھی، کوٹ اسے پھنسا پھنسا سا تھا بہت فٹ تھا، وہ اس کی باڈی زیادہ چوڑی ہوگئی تھی، اس کی جسامت علی گوہر کی جسامت سے بہت میل کھاتی تھی۔

وہ کچھ بھی یاد کرنا نہیں چاہتی تھی، ورنہ گڑبڑ ہو سکتی تھی، آنکھیں بھی بھیگ سکتی تھیں، کمزور بھی پڑ سکتی تھی، وہ دونوں اب کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

سالار اسے دیکھ رہا تھا اور وہ کھڑکی کی دو سلاخوں کے بیچ پھنسے ہوئے پتھریلے دھند بھرے منظر کو۔

''کیسی ہو؟'' بہت جذب تھا، اس نے سوچا یہ کتنی مرتبہ پوچھو گے۔

''اچھی ہوں۔''

''وہ تو تم شروع دن سے تھیں۔''

اس نے یہ نہیں پوچھا کہ کون سے دن سے، کتنی شروع سے، وہ اٹھی۔

''میں چائے بنا لیتی ہوں، تم بولو سن رہی ہوں کیسے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ پڑھائی کہاں تک گئی، باہر سے کب لوٹے۔'' کہنا چاہتی تھی، گئے بھی یا نہیں وہ اس سے اسی کے سوالات پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اپنی باتوں میں گم رہے، اس کی باری کم ہی آئے۔

''تم گھر آتیں تھیں؟ میرے گھر۔''

''مجھے پتہ نہیں تھا وہ تمہارا گھر ہے۔'' وہ کیتل دھونے باہر چلی گئی، کپ اور کیتل دھونے لگی، وہ لمحے میں اٹھا تھا، دروازے کے پاس کھڑا تھا۔

''ورنہ پھر تم نہ آتیں، کبھی بھی نہیں، ہے نا؟''

''پتہ نہیں، مگر میں آخر تمہارے گھر کیوں آتی؟'' وہ سامنے سے ہٹا تو اندر آگئی، وہ پیچھے ہی تھا، اس نے کیتل میں گلاس میں ڈھک کر رکھا ہوا دودھ ڈالا، مختصر سی پتی تھی، ساشے میں اور چینی بھی۔

''جیسی چائے بنے، یہ نہیں کہنا بری بنی ہے۔'' اس نے موڈ خوش گوار کرتے ماحول بدلنے کی پھر سے کوشش کی تھی۔

''میں کل ساری چیزیں لے آؤں گا۔''

''کس خوشی میں۔'' لہجہ ایک دم اکھڑا۔
''دوست ہیں ہم۔'' وہ بس اتنا کہہ سکا، کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا۔
''دوستوں پر کفالت فرض نہیں ہوتی۔''
''تو پھر کن پر کفالت فرض ہوتی ہے؟'' بات معنی خیز تھی۔
''اللہ سے بڑا کوئی کفیل نہیں ہوتا۔'' وہ اسے چپ کرانے میں پھر کامیاب ہوگئی تھی، وہ الجھ گیا تھا جیسے۔
''امر کلہ تم۔''
''کیا کام کر رہے ہو آج کل؟ اور ہاں، وہ کیسے ہیں، تمہارے ابا، بہت دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں۔''
''انہیں امید ہے تم ایک باران سے ملنے آؤ گی، تم نے وعدہ کیا تھا؟''
''شاید، پتہ نہیں، یاد نہیں ہے۔''
''وعدہ بھولا جا سکتا ہے کیا؟''
''وعدے کو یاد رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے حالار۔''
''وعدے کو نبھانے جتنا مشکل، نبھانے کا کام ایک بار ہوتا ہے۔''
''اور وعدہ یاد رکھنا بار بار پڑتا ہے۔''
سلینڈر کی آگ کافی ہلکی تھی، مگر چائے کو ابال آ گیا تھا۔
''وعدہ یاد ہے؟'' آنکھوں میں تمنا تھی۔
''کس وعدے کی بات کر رہے ہو؟'' انجان بنی تھی۔
''وہی جو ہمارے درمیان ہوا تھا۔'' یقین تھا مسکراہٹ میں۔
''مجھے تو کچھ یاد نہیں۔'' اس نے اسی انداز میں شو کراتے ہوئے چائے کے دوسرے کے ابال کا انتظار کیا تھا۔
''وعدہ یاد کرتے رہنے سے کیا بہتر نہیں کہ وعدہ نبھا دیا جائے۔'' اس کے ہاتھ سے چائے چھلکتے چھلکتے بچی تھی۔
حالار نے اس کے ہاتھ سے کیتل لی اور کپوں میں خود ڈالنے لگا تھا، چائے ٹرے کی جگہ پلیٹ میں رکھ کر کپس اسٹول سائز میز پر بسکٹ کا پیکٹ رکھا اور میز کرسیوں کے درمیان رکھ دی۔
''آ جاؤ چائے پی لیں۔'' وہ نا سمجھی اور سمجھ سے لڑتی ہوئی کرسی تک آئی اسے جیسے اس کے بولنے کا انتظار تھا، تا کہ وہ پہلے حالار کون لے پھر بولے۔
''کس وعدے کی بات ہو رہی ہے حالی؟'' حالار پیکٹ کھولتے ہوئے رکا، کتنے خطوط، کی باتیں کر کے حوالے دیتا، ایک خط میں تو اس نے یہاں تک کہی ہوئی تھی۔
''میں جانتا ہوں امر بہت وقت ہو گیا ہے، بہت زیادہ، مگر دیکھو وعدے اور محبت پرانی نہیں ہوتی، انسان اپنی زندگی کے اہم مواقع نہیں بھلا سکتا، نہ واقعات، نہ حالات، نہ خوشی کا احساس چاہے وہ لمحے کا ہو۔''

''کون سی خوشی حالار؟'' وہ پتھر تھی یا پتھر لگ رہی تھی، اس نے چاہا چھو کر دیکھ لے اور یقین کر لے اس کے ہونے کا، امر کلہ کے ہونے کا۔

''ٹھیک ہے امر، بہت عرصہ ہو گیا ہے، مان لیا، دھند چڑھ گئی ہے، مجھے پتہ ہے، مگر کوئی بات نہیں، دیکھو ہم گھوم پھر کر پھر اسی جگہ آ کھڑے ہیں مرکز پر۔''

''یہ مرکز نہیں ہے حالار، مسافر خانہ ہے۔''

''سنو امر کلہ آؤ مسافر خانے کو گھر میں بدل دیں۔''

''مسافر خانے گھر نہیں بنتے، یا پھر گھر مسافر خانے نہیں۔''

''دیکھو امر ہم ہر جگہ مسافر ہی رہتے ہیں، مگر جانے دو، بس چند گھڑی کا سکون چاہیے مجھے میرا باپ ہمیشہ سفر میں رہا، خانہ بدوشوں کی طرح خدا جانے کس کی تلاش میں، میں وہ زندگی نہیں گزارنا چاہتا امر کلہ، بقیہ زندگی، سکون کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، ایک گھر بنا کر رہنا چاہتا ہوں۔''

''یہ اچھا خیال ہے حالار، چائے لو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' وہ خود بھی پینے لگی۔

''اور تمہیں بھی اب اپنی زندگی کو ٹریک دینا چاہیے امر کلہ، امر میری بات سنو۔'' اس نے جیب سے ایک کیس نکالا، چھوٹا سا، امر اچھلتے اچھلتے رہ گئی۔

''ہم اس ہفتے کی کون سی تاریخ پہ نکاح کریں؟'' لہجہ رک گیا تھا، یا پھر اس کی سانس رکی تھی۔

(جاری ہے)

''دعا مغفرت''

ہر لعزیز مصنفہ سدرۃ المنتہیٰ کے والد فیاض احمد شاہ طویل علالت کے بعد گزشتہ ماہ اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔

انا اللہ وانا الیہ راجعون

محترم شفیق اور درویشانہ طبیعت کے مالک تھے، ان کی دائمی جدائی سدرۃ المنتہیٰ کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے، ادارہ حنا سدرۃ المنتہیٰ کے غم میں برابر کے شریک ہے۔

دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)۔

یہ دل کے رشتے

رمشا احمد

''دادی جان یہ سنبھالیں اپنی انگوٹھی۔''
عکرمہ نے انگوٹھی کا ڈبہ تقریباً دادی جان کے سامنے پٹخ دیا۔

''اے اب کیا ہوا؟'' انہوں نے جلدی سے اپنا پاندان بچایا۔

''تم ہر وقت اتنے غصے میں کیوں رہتے ہو؟''

''غصے کی بات ہے یا نہیں، جیولرز کی دکان پر اتنی خواتین کھڑی تھیں اور سب کے سامنے جیولر نے بدتمیزی سے کہہ دیا۔''
عکرمہ کو سچ مچ غصہ آ رہا تھا، کیونکہ اتفاق سے وہاں وہ بھی آئی ہوئی تھی، وہی نازش کی نک چڑھی دوست رباط جو اس کی طرف دیکھ کر چپکے چپکے ہنس رہی تھی۔

''وہی تو پوچھ رہی ہوں کیا کہہ دیا شہاب نے۔'' دادی نے جیولر کا نام لیا۔

''وہ کہہ رہے تھے۔'' عکرمہ نے سر کھجایا۔
''عکرمہ صاحب میں تو حیران ہوں انگوٹھی دیکھ کر، آخر اتنے سے سونے کو کس قدر پھیلایا گیا ہے۔''

عکرمہ نے غصے سے دہرایا دادی جان پہلے تو ہنس پڑیں پھر انہیں بھی غصہ آ گیا، شہاب جیولر پر نہیں کہ وہ تو ان کے نک چڑھے جیولر تھے تحفہ دینے والے پر آیا غصہ تو۔

''آخر لوگ ایسا تحفہ دیتے ہی کیوں ہیں، فضول میں خود بھی زیر بار ہوتے ہیں اور جس کو دیں وہ بھی زیر بار مجھے تو یاد ہی نہیں کہ کس نے دیا تھا، سوچا تھا بخشو (ملازم) کی بیٹی کی شادی پر دے دوں گی، کچھ اور سونا ملا کر اس کے ٹاپس بنوا دیتی، مگر تم نے تو میاں ایک نئی کہانی سنا دی۔''

''یہ کہانی، کوئی میں اپنی طرف سے گھڑ کر نہیں سنا رہا ہوں یقین نہ آئے تو فون کر کے پوچھ لیں۔''

''ارے بابا!'' دادی جان نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''میں تمہاری بات پر کب اعتبار نہیں کر رہی، عکرمہ میرے بچے تم آخر ہر وقت جلے بھنے کیوں رہتے ہو۔''

''دادی جان! آپ میری فکر کرنا چھوڑ دیں، میں ہوں ہی ایسا۔'' عکرمہ بیزاری سے کہتا ہوا اٹھ گیا۔

''تم اگر ایسے ہوتے تو کیا بات تھی۔'' اس کے جانے کے بعد دادی نے دل میں ہی سوچا۔
وہ ان کا سب سے لائق پوتا تھا مگر یہ جب کی بات تھی جب ان کے بیٹے نے دوسری شادی نہیں کی تھی، پھر جیسے رفتہ رفتہ سب کچھ بدلتا چلا گیا، دادی جان کو تو ابھی بھی سب کچھ خواب لگتا تھا۔

وہ بھرا پرا گھر ان کی چہیتی بہوئیں، بیٹے، پوتے، پوتیاں سب سے زیادہ وہ عکرمہ کو بہت چاہتی تھیں وہ تھا تو حاضر جواب خوش اطوار لباس وہ سب سے زیادہ منجھلی بہو یعنی عکرمہ کی امی کو چاہتی تھیں مگر قدرت نے انہیں وقت سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیا ان کے منجھلے بیٹے نے کچھ دن تو بیوی کا غم منایا پھر اس کے بعد اس نے دوسری شادی کر لی، اس کے بعد سے ہی عکرمہ جیسے تلخ سا

ہو گیا نہ کسی سے سیدھے منہ بات کرتا نہ کسی بات کا سیدھا جواب دیتا۔
ہاں صرف دادی جان کی بات نہیں ٹالتا تھا اور ان سے محبت بھی بہت کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ

بھی اسے بہت چاہتی تھیں، اس لیے اس وقت بھی چمکار کر پوچھ لیا۔
"تو تم اتنے غصے میں کیوں ہو بھئی کہہ دیا تو کہہ دیا۔"

''بات کہنے کی نہیں، وہاں وہ بھی تھی نازش کی دوست رباط۔''

''اچھا اچھا وہ ضرور ہنس پڑی ہوگی، ارے بھئی اس کی تو عادت ہے۔'' انہوں نے کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی۔

☆☆☆

''رباط اے رباط۔'' دادی جان نے پکارا تو وہ لپک کر ان کے پاس چلی آئی۔

''جی دادی جان، کوئی کام ہے؟''

''ہاں کام تو ہے، مگر تم کیا کر رہی تھیں۔''

''میں۔'' اس نے ناک سکوڑی۔

''میں مراقبہ کر رہی تھی۔''

''ہیں کیسا مراقبہ نازش کے ساتھ ساتھ تم بھی پاگل ہو گئی ہو۔'' دادی نے افسوس سے سر ہلایا۔

''ایک اس کی دوستوں میں، تم ہی ڈھنگ کی تھیں اور اب تم بھی اس کی طرح ہوتی جا رہی ہو۔''

''افوہ دادی جان!'' رباط جھنجھلا گئی۔

''میں رنگ گورا کرنے کا عمل کر رہی تھی، آپ نے میرا رنگ نہیں دیکھا۔''

''کیا ہوا...... اچھا خاصا کالا تو ہے۔'' عکرمہ جو نہ جانے کب کمرے میں آیا تھا لقمہ دیا، تو وہ جھنجھلا گئی۔

''آپ سے مطلب، آپ سے کس نے پوچھا ہے۔''

''بھئی سننے والے کا فرض ہے کہ اگر کوئی غلط بات سنے تو اسے صحیح کر دیا کرے۔''

''میں نے ابھی کوئی بات کی ہی نہیں تھی بلکہ ابھی پتا بھی کیسے چلے گا، دو ہی دن تو ہوئے ہیں عمل شروع کرتے ہوئے۔''

''اچھا ذرا میں بھی سنوں کیا عمل ہے۔''

دادی کو اپنی دونوں پوتیوں کا خیال آ گیا، جن کا رنگ اچھا خاصا کالا تھا۔

''بس میں نہیں بتا رہی۔'' رباط نے انکار کیا۔

''اوہو بھئی ہم سے چھپا رہی ہو۔'' دادی نے حیرت سے کہا۔

''آپ سے کون چھپا رہا ہے مگر یہ حضرت جو سر پر موجود ہیں۔'' اس نے عکرمہ کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں میں کیا کر رہا ہوں خاموشی سے کھڑا ہوا ہوں۔''

''آپ کی خاموشی بھی کوئی اتنی اچھی نہیں ہوتی۔'' اس نے منہ بنایا۔

''اچھا چلیں بتا دیں، میرا ایک دوست ہے اس کی شادی بھی اسی وجہ سے نہیں ہو رہی ہے۔''

''دیکھیں عکرمہ صاحب میں بے تکلفی بالکل پسند نہیں کرتی۔'' رباط نے برا سا منہ بنایا۔

''اُف رباط بیٹی چپ ہو جاؤ۔'' دادی نے عکرمہ کا تاریک چہرہ دیکھ لیا تھا، کتنے عرصے کے بعد تو وہ کھل کر ہنسا تھا یا اس نے بے تکلفی سے کسی سے بات کی تھی اور رباط تو سر پھری تھی اس نے عکرمہ کو بھی جھڑک دیا تھا حالانکہ نازش نے کتنی دفعہ اس سے التجا کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تم بے شک ہر کسی کو ڈانٹ لیا کرو یا جس اکھڑ لہجے میں بات کرتی ہو بے شک اسی طرح بات کیا کرو مگر عکرمہ بھائی کے سامنے تو تھوڑا لحاظ کر لیا کرو۔''

اور وہ باوجود وعدہ کرنے کے ہر دفعہ بھول جاتی جو بات بری لگتی صاف کہہ دیتی اور اچھی لگتی تو کھلکھلا کر ہنس پڑتی، ہنستے ہوئے اس کے دائیں گال پر ننھا سا گڑھا پڑ جاتا جسے اکثر محویت سے دیکھتے ہوئے نازش نے عکرمہ بھائی کو پکڑا تھا، مگر

ان کے سامنے کچھ کہتے ہوئے ڈرتی تھی لہٰذا کبھی مذاق کا بھی حوصلہ نہیں ہوا۔

☆☆☆

''اُفوہ کتنی گرمی ہو رہی ہے۔'' رباط نے فائل آنکھوں کے سامنے کی، ورنہ سورج کی شعاعیں سیدھی آنکھوں میں گھس رہی تھیں۔

''لفٹ لے لیں کسی سے۔'' نازش نے کہا اسے گرمی بھی تو بہت لگتی تھی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' رباط نے اسے گھورا۔

''یا اخبار پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔''

''فکر نہ کرو۔'' نازش نے ہاتھ ہلایا۔

''کوئی نہیں لے جا رہا ہے ہم لوگوں کو جو لے جائے گا وہ بھی بحفاظت چھوڑ جائے گا۔''

''اچھا تمہیں تو مستقبل کا بہت الہام ہونے لگا ہے نا۔'' رباط نے چڑ کر کہا۔

اسی وقت کسی کار کے بریک ان کے قریب آ کر اتنے زور سے چرچرائے کہ نازش کے بے ہوش ہونے میں بس دو منٹ کی کسر رہ گئی۔

''بس اتنا ہی حوصلہ ہے، ابھی تو بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں۔''

''اس لئے اللہ تعالیٰ بڑے بول کا انجام فوراً سامنے لے آئے اور آپ کہاں سے نکل آئے عکرمہ بھائی۔'' نازش نے بیک وقت دونوں کو جواب دیا۔

''میں تو آفس کے کام سے جا رہا تھا آؤ تم دونوں کو ڈراپ کر دوں۔''

''ہائے شکر۔'' نازش جھٹ سے چڑھ گئی۔

''کیا آپ نہیں جائیں گی۔'' عکرمہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

''کیوں؟'' نازش نے کھڑکی سے منہ نکال کر کہا۔

''تم امی کو جانتی ہو نا وہ شاید پسند نہیں کریں۔''

''کوئی نہیں تم اکیلی تو نہیں ہو نا ویسے عکرمہ بھائی ہیں چھوڑ دیں گے کیوں ٹھیک ہے نا عکرمہ بھائی۔''

عکرمہ نے ہاتھ جوڑے۔

''اب بیٹھ بھی جاؤ۔''

''ہاں بھئی ورنہ تم نے جو دو مہینے کے عمل سے رنگ گورا کیا ہے نا، وہ سب کالا پڑ جائے گا۔'' نازش نے اسے ڈرایا۔

''اچھا۔'' وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی مبادا نازش کچھ اور نہ بول پڑے، ویسے ہی عکرمہ اسے اس بات پر کافی چھیڑ چکا تھا اور پھر دوبارہ سے یہ موضوع نکل آیا لیکن عکرمہ کے کان بہت تیز تھے، اس نے بھی سن ہی لیا۔

''ہاں بھئی رباط صاحبہ اس دن تو یہ بات ادھوری ہی رہ گئی تھی آپ نے بتایا نہیں۔''

''یہ کیا بتائیں گی میں بتاتی ہوں، آپ نے بھی عکرمہ بھائی اپنی بہن کے رنگ پر غور نہیں کیا کہ کتنا صاف ہو گیا ہے۔'' نازش نے ہاتھ اٹھا کر شاہانہ انداز میں کہا۔

''آپ تصور کریں آنکھ بند کر کے کہ کمرے کی ہر چیز گلابی ہے آپ نے خود گلابی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں آپ کے چہرے پر گلابی رنگ کی پھوار ہو رہی ہے بس تین مہینے کا عمل ہے۔''

''اس کے بعد آپ دونوں خواتین کے رشتے آ جائیں گے۔'' عکرم نے بے ساختہ کہا، تو نازش تو کھلکھلا کر ہنس پڑی لیکن رباط جیسے ایک دم چپ ہو گئی۔

''آپ کیوں چپ ہو گئیں جناب!''

''اس لیے عکرمہ بھائی کہ ان کا رشتہ تو بچپن ہی میں ہو گیا تھا اب تو شاید کچھ عرصے کے بعد شادی ہے۔''

''کیا؟'' ایک لمحے تو اسٹیئرنگ عکرمہ کے ہاتھ میں کانپ کر رہ گیا۔

ایسا تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا اس نے تو یہی سوچا تھا کہ تھوڑے دنوں کی بات اور ہے پھر وہ دادی جان کو رشتے کے لیے بھیج دے گا، وہ صرف جاب کے سلسلے میں پریشان تھا تو وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔

لیکن یہ بات تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھی کہ رباط کی کہیں اور بات طے ہو گئی، بے شک اس نے کبھی زبان سے نہیں کہا تھا، لیکن کیا اس کی آنکھوں نے اسے کبھی نہیں بتایا ہو گا کہ وہ صرف اسی کو سوچتا ہے، اسی کا منتظر رہتا ہے اس اتنے بڑے جہاں میں صرف ایک وہی اسے اچھی لگی تھی ورنہ قسمت نے تو ہر چیز دے کر واپس لے لی تھی۔

اب تو صرف اسی کا تصور اس سے ہر کام کروا لیتا تھا اور اب اس نے یہ کیسی خبر سنائی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ گاڑی سامنے کسی کھمبے سے ٹکرا دے لیکن اب اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا۔

شاید اختیار میں تو پہلے بھی کچھ نہیں تھا، یہ تو خوش فہمیاں ہوتی ہیں جو ہم خود ہی مزے سے دوسرے فریق پر ڈال دیتے ہیں، چاہے اسے خبر ہی نہ ہو۔

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی ترا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی کسی شب کہ تو مجھے آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں

امی نے دیکھا تو اور ناراض ہوئیں۔

''بھلا رباط تمہیں کیا ضرورت تھی ایک غیر مرد کے ساتھ آنے کی، تمہیں احمد کا پتا نہیں ہے۔''

''اُفوہ۔'' وہ چڑ گئی۔

''اتنی دور بیٹھے ہوئے شخص کا وقت بے وقت ڈراوا نہیں دیا کریں۔''

''ڈراوا دینے کی بات نہیں تم کوئی بچی نہیں ہو، جو میں تمہیں ڈراوا دوں گی مگر رشتے کی نزاکت کو تو سمجھو اور پھر تمہیں احمد کے مزاج کا تو پتا ہے۔''

''مجھے نہیں پتا میں آج کل اپنے مزاج کو نہیں جانتی تو اتنی دور بیٹھے ہوئے شخص کی کیا خبر رکھوں گی۔'' وہ کہتی ہوئی اندر آ گئی۔

اس نے صحیح کہا تھا عجیب بے اعتبار سا دل اور مزاج ہو گیا تھا اسے ابھی تک عکرمہ کا چہرہ یاد آ رہا تھا اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ اسٹیئرنگ کو اس نے اتنی مضبوطی سے تھاما ہوا تھا کہ ہاتھوں کی رگیں تک ابھر آئی تھیں۔

وہ تو کسی کو دکھ دینے کی قائل نہیں تھی، پھر اس شخص کو دکھ دینے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی جس کی راہوں کے سارے چراغ قسمت نے پہلے ہی بجھا دیے تھے۔

رباط سارا دن کڑھتی رہی رات کو اس سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔

امی اس کا مزاج دیکھ رہی تھیں، لیکن کیا بولتیں انہیں کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا وہ تو ہر دم ہنسنے کھیلنے والی لڑکی تھی پھر ایکدم سے اسے چپ کیسے لگ گئی۔

''اب احمد کا فون آئے گا تو میں کہہ دوں گی کہ بس اب جلد اپنی امانت لے جائے۔'' وہ دل ہی دل میں فیصل کر کے مطمئن ہو گئیں۔

مگر ہوا یہ کہ پندرہ دن گزر گئے اور احمد کا

☆☆☆

کوئی فون نہیں آیا اور رباط کی خاموشی پہلے سے زیادہ ہو گئی، گھبرا کر انہوں نے نازش کو فون کیا۔

''بیٹا تمہیں بھی توفیق نہیں ہوئی کہ رباط اتنے دنوں سے کالج نہیں جا رہی تو ذرا پتا ہی کر لیں۔''

''وہ آنٹی......'' نازش کچھ شرمندہ ہو گئی۔

''اصل میں اتنے دنوں سے میں بھی نہیں جا سکی تھی، آپ عکرمہ بھائی کو تو جانتی ہیں نا۔''

''عکرمہ ہاں ہاں وہ تو بڑا پیارا بچہ ہے کیا ہوا اسے خیریت تو ہے۔''

''اب تو خیریت ہی سمجھیں ان کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔''

''کیوں کیا ہوا تھا؟''

''پتا نہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی، تین دن ہوسپٹل رہے ہیں۔''

''اچھا۔'' انہوں نے فون رکھ کر گہری سانس لی۔

''چلو رباط کو بتا دوں وہ جائے تو عیادت بھی کر لے۔'' انہوں نے رباط کو بتایا تو وہ صرف خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی نہ کچھ بولی نہ کوئی تبصرہ کیا، کہ ڈاکٹر نے تو انہیں ناحق ہی سوچنے سے منع کیا وہ بے چارے تو اپنے دماغ کو پہلے ہی سوچنے کی تکلیف نہیں دیتے تھے، وہ ایسی ہی تھی ہر بات کو مذاق میں اڑانے والی۔

''رباط تم جا کر دیکھ آنا اور میری طرف سے بھی پوچھ لینا۔''

''جی اچھا۔''

''اور ہاں سنو اگر احمد کا فون آئے تو مجھ سے بات کرانا۔''

''کیوں کیا ضروری بات ہے۔''

''یہی سمجھ لو، تمہاری رخصتی کا کہنا ہے میری

طبیعت تو اب صحیح نہیں رہتی۔''

''یہ دن بھی زندگی میں آنے تھے۔'' اس نے گہری ہوتی ہوئی شام کو اداسی سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

''پہلے یہی شامیں کتنی آباد ہوا کرتی تھیں۔''

اسے اپنا دور احمد کا دور یاد آ گیا، وہ اس سے بڑی سچی قسم کی محبت کیا کرتا تھا محبت تو شاید وہ بھی کرتی تھی مگر اس کی طبیعت میں لاپرواہی کا عنصر بہت تھا اس لئے اس نے کبھی کسی بات کو سنجیدگی سے لیا ہی نہیں۔

کتنی دفعہ احمد نے اس سے پوچھا کہ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے مگر اس نے کبھی جواب ہی نہیں دیا، کہ وہ خود بھی اس کا جواب نہیں جانتی تھی، اسے تو بس اتنا پتا تھا کہ وہ احمد کو ناپسند نہیں کرتی تھی، لیکن یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے ہجر و فراق میں مری جا رہی تھی۔

دن جیسے اس کے سنگ گزرتے تھے، ویسے اس کے بغیر ہی گزرتے تھے، کوئی فرق نہیں آتا تھا نہ دل میں نہ دن میں، پھر بھی وہ اپنے دل کو یہی باور کراتی تھی کہ یہ ہی محبت ہے۔

اور اگر وہ محبت تھی تو عکرمہ کے لئے اس کے دل میں اتنے گداز جذبے کیسے پیدا ہو گئے وہ تو ہر بات کو ہنسی میں اڑانے والی لڑکی تھی، پھر...... یہ روگ سا کیسے لگ گیا۔

☆☆☆

دادی جان ہول کر عکرمہ کی شکل دیکھا کرتیں، دن بدن ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا خون نچوڑ رہا ہو وہ پہلے بھی کون سا زندگی کی رنگینیوں میں حصہ لیتا تھا لیکن اب تو ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے زندگی ہی سے کوئی واسطہ نہ ہو۔

''نازش میری بات سنو۔'' انہوں نے اس

دن نازش کو پکڑ لیا۔

''جی دادی جان!''

''تم اپنے عکرمہ بھائی کی حالت دیکھ رہی ہو۔''

''جی دادی جان!'' نازش ایک دم چور سی بن گئی۔

''تو پھر کچھ سوچو کوئی لڑکی دیکھوتا کہ اس کی شادی کر کے اس کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔''

''وہ عکرمہ بھائی مان جائیں گے شادی کے لئے۔'' نازش نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں مجھے اپنی محبت پر پورا بھروسہ ہے اس نے پہلے بھی میری کوئی بات ٹالی ہے۔'' انہوں نے اندر آتے عکرمہ کو دیکھ کر مان بھرے لہجے میں کہا۔

''بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ وہ تمہاری دوست رباط ٹھیک رہے گی ہنسنے ہنسانے والی لڑکی ہے، عکرمہ کی زندگی میں بھی چہل پہل ہو جائے گی اور گھر میں بھی۔''

''مگر دادی جان!'' نازش کہتے کہتے رک گئی۔

''کیوں کیا ہوا اچھی لڑکی نہیں ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے اصل میں اس کی بات ہو چکی ہے۔''

''اچھا، تو پھر ایسا کرتے ہیں کوئی دوسری لڑکی دیکھ لیتے ہیں دنیا میں کوئی لڑکیوں کا کال تھوڑی ہے۔''

جتنی جلدی دادی نے اپنا فیصلہ بدلا ہے کاش دل بھی اتنی جلدی بدل سکتا عکرمہ نے اداسی سے سوچا۔

''دادی اماں پلیز یہ موضوع بند کر دیں میں شادی نہیں کر سکتا۔''

''ہیں...... کیوں؟'' انہوں نے چشمہ اتار کر پاندان پر رکھا۔

''بلکہ اب اگلے مہینے ہی شادی ہو گی کہہ دیا ہے میں نے۔''

''مگر کس سے۔'' نازش بھی ہکا بکا رہ گئی۔

''ظاہری بات ہے کسی لڑکی سے ہی چلو اب بھاگو یہاں سے میرا دماغ نہ چاٹو۔''

نازش نے بھی مذاق سمجھا اور عکرمہ نے بھی، مگر جب انہوں نے لڑکی کی تصویر اس کے ہاتھ میں تھمائی اور ساتھ ہی ہی مژدہ بھی کہ اگلے مہینے شادی ہے، میں تیری بات کر آئی ہوں میری زبان کو جھوٹا نہیں کرنا تو وہ صرف ان کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔

ابھی تو اس نے دل بھر کر اپنے غم کا سوگ بھی نہیں منایا تھا، وہ پیاری پیاری لڑکی جس کے ہنسنے کی آواز ابھی بھی اس کے کانوں میں گونجتی تھی، تو وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگتا تھا کہ شاید وہ یہیں کہیں موجود ہے، جس کی آنکھوں میں شوخیاں کروٹ لیتی تھیں اور لبوں پر پھیلے قہقہے، وہ بس اس کو یاد کرتا اور یاد کرنے کی تھی ایک رہی اس کے ذہن سے یہ سب محو ہی کب ہوتا تھا۔

''تو پھر یہ لڑکی......'' اس نے تصویر غور سے دیکھی۔

☆☆☆

نازش شام ہی کو کارڈ دے کر گئی اور رباط کی آنکھیں ابھی تک اسی کارڈ پر جمی ہوئی تھیں اسے رہ رہ کر عکرمہ کی نگاہیں یاد آ رہی تھیں۔

تجھ سے اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے

رات ہی کو تو احمد کا فون آیا تھا اور رباط نے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کی تھی، وہ کتنے اصرار

سے بار بار پوچھ رہا تھا کہ بتاؤ کیا بات ہے، کیا پریشانی ہے لیکن وہ اپنی پریشانی کا کیا سبب بتاتی۔

بس طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر دیا جس پر اس نے مذاق بھی کیا کہ ''آج کل تمہاری طبیعت زیادہ ہی خراب رہنے لگی ہے، کسی اچھے سے ڈاکٹر سے چیک اپ کراو۔''

اور اب...... اب اس نے کارڈ کی طرف نگاہ کی۔

ابھی ممکن نہیں ہے
ہجر کے موسم کی آنکھوں سے
کسی کے وصل کی باتوں سے ہاتھوں سے
دعا کے حرف پڑھ لینا
ابھی ممکن نہیں ہے
ابھی ممکن نہیں ہے
وحشت نا مہرباں میں پھر
محبت کا بیان کرنا
ابھی ممکن نہیں ہے

☆☆☆

دادی جان نے اسے بڑے اصرار سے بلا بھیجا تھا اس نے کتنا بہانہ بنانا چاہا مگر سب آ کر اسے لے گئیں۔

''کتنی فلموں والی سچویشن ہے۔'' اس نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے سوچا سامنے ہی عکرمہ سجی ہوئی سیج پر بیٹھا ہوا تھا اس کی سالیاں اس سے ہنسی مذاق کر رہی تھیں اور اس کے چہرے پر انجانے دکھ کے سائے پھیلے ہوئے تھے اس کی نگاہیں ابھی تک رباط کو ڈھونڈ رہی تھیں اور وہ دیکھتے ہوئے اور جانتے ہوئے بھی دیوار کی اوٹ میں تھی۔

اتنی بڑی محفل اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان کسی کو بھی نہیں معلوم کہ وہ شخص جس کے درمیان باہمی ربط ہوتا ہے وہ کیونکہ اجنبی بن جاتے ہیں اور ایک غیر متعلق شخص اس طرح زندگی میں آ کر ہر چیز کا مالک بن جاتا ہے کتنی عجیب بات ہے کل وہ لڑکی، فاریہ علی جس کا نام ہے عکرمہ کی زندگی میں آ جائے گی۔

''کیا معیبت ہے؟'' نازش نے اسے کا کندھا ہلایا۔

''سب تم کو کتنی دیر سے اسٹیج پر بلا رہی ہیں اور تم یہاں کھڑی ہوئی ہو۔''

''بس یونہی۔'' اس نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔

''آ جاؤ رباط۔'' نازش نے اس کا ہاتھ دبایا۔

''بعض دفعہ انسان خود اپنا تجزیہ بھی غلط کرتا ہے مگر وقت ہر چیز کا صحیح فیصلہ کرتا ہے۔''

''چلو احمد بھائی کا بتاؤ وہ کب آ رہے ہیں؟''

''شاید ایک سال تک واپسی ہو۔''

''میرا خیال ہے ان کی واپسی پر خالہ تمہاری شادی کر دیں گی اور یہ صحیح بھی ہوگا۔'' نازش نے دل میں سوچا۔

''شادی کے بعد شوہروں کو اور منگنی کے بعد منگیتروں کو زیادہ ان تک دور نہیں رہنا چاہیے یہ معاشرتی لحاظ سے بھی بہت سارے مسائل کا سبب بن جاتا ہے لیکن کون سمجھتا ہے دولت کے لئے ڈالر کے لئے لوگ جدائی کی صلیب کاندھے پر ڈال کر نکل جاتے ہیں، اذیتوں کے ہجر کے سارے دکھ فراق کی ساری گھڑیاں عورت اکیلے ہی چنتی ہے، تو سارا زمانہ اس پر سنگباری کرنے کھڑا ہو جاتا ہے ہم تو جانتے تھے ہمیں تو پتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا عورت کو اتنی آزادی دینے کا انجام۔''

''تم خود کہاں کھو گئیں۔'' رباط نے اس کا

کندھا ہلایا۔

''کہیں نہیں بلکہ رباط ایسا کرو یہیں بیٹھ جاؤ اسٹیج پر رش بہت ہے میں بھی نہیں جارہی۔''

''شکریہ۔'' رباط نے اسے دیکھا۔

اسے اکیلے رہنے سے اب ڈر لگ رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے سب لوگوں کی نگاہیں اسی پر ٹکی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

ولیمے کے دن اس کی نگاہیں جیسے عکرمہ پر ٹک سی گئیں تھری پیس سوٹ میں ملبوس وہ فاریہ کے ہمراہ گیٹ پر مہمانوں کو ریسیو کررہا تھا۔

عکرمہ نے اسے دیکھا تو خوش دلی سے اس کی طرف بڑھا۔

''ہیلو رباط!''

''ہیلو۔'' اس نے سر کو جنبش دی، دو دن پہلے کا عکرمہ آج کے عکرمہ سے بالکل مختلف لگ رہا تھا۔

آج وہ خوش لگ رہا تھا اس کے چہرے پر تازگی تھی اور اس کی آنکھیں اپنی بیوی کو تلاش کر رہی تھیں، جو وش کرتے کرتے کبھی یونہی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔

''تو ساری بات یہ ہے عکرمہ۔'' اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سوچا۔

''کہ کل جب تم بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہو جاؤ گے تو میں بھی تم کو بھول کر احمد کی طرف پلٹ جاؤں گی، جو بالآخر میرا شریک حیات ہوگا۔''

یہ محبتوں کی کہانیاں نہیں ہوتیں بس یہ ایک یونہی باہمی ربط کی کہانیاں ہوتی ہیں جنہیں ہم خود ہی محبت و عشق کا نام دے دیتے ہیں، ہم سے خود ہی تجزیہ کرنے میں غلطی ہو جاتی ہے کسی کا بھی کوئی قصور نہیں ہوتا۔

☆☆☆

ہلکی سی مسکراہٹ

نورین شاہد

چائے کی ٹرے تھامے اندر جاتے ہوئے میں اچھی خاصی نروس تھی دراصل اندر ڈرائنگ روم میں میرے ہونے والے سسرالی براجمان تھے اور میں ہر مشرقی لڑکی کی طرح ان سے ملنے جا رہی تھی میں چند مشہور ماہناموں میں بحیثیت رائٹر لکھتی تھی مگر اس لمحے ہر لڑکی کی طرح میرا دل بھی زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر میرا نروس ہونا اس لحاظ سے مختلف تھا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ چائے سرور کرتے وقت میرے ہاتھ سے ٹرے نہ گر جائے یا کپ میں سے چائے چھلک نہ جائے یا کمرے میں داخل ہوتے وقت میں دھڑام سے فرش پر نہ گر پڑوں دراصل میرے اندر کانفیڈینس کی کمی نہیں تھی بس پتا نہیں کیوں ہر اہم اور خاص موقع پر کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہو جاتی تھی اور پھر مجھے امی کے عتاب کا نشانہ بننا پڑتا تھا اب بھی میں بچ بچ کر قدم اٹھاتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور باجماعت سلام کر کے چائے سرو کی اس دوران آنے والی خواتین میرا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتی رہیں پھر لڑکے کی والدہ کی پکار پر میں ان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی اور پھر انٹرویو سیشن شروع ہوا میں بظاہر تو ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے ان کے سوالات کے جواب دے رہی تھی مگر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی کیونکہ مجھے ہمیشہ سے یہ چائے اور انٹرویو والا سین ناپسند تھا پتہ نہیں کیوں مگر مجھے اس طریقے سے بری چڑ تھی میں حتی الامکان اپنی کہانی میں بھی ایسا کوئی سین نہیں آنے دیتی تھی خیر سوال و جواب کے بعد میری شاید ہونے والی نند نے مجھ سے گھر دیکھنے کی فرمائش کی اور میں اسی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے گھر دکھانے لگی جب میں اسے اپنے کمرے میں لائی تو جن تیکھی اور جاسوسی بھری نظروں سے وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی مجھے ایسا ہی لگا جیسے وہ میرے خلاف کوئی ثبوت ڈھونڈ رہی ہو۔

''یہ سارے ڈائجسٹ اور ناول آپ نے پڑھ رکھے ہیں یا شاید شوقیہ لے رکھے ہیں۔'' شاید میرے خلاف اسے کوئی ثبوت مل گیا تھا اس لئے بظاہر سادہ سا سوال پوچھا۔

''جی پڑھنے کے لئے ہی لیتی ہوں اور سارے کافی دفعہ پڑھ چکی ہوں۔'' میں نے بھی ہلکی سی مسکراہٹ سے سادگی بھرا طنز کیا اب رائٹر ہوں تو کیا ہوا ایسا کرنے کا میرا حق تھا۔

''میں تو ان رسالوں میں لکھتی ہوں آپ بھی لکھتی ہیں یا پڑھ کر بس سائیڈ پر رکھ دیتی ہیں۔'' پھر وہی طنزیہ انداز۔

''اوہ آپ رائٹر ہیں؟'' میں نے سمجھ کر سر ہلایا۔

''نہیں میرا ایسا نصیب کہاں میں صرف تبصرہ نگار ہوں رائٹر بننا میرا نصیب کہاں یہ تو قسمت والوں کا کام ہے۔'' اس نے تھکا اور مایوسی بھرا جواب دیا تو میرے دل کو کچھ کچھ ہوا اب ہر رائٹر کہیں نہ کہیں کم یا زیادہ حساس تو ہوتا ہے۔

''خیر آپ نے بتایا نہیں آپ کس رسالے میں لکھتی ہیں یا کسی میں بھی نہیں لکھتی۔'' پھر وہی تیکھا سا انداز مجھے غصہ ہی آ گیا۔

''نہیں میں تبصرہ نگار نہیں ہوں، بحیثیت رائٹر لکھتی ہوں تقریباً سب ہی ماہناموں میں لکھتی ہوں جیسے جیسے وقت ملے۔'' میں نے بھی گردن اکڑا کر جواب دیا۔

''کیا آپ رائٹر ہیں کس نام سے لکھتی ہیں؟'' اس کی چیخ سے پہلے تو میں ڈر گئی پھر اس کے پر جوش انداز پر تھوڑی خوش ہوئی مگر اس کا سوال سن کر مجھے بے حد غصہ آیا کہ آئی ہے بھائی

کے لئے لڑکی دیکھنے مگر محترمہ کو لڑکی کا نام ہی معلوم نہیں مگر اسی ہلکی سی مسکراہٹ سے (جواب بڑی ہو رہی تھی) بولی۔

''ضوفشاں رانا۔''

''اوہ ضوفشاں رانا آئی کانٹ بلیو دس کہ میں آپ سے مل رہی ہوں۔'' وہ بڑی ایکسا یٹڈ ہو رہی تھی کچھ دیر پہلے وہ جتنی اکڑ سے بیٹھی تھی اب وہ اکڑ کہیں دور جا سوئی تھی مجھے لوگوں کے اسی رویے پر غصہ آتا تھا رائٹر ہو یا ایکٹر، گلوکار، ایتھلیٹ یا کوئی اور لڑکی ہر لڑکی رشتہ لے کر آنے والوں کے لئے برابر عزت کی حامل ہونی چاہیے اگر میں رائٹر نہ ہوتی تو وہ اسی مخصوص رویے کا اظہار کرتی جو اکثر خواتین بیٹے یا بھائی کا رشتہ لے جا کر لڑکی والوں سے کرتی ہیں خیر اب وہ لڑکی کرید کرید کر مجھ سے سوال پوچھ رہی تھی، میں اسی ہلکی سی مسکراہٹ سے جواب دیتی رہی پھر اس نے اپنی والدہ کو بھی میرے رائٹر ہونے کا بتایا انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی ان کا رویہ بیٹی کے برعکس قدرے مشفقانہ تھا، پھر ان لوگوں نے اجازت چاہی اور میں نے اسی ہلکی سی مسکراہٹ سے ان کو الوداع کہا آپ میری ہلکی سی مسکراہٹ سے چڑ گئے ہوں گے دراصل چڑ تو میں بھی گئی تھی مگر مجبوری تھی میری امی نے مجھے خاص پریکٹس کروائی تھی اس ہلکی سی مسکراہٹ کی، انہیں میرے ہنستے مسکراتے ہوئے چہرے کے ایکسپریشن پسند نہیں تھے ان کے بار بار اصرار پر میں زبردستی یہ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر لاتی تھی ویل آج کا دن میں نے بے حد انجوائے کیا تھا عموماً میں خود سے اپنے رائٹر ہونے کا کسی کو نہیں بتاتی تھی مگر آج اس لڑکی کی اکڑ توڑنے کے لئے مجھے بتانا پڑا بھئی رائٹر ہوں تو کیا ہوا دل تو میرا بھی دکھتا ہے نا۔

☆☆☆

ان کے گھر سے ہاں کا جواب ملا اور ہمارے گھر سے امی اور بھائی نے لڑکے کو پسند کر کے اوکے کر دیا ہم تین لوگ ہی تھے گھر میں بہن میری کوئی تھی نہیں بھائی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتے تھے ابو کی تین سال پہلے وفات ہو گئی امی کی بیماری کی وجہ سے میں نے مزید تعلیم حاصل نہیں کی اور بی ایس سی کے بعد پڑھائی کو خیر باد کہا کیونکہ گھر داری سنبھالنے والا اور کوئی نہ تھا اور بھائی فیصلہ سنا چکے تھے کہ وہ میری شادی کے بعد اپنے سہرے کے پھول سجائیں گے خیر امی نے مجھ سے میری رضا مندی معلوم نہ کی کیونکہ میں نے سب کچھ ان پہ چھوڑا تھا اور میں ان کا ہر فیصلہ اپنے حق میں بہتر سمجھتی تھی اس لئے انہوں نے مجھ سے نہیں پوچھا مگر ایک بات کی شکایت مجھے ان سے تھی کہ انہوں نے مجھے میرے ہونے والے ان کے (شوہر) کی تصویر نہ دکھائی بھئی میں نے کون سا اپنے لئے کہا ہے آپ بھی نا کیا سوچتے ہیں، دراصل میں ایک کہانی لکھ رہی تھی جس کے لئے مجھے ہیرو کی تلاش تھی میں تصویر دیکھ کر چلو ان کو ہی ہیرو بنا لیتی اور چلیں فرض کیا اگر وہ گڈ لکنگ نہ بھی ہوتا تو میں نے کون سا انکار کر دینا تھا آخر میں رائٹر تھی اتنا تو سمجھتی تھی کہ والدین کی بات ماننے میں ہی دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، خیر انہوں نے نہ تصویر دکھائی تھی نہ دکھانی تھی اور تو اور مجھے نام تک نہ بتایا چلو ہیرو نہ سہی، ہیرو کا نام ہی مل جاتا البتہ ہیرو کی بہن مطلب میرے ان کی بہن فرحین ہر دوسرے دن اپنی کسی نہ کسی سہیلی کزن کو لے کر آ دھمکتی جو مجھے کم میری امی کو زیادہ بری لگتی، کیونکہ وہ مجھے اپنے پاس سے اٹھنے نہ دیتی اور میری امی کو ساری خاطر مدارت کرنا پڑتی لیکن مجبوری کا نام شکریہ ان کو صبر کے گھونٹ

پڑتے پڑتے ان کی بیٹی کی سسرال کا معاملہ تھا ان کو تو کچھ نہ کہتیں مگر ان کے جانے کے بعد میرے خوب لتے لیتیں مگر میں بھی ان کی سکھائی ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر سب سنتی رہتی۔

☆☆☆

میں آفاق بھائی کے ساتھ ذرا آؤٹنگ پہ نکلی تھی خوب موج اڑانے کے بعد گھر آنے سے پہلے مجھے اسٹیشنری کا کچھ سامان لینا تھا بھائی وہ لینے گئے میں پارک کی ہوئی بائیک پر بیٹھ گئی اور اردگرد موجود لوگوں کا جائزہ لینے لگی ارے آپ مجھے کوئی نظر باز قسم کی لڑکی مت سمجھیے گا بھئی رائٹر کے لئے مشاہدہ بہت ضروری ہوتا ہے اور میں تو ویسے ہی اردگرد موجود لوگوں میں سے اپنے ہیرو (کہانی کے لئے) کی تلاش میں تھی یہ میرا پسندیدہ کام تھا کچھ لوگوں کے خدوخال چن کر ایک دوسرے میں ضم کر کے ہیرو اور ہیروئن ہو گئے تیار ویسے میں نارمل ہیرو ہیروئن لیتی تھی اپنے جیسے ہی میں گندمی رنگت کی تھی بہت زیادہ حسین نہ سہی پرکشش نقوش کی مالک تھی۔

خیر میں اپنی تعریف نہیں کر رہی تھی اس بار کہانی کے لئے مجھے ذرا ہینڈسم ہیرو کی تلاش تھی جو مل ہی نہیں رہا تھا اچانک ہی میری نظر پارکنگ کے داخلی دروازے پر پڑی وہاں ایک لڑکا بلیک شلوار قمیض پہنے موبائل کان سے لگائے اِدھر سے اُدھر چلتا باتیں کر رہا تھا کلین شیو گورا رنگ، گھنے سیاہ سلکی چمکدار بال (پتہ نہیں یہ لڑکوں کے بال اتنے سلکی کیسے ہوتے ہیں)۔

''مل گیا ہیرو۔'' میرے دل سے صدا ابھری۔

''چلیں۔'' بھائی کی آواز پر میں اپنے مشاہدہ سے واپس حال میں آئی شکر ہے بھائی نے مجھے یوں نہیں دیکھا تھا میرا مشاہدہ بالکل نا محسوس انداز میں ہوتا تھا کہتے ہیں نا تاڑنے والے بھی قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں میں بھی کچھ ایسے ہی دیکھتی تھی رائٹر تھی نہ اتنی عقل تو ہے مجھ میں پارکنگ کے دروازے کو ایک طرف سے ڈرم رکھ کر بند کیا گیا تھا دوسری طرف سے بائیک نکال کر بھائی آگے بڑھے اور میں ان کے پیچھے تھی، بھائی کا موبائل بجنے لگا اور وہ تھوڑا دور ہو کر بات کرنے لگے میں تھوڑی مشکوک ہوئی کہ پہلے تو بھائی نے ایسا کبھی نہیں کیا ضرور کوئی لڑکی کا چکر ہے ذرا سنوں تو؟ ابھی میں ڈرم کی دیوار تک پہنچی ہی تھی کہ دوسری طرف سے وہی ہیرو اس طرف آیا اور ہم ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے، ہیرو بڑی ایکسائیٹڈ، پرشوق اور میٹھی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں اسے پتا تو نہیں کہ میں رائٹر ہوں مگر پھر خود کو ڈپٹا کہ بھلا میرے ماتھے پر لکھا ہے کہ میں رائٹر ہوں مگر اس ہیرو کی حرکت مجھے اچھی نہیں لگی اچھے بھلے ہیرو کی پرسنالٹی خراب ہو گئی چلو کوئی بات نہیں میں اپنی کہانی کے ہیرو کو ذرا تمیز سکھا دوں گی ابھی تو میں سامنے والے ہیرو کی جانب متوجہ ہوئی۔

''ایکسکیوزمی بھائی راستہ دیں۔'' میرے مخاطب کرنے پر اس کی شکل دیکھنے والی تھی۔

''آپ نے مجھے بھائی کہا؟'' ہیرو نے اپنی طرف اشارہ کر کے پوچھا، جیسے وہ بے یقین ہو۔

''جی بھائی آپ سے ہی مخاطب ہوں راستہ دیں۔'' میرے سخت لہجے پر اس نے ہٹ کر مجھے راستہ دیا اس کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی رقم تھی بھائی بھی بات کر کے فارغ تھے لیکن میرا بھائی پر چھاپہ مارنے کا پروگرام کینسل ہو گیا تھا اس ہیرو کی وجہ سے۔

☆☆☆

شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں مگر مجھے ان میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ مجھے شاپنگ کرنا بالکل پسند نہ تھا اگر کچھ پسند تھا تو وہ یہ کہ شاپنگ پر جا کر میں مشاہدہ بڑا کرتی تھی رنگوں کا لوگوں کا مختلف کنٹراسٹ کا، جیولری وغیرہ کا مگر امی چونکہ کم ہی باہر جاتی تھیں اس لئے یہ کام میرے اور بھائی کے ذمے تھا اور ساتھ ہی میری خالہ زاد کزن عافیہ ہماری ہیلپ کرتی وہ شاپنگ کرتی میں مشاہدہ کرتی اور بھائی شاپنگ بیگز سنبھالتے ایک دو دفعہ لڑکے والوں کے ساتھ شاپنگ پر جانا پڑا اور مجھے مجبوراً اسی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جانا پڑا خدا خدا کر کے شاپنگ کا کام ختم ہوا اور میں اپنی روٹین میں مصروف ہو گئی کافی دن بعد مجھے فرصت ملی تو میں کہانی لکھنے بیٹھ گئی چونکہ شام کا وقت تھا اس لئے میں لان میں چلی آئی ہلکی ہلکی ہوا نے بڑا خوبصورت ماحول بنا رکھا تھا پہلے سے تحریر چند صفحات کو پڑھا اور پھر میں لکھنے میں محو ہو گئی ابھی لکھ ہی رہی تھی کہ ڈور بیل کی آواز پر میری مصروفیت میں خلل آ گیا بیل بجانے والا بھی ڈھیٹ ہی تھا کہ ہاتھ ہٹانا بھی بھول گیا مجھے باہر آنے والے پر شدید غصہ آیا اچھی بھلی لفظوں کی آمد ہو رہی تھی اب اس مہمان نے سارا موڈ خراب کر دیا بال پین کو بالوں میں پھنسا کر دوپٹہ درست کرتی میں گیٹ پر گئی اور گیٹ کھولتے ہی مجھے جھٹکا لگا گیٹ پر کچھ دن پہلے ملنے والا ہیرو کھڑا تھا۔

''کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' بظاہر میں نے سخت لہجے میں پوچھا، مگر اندر ہی اندر میں ڈر گئی تھی کہ کہیں اس دن پیچھا کرتے ہوئے یہاں نہ آ گیا ہو کیا پتہ میرے بھائی کہنے پر اسے غصہ آ گیا ہو اور وہ بدلہ لینے آ گیا ہو آج کل لڑکے بھائی بلائے جانے پر کافی اعتراض کرتے ہیں نا میں ہمیشہ بڑا دور تک سوچتی تھی سوچنا میرا کام تھا آخر رائٹر جو ہوئی۔

''ارے آپ یہاں واٹ آ سرپرائز اسے کہتے ہیں دنیا گول ہے۔'' وہ ہیرو اس دن کی طرح پرجوش ہوا۔

''آپ کو کس سے ملنا ہے سیدھی طرح بتائیں ورنہ۔'' مجھے اس پر مزید غصہ آیا اور میں نے انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دینا چاہی۔

''واؤ کتنی خوبصورت انگوٹھی ہے کہاں سے لی؟'' اس نے میرے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود خوبصورت رنگ کو دیکھ کر پوچھا جو مجھے میری ہونے والی ساس نے بطور نشانی یا منگنی کے پہنائی تھی انہوں نے تو بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈالی تھی مگر میں نے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈال لی کیونکہ مجھے صرف اسی انگلی میں رنگ ڈالنے کی عادت تھی خیر ابھی تو میں یہی سوچ رہی تھی کہ کہیں چور ہی نا ہو ویسے پرسنالٹی تو ایسے نہ تھی آج بھی وہ پرپل شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس تھا اور کف موڑ رکھے تھے۔

''آپ فضول باتوں کی بجائے مدعے پر آئیں ورنہ نکلیں یہاں سے۔''

''اوکے مجھے آفاق سے ملنا ہے انہیں بلا دیں پلیز۔'' اس نے جواب دیا۔

''آفاق بھائی گھر پر نہیں ہیں بعد میں آیئے گا۔'' جواب دے کر میں نے گیٹ بند کرنے کی کوشش کی

''لیکن ابھی تو میں نے فون پر ان سے بات کی ہے اور انہوں نے کہا میں گھر پر ہوں آپ آ جائیں اب آپ جھوٹ بول رہی ہیں، پلیز انہیں بلا دیں۔''

''میں نے کہا نا کہ آفاق بھائی گھر پر نہیں

ہیں آپ مان کیوں نہیں لیتے۔''
''بھائی صاحب کہ میں سچ بول رہی ہوں۔''اب کے میں نے دوسرا حربہ آزمایا۔
''دیکھیں آپ آفاق انصاری کو بلائیں ورنہ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔''حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر وہ ضدی لہجے میں بولا۔
''آفاق انصاری!''میں نے زیر لب دہرایا اور غصے کی شدید لہر میرے اندر اٹھی۔
''آپ کو اتنی بڑی نیم پلیٹ نظر نہیں آئی جس پر آفاق رانا لکھا ہے آفاق انصاری نہیں ڈسکسٹنگ۔''میں نے انگلی نیم پلیٹ پر رکھ کر اشارہ کیا اور جلدی سے ہاتھ ہٹایا مبادا پھر سے انگوٹھی اس کی نظروں میں نہ آجائے۔
''اوہ سوری میم پلیز آپ مجھے ان کا ایڈریس بتادیں آفاق انصاری جن کا سپر سٹور بھی ہے۔''اب کے وہ شرمندہ نظر آیا مگر مجھے شک تھا اس پہ ابھی بھی۔
''میں یہاں پہلی بار آیا ہوں تو اسی لئے۔''
میری شک بھری نظروں کو دیکھ کر اس نے جواب دیا تو میں جان چھڑانے کے لئے اس کو ایڈریس بتانے لگی جو دو گلیاں چھوڑ کر تھا مگر پاکستان میں ایڈریس سٹریٹ یا ہاؤس نمبر سے نہیں بلکہ کچھ ایسے بتایا جاتا ہے، سیڑھیوں والا گھر، کھمبے والی گلی، لکڑی کا دروازہ، بند گلی وغیرہ وغیرہ۔
میں بھی کچھ ایسے ہی سمجھا رہی تھی اسے جو اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔
''ایک منٹ آپ کے پاس پین ہوگا میں لکھ لیتا ہوں۔''اس نے جیب سے چند کاغذ نکال کر پوچھا۔
''کاغذ ہے تو پین بھی ہونا چاہیے نا آپ کے پاس۔''میں نے طنزاً کہا اور بالوں سے بال

پین نکال کر اسے تھمایا اس نے ایڈریس لکھا اور شکریہ کہہ کر چلا گیا تبھی مجھے یاد آیا کہ جلدی گیٹ بند کرنے کے چکر میں بال پین تو واپس لیا ہی نہیں بدتمیز انگوٹھی نہ ملی تو بال پین لے گیا اپنی چیزیں اٹھا کر میں اندر بڑھی کیونکہ شام کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''یار تمہارے ''وہ'' تو پرانے خیالات کے بالکل ہیں اور ہاں ان کی مونچھیں اور داڑھی بھی ہے تمہاری کہانی کے ہیرو ہیروئن کے لئے کلین شیو رہنا پسند کرتے ہیں مگر تمہارا ہیرو تو۔'' اس نے بات ادھوری چھوڑی عافیہ مجھے غصہ دلانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی، آج میرا نکاح تھا مگر میں بھی رائٹر تھی اس کی کوشش کو ناکام بنانے کے لئے ہلکی سی مسکراہٹ کو چہرے پر سجا کر بیٹھی تھی۔

''عافیہ صاحبہ میں اپنے ہیروز کی لک کا ذکر کرتی ہوں داڑھی مونچھوں کا نہیں اس لئے تاکہ پڑھنے والوں کو جیسا اچھا لگے ویسا فرض کر لیں کلین شیو یا داڑھی مونچھ والا ویسے بھی کہتے ہیں نا کہ مونچھیں تے کچھ نئیں۔'' میں نے بڑا تپا دینے والا جواب دیا۔

''خیر تم بتاؤ تم کو کیسے لڑکے اچھے لگتے ہیں مونچھوں والے یا کلین شیو۔'' عافیہ جانے کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

''جو میرے اللہ اور گھر والوں کو پسند وہی مجھے پسند چاہے جیسا بھی ہو ویسے تمہیں تو مونچھوں والے ہی پسند ہیں آج کل بڑا آگے پیچھے پھر رہی ہو۔'' میں نے آفاق بھائی کا حوالہ دیا کیونکہ کچھ دن پہلے ہی مجھے دونوں صرف کی پسندیدگی کا علم ہوا تھا اب عافیہ شرماتی ہوئی باہر کو بھاگی کچھ دیر بعد نکاح ہوا اور میں رخصت ہو کر سسرال لا بٹھائی گئی چھیڑ چھاڑ اور رسموں کے درمیان اپنے ان کے (شوہر) کی آواز میرے کانوں تک پہنچتی رہی فرحین نے آج بھی فخریہ انداز میں میرا تعارف کرایا، دیر بعد مجھے کمرے میں پہنچا دیا گیا مہمانوں کے نکلتے ہی میں نے سکون کا سانس لیا اور بیڈ سے ٹیک لگا لی بیڈ کے عین سامنے موجود ڈریسنگ ٹیبل پر نظر پڑی آج پہلی بار میں نے کافی زیادہ میک اپ کیا تھا ورنہ مجھے صرف کاجل سے دلچسپی تھی میں نے ریڈ کلر کا لہنگا پہنا تھا کیونکہ میرے ان کو یہ رنگ پسند تھا جب کہ مجھے سفید اور کالا رنگ پسند تھا وہ میں کم از کم آج کے دن نہیں پہن سکتی تھی اور میری امی کا خیال تھا کہ دلہن تو سرخ رنگ میں ہی اچھی لگتی ہے خیر میں اپنے مجازی خدا کا انتظار کر رہی تھی مجھے تو اس وقت گھبراہٹ کی بجائے ہنسی آ رہی تھی جسے قہقہے میں بدلنے سے میں نے بمشکل روک رکھا تھا کہ آج محترمہ ضوفشاں رانا اپنی کہانی کے سین کا حصہ بن گئی تھی مگر کچھ دیر بعد کھٹکے کی آواز پر میں میری گردن شرم سے جھک گئی اب کے گھبراہٹ شروع ہوئی جبکہ تھوڑی دیر پہلے مجھ سے اپنی ہنسی کنٹرول نہیں ہو رہی تھی اب دل زور زور سے دھڑک رہا تھا میری نظر اپنے مہندی سے سجے ہاتھوں پر تھی۔

''السلام علیکم!'' سامنے والے شخص نے سلامتی بھیجی میں نے بمشکل سر ہلا کر جواب دیا آواز یا تو حلق سے نکل نہیں رہی تھی ایک دم گلا سوکھ گیا اور مجھے پیاس محسوس ہونے لگی کہاں کی رائٹر اور کون سی رائٹر ساری رائٹری تو کمرے کے باہر ہی رہ گئی تھی۔

''مسز ضوفشاں رانا نہیں مسز ضوفشاں علی۔'' بڑے فخر سے تعلق واضح کیا گیا۔

''کیا کہوں میں نے آپ تو کچھ بول نہیں رہیں کچھ تو بولیں۔''

''جی کیا بولوں۔'' میں نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''چلیں کوئی سٹوری سنا دیں کوئی اچھا سا ڈائیلاگ بول دیں آخر آپ رائٹر ہیں۔'' جواب سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی میں نے سامنے موجود شخصیت کو دیکھنے کے لئے پلکوں کی چلمن جو اٹھائی تو میری چیخ نکلنے والی ہی تھی کہ اس نے ہاتھ رکھ کر میری چیخ کو روکا۔

''شش کیا بھوت دیکھ لیا ہے آپ نے جو چیخنے لگی تھی۔''

بھوت تو نہیں البتہ ہیرو دیکھ لیا تھا وہی ہیرو جو مجھے پارکنگ میں ملا تھا پھر گیٹ پر ملا اور جسے میں دو تین بار بھائی بول چکی تھی میرا شرمندگی سے برا حال تھا۔

''ویسے آپ نے مجھے بھائی بول کر اچھا نہیں کیا پارکنگ میں آپ کو اچانک دیکھ کر جو خوشی ملی تھی آپ کی بات سن کر میرا منہ ہی کڑوا ہو گیا شاید اس وقت آپ نے میری تصویر نہیں دیکھی تھی حالانکہ آپ کے گھر تصویر گئی تھی۔'' وہ مزے سے کہانی سنا رہا تھا۔

''دیکھی نہیں بلکہ دکھائی نہیں گئی تھی۔'' میرے دل نے تردید کی۔

''دوسری بار آپ کے گھر جان بوجھ کر گیا ویسے تو آفاق بھائی نے بلوایا تھا شاپنگ پر جانے کے لئے مگر ان کو ضروری کام تھا وہ تو نہیں تھے گھر پہ مگر میں آ گیا محض یہ جاننے کہ شادی آپ کی مرضی سے ہو رہی ہے یا نہیں مگر پھر آپ کو دیکھ کر جان کر بات لمبی کرتا گیا وہ ایڈریس پوچھا جو مجھے معلوم تھا، آپ کی دائیں ہاتھ میں موجود انگوٹھی اور بال پین نکال کر دینے کا انداز مجھے بہت پسند آیا اتنا اچھا لگا کہ کیا بتاؤں ویل میں نے آپ کی تحریریں پڑھیں مجھے آپ کی سوچ بہت اچھی لگی۔'' علی کی بات سن کر میرا حال بھی ہر لڑکی کی طرح ہی تھا بھئی رائٹر ہوں تو کیا ہوا آخر ہوں تو مشرقی لڑکی نا ہلکی سی مسکراہٹ نے میرے چہرے کا خود بخود احاطہ کیا۔

''آپ کی مسکراہٹ بڑی اٹریکٹیو ہے۔'' اس نے کہا تو میں دل ہی دل میں بولی۔

''اس مسکراہٹ کی سٹوری کبھی فرصت میں سناؤں گی آپ کو میں نے سوچا بتا تو میں بہت کچھ سکتی تھی مگر کم از کم ابھی تو بالکل نہیں۔''

''خیر آپ کا تحفہ۔'' علی نے خوبصورت کیس مجھے تھمایا اور اندر سے خوبصورت بریسلیٹ اور بال پین نکالا۔

''یہ بال پین میرا ہے، پہلی چیز جو آپ نے مجھے دی۔'' علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دی نہیں بلکہ آپ نے زبردستی لی۔'' میری بات پر ان کا جاندار قہقہہ اور میری مسکراہٹ فضا میں شامل ہوئی۔

''اب دوبارہ مجھے بھائی مت کہیے گا۔'' علی نے سرزنش کی۔

''او کے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

مجھے میری زندگی کا ہیرو مل گیا تھا اور میں اللہ کی شکر گزار تھی اور اپنے والدین کی بھی اور اب یہ ہلکی سی مسکراہٹ میرے چہرے پر تاعمر رہنی تھی۔

☆☆☆

اک عام کہانی

کنول ریاض

"مسٹر فہد آپ سے میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اپنی مسز کو ذہنی دباؤ سے بچائیں، وہ بہت شدید ذہنی تناؤ کا شکار ہیں اور اسی وجہ سے ہمیں ان کا میجر آپریشن کرنا پڑ رہا ہے۔"

ڈاکٹر سعدیہ نے نسخہ تحریر کرتے ہوئے سرسری نظر فہد پہ ڈالی اور وہ بات کہہ ڈالی جس کا فہد کو ڈر تھا، لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا ہے ارم کو ذہنی دباؤ سے نکالنا فہد کے بس میں نہ تھا بلکہ فہد خود اسی ذہنی تناؤ سے گزر رہا تھا جس کا ارم شکار تھی اور اس کی وجہ صرف اور صرف فہد کی والدہ کی روایتی سوچ تھی، انہیں پہلا پوتا چاہیے تھا، حویلی کا وارث اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں وہ فہد کی دوسری شادی کا تہیہ کیے بیٹھی تھیں، وہ بھی فہد کی سابقہ منگیتر ثمن سے یہ ان کی دیرینہ آرزو تھی لیکن یونیورسٹی میں فہد اور ارم ایک دوسرے کی محبت میں ایسا گم ہوئے کہ فہد اپنی منگنی اور ارم اپنی خاندانی روایات کو بھول بیٹھی، دونوں کے گھروں میں ایک دم بھونچال آ گیا جب دونوں نے ایک دوسرے کے علاوہ کسی اور سے بیاہ رچانے سے انکار کر دیا، ہر حربہ ناکام ہوتے دیکھ کر ارم کے والدین نے اپنی رضامندی دے دی مگر اس شرط کے ساتھ کہ بعد میں ارم ان سے کوئی تعلق نہیں رکھے گی۔

ارم نے فہد کی محبت میں یہ بات مان لی تھی، جبکہ فہد کے گھر میں اس کی والدہ اس کی ضد سے مجبور ہو گئیں اور فہد کی بچپن کی نام نہاد منگیتر جو ان کی بھانجی بھی تھی اس کی جگہ ارم کو بیاہ کر لے آئیں، مگر شادی کے چوتھے روز ہی ارم کو یہ باور کروا دیا تھا۔ انہیں پہلوٹھی کا پوتا ہی چاہیے اگر بیٹی ہوئی تو وہ فہد کی شادی ثمن سے کروا دیں گی اور اگر فہد نے ان کی بات ماننے سے انکار کیا تو وہ زہر کھا لیں گی۔

ارم سے فہد کی شادی کرنے کے بعد اب فہد کو وہ آرام سے جذباتی دباؤ میں لے سکتی تھیں جو کہ وہ لے آئی تھیں، شادی کے دوسرے مہینے ہی ارم کا پاؤں بھاری ہو گیا تھا اور اس بات کا اندازہ بھی ہر دم ارم کو نگاہوں میں تولنے والی ساسو ماں کو ہی ہوا تھا اور اس کے بعد سے ارم اور فہد صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گئے تھے۔

ابھی تو نئی نئی شادی کا خمار بھی نہیں اترا تھا کہ ارم فہد کی دسترس سے گویا دور ہو گئی، ہر وقت اماں جی اسے پاس بٹھائے وظائف پڑھنے میں مشغول رہتیں اور دم کر کر کے اس پر پھونکتی رہتیں، خود ارم کو بھی درجنوں وظائف بتا ڈالے جن کو پڑھتے پڑھتے وہ ہلکان ہو جاتی، لیکن اللہ کے کلام کی بے ادبی کے ڈر سے مارے باندھے پڑھ لیتی انکار نہ کرتی۔

اماں کی ہدایت پر ان کی ملازمہ خاص شریفاں روزانہ کسی نہ کسی دربار پہ حاضری دیتی اور بیٹے کی پیدائش کی منت مانتی تھی، کبھی کہیں سے چھوہارے اور کہیں سے پھول مکھانے بطور نیاز اٹھا لاتی اور زبردستی ارم کو کھلاتی تھی۔

"ہمارے خاندان میں تو پہلا ہمیشہ بیٹا ہی ہوا ہے اور جس کے ہاں پہلی بیٹی ہو وہ پھر اس قابل نہیں سمجھی جاتی کہ اس کے بطن سے مزید کوئی اور اولاد ہو پھر مرد کو ہر حال میں دوسری شادی

کرنی ہوتی ہے یہ ہماری خاندانی روایت ہے۔"
اماں جی اٹھتے بیٹھتے ارم کو یاد دہانی کروانا نہ بھولتیں اور ارم ہر دم ہولتی ہی رہتی تھی، بیٹا اور بیٹی اس کے اختیار میں تو نہ تھے لیکن یہ بات ماں جی کو کون سمجھاتا، پھر بیٹی ہونے کے خوف نے اس کی گویا راتوں کی نیند چھین لی تھی اور وہ چند پل جو وہ فہد کی سنگت میں گزارتی اسی ڈر سے ہولتی رہتی کہ اگر بیٹی ہوئی تو فہد دوسری شادی کرلے گا۔

جبکہ فہد ایک طرف تو اسے تسلی دلاسے دیتا اللہ سے اچھی امید رکھنے کا کہتا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ اس بات سے خائف بھی تھا کہ اگر بیٹی ہوئی تو اماں جی ایک پل کی دیری نہیں لگائیں گی اور ثمن کو ارم کی جگہ لا بٹھائیں گی، خود فہد کی سگی پھپھی کے ساتھ یہی ہوا تھا، ان کے ہاں پہلی بیٹی کی پیدائش پر ان کے میاں نے دوسری شادی کر لی تھی اور فہد کی پھپھی سہاگن ہوتے ہوئے بھی بیوہ کی سی زندگی گزارنے پہ مجبور ہوگئی تھی۔

ارم فہد کی پہلی چاہت تھی اور فہد میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ ارم کو خود سے دور کرتا اور اس کی جگہ کسی اور کو لا بیٹھاتا، لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ اماں جی کبھی بھی اس کے انکار کو اہمیت نہیں دیں گی اور حقیقتاً اگر فہد نے ان کی بات نہ مانی تو وہ خودکشی کر لیں گی، یہ ذہنی دباؤ فہد جیسے مضبوط مرد کو بھی خوفزدہ کیے رکھتا، معاملہ منگیتر چھوڑنے کا نہیں تھا بلکہ ماں کی زندگی کا تھا ایسے میں مضبوط سے مضبوط دل مرد بھی ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھتا، لیکن اچھے وقت کی چاہ میں فہد خود کو بہلا لیتا تھا، جبکہ ارم اس تناؤ سے خود کو آزاد نہیں رکھ پائی تھی وہ بھی اس صورت میں جبکہ آٹھ ماہ ہونے کو آئے اور ڈاکٹر نے بچے کی جنس نہیں بتائی تھی ہر بار پوچھنے پر ڈاکٹر ''بچہ الٹا ہے'' کہہ کر خود کو بچا لیتی اور ارم بھی لاجواب ہو جاتی تھی یہ سب اسی ذہنی تناؤ کا نتیجہ تھا کہ اب ڈاکٹر نے میجر آپریشن تجویز کیا تھا۔

فہد دوائیوں کا نسخہ ہاتھ میں لیے باہر چلا آیا جہاں ارم نڈھال سی اس کی منتظر تھی، اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھا کر فہد نے گاڑی اسٹارٹ کر دی، اس کے ماتھے پہ سوچ کی گہری لکیریں واضح پڑھی جا سکتی تھیں، ابھی اسے گھر جا کر ایک اور محاذ پہ لڑنا تھا اماں جی کبھی بھی بڑے آپریشن کی اجازت نہ دیتیں لیکن ارم اور بچے کی زندگی کی خاطر فہد کو ہر حال میں اس محاذ پہ جیتنا تھا۔

☆☆☆

اماں جی اپنی ملازمہ شریفاں کے ساتھ ہسپتال کے بینچ پہ بیٹھی مسلسل وظائف میں مشغول تھیں جبکہ فہد آپریشن تھیٹر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پریشانی سے چکر کاٹنے میں مشغول تھا، آخری وقت میں ارم کا بی پی شوٹ کر گیا تھا جس سے آپریٹ کرنے میں پریشانی ہو رہی تھی اور یہ وقت فہد پہ بڑا کڑا ثابت ہو رہا تھا۔

ڈاکٹر نے جب دو زندگیوں میں سے ایک کے چناؤ کا فیصلہ اس کے سامنے رکھا تو ایک پل کو قیامت صغریٰ بپا ہوئی تھی اس پہ لیکن اگلے ہی پل اس نے ارم کا چناؤ کرتے دستخط کر ڈالے تھے، ماں جی اس لمحے اس کو مشکوک نظروں سے دیکھتی رہی تھیں، لیکن فہد نے ان کو اس بات کی بھنک بھی نہ پڑنے دی تھی، وہ جانتا تھا کہ ماں جی کی ترجیح کیا تھی ایسے میں ان کے پوچھنے کا یا مشورہ کرنے کا رسک فہد نے نہیں لیا تھا اور اب مسلسل چکر کاٹتے وہ گویا کسی معجزے کے انتظار میں تھا۔

''ایکسکیوزمی! آپ کو ڈاکٹر سعدیہ اندر بلا رہی ہیں۔'' آپریشن تھیٹر کے ملحقہ راہداری کے سرے پہ کھڑے ہو کر نرس نے اسے بلایا تو فہد تیر کی سی تیزی سے اندر کی طرف بڑھا، ڈاکٹر سعدیہ پہلے سے ہی تھیٹر کی راہداری میں کھڑی تھیں۔

''مسٹر فہد! مبارک ہو اللہ نے آپ کو دونوں زندگیاں بخش دی ہیں۔'' ڈاکٹر سعدیہ کی بات نے فہد کو گویا دو جہان کی خوشیاں لوٹا دی تھیں۔

''تھینک یو ڈاکٹر! تھینک یو ویری مچ۔'' شدت جذبات سے فہد کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

''بٹ ایم سوری مسٹر فہد آپ کو یہ بات

حوصلے سے سننا ہوگی کہ سیکس آپ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔" ڈاکٹر کی بات پہ فہد کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"تو کیا بیٹی...... ہے۔" فہد کی زبان پھر سے لڑکھڑائی تھی، ڈاکٹر سعدیہ نے بغور فہد کو دیکھا اور تاسف سے سر ہلاتے وہ بات کہہ ڈالی جس نے فہد کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

☆☆☆

"واہ بھئی چوہدرائن کیا خوب دعوت کی ہے پوتے کی سچ میں مزا آ گیا، مدتوں یاد رہے گی یہ دعوت۔"

آج فہد اور ارم کے بچے کا عقیقہ تھا ساتویں دن بال منڈوا کر عقیقہ کر دیا گیا تھا اور سارے پنڈ کی دعوت عام تھی، ماں جی تو ساتھ ہی سنتوں کے فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہتی تھیں لیکن فہد نے سختی سے منع کر دیا تھا، وہ تو ابھی خوشی کرنے کے حق میں بھی نہیں تھا لیکن ماں جی کی خواہش پہ بے دلی سے راضی ہوا تھا، حویلی کا صحن آہستہ آہستہ مہمانوں سے خالی ہونا شروع ہو گیا تھا، ماں جی کی ملازمہ خاص شریفاں بچے کے لئے آئے ہوئے تحائف سمیٹتے سمیٹتے بے حال ہی ہو گئی تھی اگرچہ دو ملازمائیں اس کے ساتھ موجود تھیں لیکن گاؤں کے ہر گھر سے کچھ نہ کچھ محبتوں کے اظہار کے لئے آیا تھا ایسے میں برداری کی طرف سے ملنے میں بے حساب تحائف الگ سو سمیٹنے میں وقت تو لگنا تھا۔

"اگر بیٹی ہوتی تو...... یہاں افسوس کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوتا تھا۔" فہد بے خیالی میں اپنی ہی سوچ گیا۔

"بیٹی ہی ہو جاتی اچھا تھا۔" ماں جی کے تکیے سے ٹیک لگائے نڈھال ارم کی طرف دیکھتے فہد نے دکھ سے سوچا تھا، اسی پل ارم نے بند پلکوں کی جھالر اٹھائی تھی اور فہد کو بغور اپنی طرف دیکھتے پا کر ایک پل کو اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور بے ساختہ اس کے دل سے آہ نکلی۔

"اس سے تو بہتر تھا فہد کہ اللہ مجھے بیٹی ہی دے دیتا میں سوت کا دکھ برداشت کر لیتی مگر......" آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر باہر نکل آئے تھے جنہیں چھپانے کو ارم نے کہنی آنکھوں پہ رکھ لی تھی، فہد نے بخوبی ارم کی سوچ کو ڈبڈبائی آنکھوں سے پڑھ لیا تھا اور بے ساختہ گہری سانس اس کے سینے سے برآمد ہوئی۔

"دشمن اتنی بھی بری نہیں تھی۔" صحن میں ایک طرف بیٹھی ثمن کو دیکھ کر فہد نے بے ساختہ سوچا اور پھر یکدم اپنی اس سوچ کو جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔

ارم ملازمہ کی مدد سے بچے کو اپنے کمرے میں لے جا رہی تھی، باوجود اتنی نقاہت کے وہ خود ہی بچے کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے اور خاص طور سے اس بات کی احتیاط کرتی کہ کوئی اور اس کا پیمپر تبدیل نہ کرے یہاں تک کہ ملازمہ کو بھی باہر بھیج کر وہ یہ کام سرانجام دیتی تھی ایسے میں اگر فہد کمرے کی چٹخنی لگا دیتا تھا اور اس پل دونوں میاں بیوی کا دل کرتا کہ ایک دوسرے کے گلے لگ کر اتنا روئیں کہ پانی بن کر بہہ جائیں، لیکن یہ ناممکن تھا، انہیں اپنے بچے کے لئے جینا تھا اس بچے کے لئے جو بہت منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا اور جسے ارم اور فہد کے بعد دنیا نے ٹھوکروں پہ رکھ لینا تھا اور اپنے عزیز از جاں بچے کے واسطے یہ مقام دونوں کو کسی طور منظور نہ تھا۔

☆☆☆

"ماں جی! میں نے باہر جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" فہد نے ماں جی سے کہا تھا جو اپنے

پیارے پوتے کو گود میں لیے لاڈ کرنے میں مصروف تھیں، پاس ہی ارم بیٹھی تھی، فہد کی خاص ہدایت کے پیش نظر اپنی تکلیف بھلائے وہ ہمیشہ بچے کے ساتھ رہتی تھی اور خاص طور سے ماں جی کے ساتھ تو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتی تھی، فہد کی بات پہ ماں جی نے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا۔

''آئے ہائے فہد تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا، چند دنوں کے بچے کو چھوڑ کر تم کہاں جانے کی باتیں کر رہے ہو، ہم دونوں عورتیں کیسے سنبھالیں گی اسے، بے شک کامیوں کی کمی نہیں لیکن سر کا سائیں گھر نہ ہو تو گھر اور باہر کے کام کروانا مشکل ہو جاتا ہے، ہماری اپنی زمینیں ہیں تمہیں باہر جا کر خجل ہونے کی کیا ضرورت۔'' اماں جی نے گویا فہد کو سمجھایا تھا۔

''ارم اور بچہ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔'' فہد نے گویا دھماکہ کیا تھا اماں جی صدمے سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں، اکلوتا بیٹا انہیں چھوڑ کے جانے کی باتیں کر رہا تھا، یہ حیرت کم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔

''مجھے کسی طرح سے بھی اپنے پوتے سے دوری برداشت نہیں ہے فہد۔'' بالآخر ماں جی نے ہٹیلے انداز میں جواب دیا تو ایک پل کو کمرے کی چٹخنی لگاتے فہد کے ہاتھ تھمے تھے، لیکن دوسرے ہی پل وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اماں جی کے پاس آبیٹھا۔

''یہ پوتا نہیں ہے ماں جی، آپ کے سارے تعویذ گنڈے اور دعائیں دھری کی دھری رہ گئیں۔'' فہد کے منہ سرگوشی نما الفاظ نکلے تھے۔

''کیا؟...... تو...... یہ...... بیٹی...... ہے۔'' ماں جی کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے تھے، انہوں نے بغور بچے کو دیکھا نقش تو سارے لڑکوں والے تھے، جبھی ارم سائے کی طرح رکھوالی کرتی پھرتی تھی، اماں جی کی آنکھوں کے سامنے سارے منظر لہرائے تھے۔

''بیٹی ہی ہوتی اماں جی۔'' ارم نے اپنے منہ سے نکلتی چیخوں کو بمشکل دباتے سسکاری بھرتے کہا تھا، جبکہ فہد نے ہاتھ بڑھا کر بچے کا پیمپر کھول دیا۔

''نہیں۔'' اماں جی نے سر دائیں بائیں نفی کے انداز میں لہراتے دونوں ہاتھ اپنے کھلے منہ پہ رکھے بمشکل اپنی چیخوں کا گلا گھونٹا تھا، وہ نہ بیٹا تھا نہ بیٹی بلکہ وہ ہجڑا تھا جس کے بارے میں کبھی سوچا نہ تھا۔

''آپ کی بیٹے بیٹے کی رٹ نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا اماں جی، آپ خود بھی ایک بیٹی ہی تھیں پھر بھی بیٹی سے اتنی نفرت ہم بیٹے، بیٹی کے چکر میں اس تیسری جنس کو کیوں بھول جاتے ہیں؟'' آنسو بارش کے قطروں کی طرح ٹپ ٹپ فہد کی آنکھوں سے ٹپکتے چلے گئے تھے، جبکہ ماں جی نے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی وہ تو یک ٹک بچے کو دیکھے چلی جا رہی تھیں جو ساری باتوں سے بے خبر ان کی گود میں تیزی سے ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا، انہوں نے بے ساختہ بچے کو اٹھا کر بیڈ پہ پٹخا تھا، ارم نے تیزی سے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا تھا، وہ بچہ اس کے جگر کا ٹکڑا تھا اور ارم ماں جی کی طرح بے رحم نہیں ہو سکتی تھی، فہد نے ماں جی کی اس حرکت پر تکلیف سے آنکھیں بھینچی تھیں تو یہ طے تھا کہ اس بچے کے لئے اسے اور ارم کو بن باس کاٹنا ہی تھا، اس کی سگی ماں اس بار کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔

''اسے کسی اور کو دے آؤ فہد، اس سے پہلے کہ خود ہی وہ لوگ گاتے بجاتے چلے آئیں، وہ تو خبر ہونے پہ بچہ نہیں رہنے دیتے لے کر ہی ٹلتے ہیں اور...... اور بدنامی الگ۔'' ماں جی بات نے

فہد کو تڑپا دیا تھا۔

''ماں جی...... یہ...... میری...... اولاد ہے، ایسے کیسے...... جب صحت مند اولاد کے لئے دعا مانگنے کا وقت تھا ماں جی تب آپ نے اللہ سے بیٹے کے لئے ضد لگا لی...... اور اب...... اب آپ کہہ رہی ہیں کہ......'' دکھ کی شدت سے فہد سے بات ہی مکمل نہ ہوئی تھی۔

''تو اس نامراد کو چھوڑ دے فہد، میں ثمن سے تیری شادی کروا دوں گی، دیکھنا تیرے کیسا چاند سا بیٹا ہوگا۔'' ماں جی ساری نزاکتوں سے دور اپنی ہی الجھنوں میں گرفتار تھیں۔

''اللہ کا واسطہ ہے ماں جی اب بس کر دیں، آپ کی شرط یہ تھی کہ بیٹی ہوئی تو مجھے دوسری شادی کرنا ہوگی تو، اب بیٹی تو نہیں ہوئی ناں لہٰذا میں آپ کی قسم سے آزاد ہوں، میں نے اسی لئے باہر جانے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ میں اپنے بچے کو تمام پریشانیوں اور خوف سے آزاد ہو کر پالوں اور معاشرے میں کسی اچھے مقام میں پہنچنے میں اس کی مدد کروں جو یہاں اس ملک میں رہ کر ممکن نہیں ہے اگر آپ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے راضی ہیں تو میرے لئے یہ خوشی کا مقام ہوگا اور اگر آپ کا جواب ناں میں ہے تو بھی مجھے معاف کر دیجئے گا اگر اولاد کی مجبوری نہ ہوتی تو میں کبھی آپ کو تنہا نہ چھوڑتا مگر اب میرے بچے کو میری زیادہ ضرورت ہے اور میں اللہ کی اس آزمائش میں پورا اترنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، دعا کیجئے گا کہ اللہ مجھے اس میں کامیاب کرے۔''

فہد نے ارم کی گود میں سوئے بچے کو جھک کر پیار کیا اور چٹخنی گرا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ارم نے اپنے آنسو کی یلغار میں ماں جی کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھا جو ابھی تک گومگو کی کیفیت میں بچے کو دیکھے جاتی تھیں اور وہ ارم کا بچہ تھا کوئی عجوبہ تو نہ تھا کہ وہ ماں جی کو یوں دیکھنے دیتی تبھی اپنے آنسوؤں کو جھٹکتے اس نے بچے کو سینے سے لگایا اور ماں جی کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔

☆☆☆

محبت اک روشن دیا

حنا اصغر

''زندگی کتنی حسین ہے ناں، نیلے بادلوں کی طرح وسیع، جس پر بہار کی ہوائیں رقص کرتی ہیں تتلی کے دلچسپ دخوشنما پروں کے رنگوں کی طرح چمکتی ہوئی بارش کی پہلی بوندوں کی طرح صاف شفاف۔'' اس نے گلاس وار سے نیچے جھانکتے ہوئے کہا۔

''ہاں شاید زندگی ایسی ہی ہے۔'' تبسم نے نیم افسردگی سے جواب دیا۔

''پتہ ہے میرا دل کیا چاہتا ہے۔'' اس نے گلاس وار سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔

''کیا چاہتا ہے؟''

''میرا دل چاہتا ہے میں جیوں، ایسے جیسے عام لوگ جیتے ہیں صبح اٹھوں تو مجھے اپنے فزیشن کی مدد نہ لینی پڑے، سارا دن عام لوگوں کی طرح گزاروں بھاگتے دوڑتے جیسے کبھی دوڑا کرتی تھی، کوئی میری ہیلپ نہ کرے مجھے انفارم نہ کرے کہ میں نے کیسے چلنا ہے کس سمت کو اٹھنا ہے کس سمت کروٹ لینی ہے، رات کو میری آنکھیں حسین خوابوں کے تانے بانے بنتے سو جائیں اور صبح اٹھتے ہی زندگی کی رعنائیاں مجھے مسحور کر رہی ہوں میں اپنے لان میں چیئر پر بیٹھ کر اپنے سر پر سورج کی تپش کو محسوس کرنا چاہتی ہوں، سرِ شام سورج کی روشنی سمیٹتی آخری کرن کو دیکھنا چاہتی ہوں، کیا کبھی ایسا کوئی دن میری زندگی میں آئے گا تبسم۔'' تبسم نے اس کو تحیر سے دیکھا، اس کے لہجے میں حسرتیں بول رہی تھیں، خواہشات سر اٹھا رہی تھیں وہ کبھی بھی اس طرح سے نہیں ٹوٹی تھی جتنی توڑ پھوڑ ان دنوں اس کے اندر ہو رہی تھی، تبسم نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''انشاء اللہ ایسا دن ضرور آئے گا اگر تم جرمنی جانے پر رضامند ہو جاؤ تو۔''

''میں نہیں جانا چاہتی وہاں۔'' ذونی نے اپنا سر وہیل چیئر کی پشت پر ٹکا دیا۔

''ایک امید ہے اس کور ہنے دو اگر میں گئی اور پھر نامراد لوٹی تو جتنی دل میں اب خواہشیں سر اٹھا رہی ہیں کبھی سر نہیں اٹھائیں گی۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، تبسم اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تم ایک بار صرف ایک بار کوشش تو کرو۔''

وہ کہہ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

ان کے قریب کہیں پٹاخے بج رہے تھے لوگ نیو ائیر منا رہے تھے، اس نے ایک بار پھر اپنی نظریں گلاس وال سے نظر آتے روڈ کے مناظر پر ٹکا دیں برقی قمقموں سے عمارات کو سجایا گیا تھا، تبسم چائے بنا رہی تھی، اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر جم سی گئی تھیں۔

''اے نئے سال تجھ میں کیا نیا پن ہے میرے لئے، شاید کچھ بھی نہیں، وہی تکلیفیں وہیں حسرتیں وہی محرومیاں کچھ بھی تو نیا نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے سر وہیل چیئر کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

''عاصمہ (فزیشن) کا فون ہے تمہاری دوائی کا ٹائم ہو گیا ہے۔'' تبسم نے چند گولیاں اس کے حوالے کی پانی کا گلاس اس کو تھمایا اور پھر اندر چلی گئی ایک دن میں جانے کتنی کتنی گولیاں نگلنی

پڑتی تھیں کہ اس کا اندر تک کڑواہٹ اتر گئی تھی۔

''کیا خیال ہے فلم دیکھیں آج۔''تبسم نے چائے اس کے حوالے کی اور اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''دل نہیں چاہ رہا۔''

''کیا زوفی اس طرح تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔''تبسم نے فکرمندی سے کہا۔

''اس سے زیادہ اور کیا بیمار ہونگی۔'' وہ بڑبڑا کررہ گئی۔

''غلط بات ہے زونی مایوسی کفر ہے ایک دن آئے گا جب اس حسین زندگی میں تم اپنے حصے کی خوشیاں رقم کروگی تم خود حیران رہ جاؤ گی یہ اذیت کے پل ایسے ختم ہونگے جیسے تھے ہی نہیں۔'' ڈور بیل بج رہی تھی تبسم نے دروازہ کھولا تھا عاصمہ آگئی تھی۔

عاصمہ کے آنے کے بعد تبسم اپنے گھر چلی گئی تھی اور اس کی روٹین شروع ہوگئی تھی۔

☆☆☆

''آپ سے کوئی سرفراز صاحب ملنے آئے ہیں میم۔'' پھپھو جان اس کے سر پر تیل لگا رہی تھی جب سرفراز کی آمد نے ان کے متحرک ہاتھوں کو ساکت کر دیا تھا، امید کی ایک مبہم سی کرن تھی جس کی جوت ہر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ہلکی ہوتی جارہی تھی، وہ اندر آچکا تھا، سلام دعا کے بعد وہ نشست سنبھال چکا تھا، پھپھو جان چائے کے بہانے جا چکی تھیں۔

''کیسی ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں اور تم؟'' اس نے پر امید نظروں سے سرفراز کی جانب دیکھا تھا۔

ایک وہ وقت تھا جب وہ دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے گھومتا تھا اس کا ایک انٹرویو لینے کے لئے گھنٹوں اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہتا تھا اور اب اس پر یہ پانچ منٹ بہت بھاری ہو گئے تھے اس پانچ منٹ میں اس نے تین بار گھڑی دیکھی تھی، خوش گمانیوں کے خود ساختہ پہاڑ ایک ہی آن میں زمین بوس ہو گئے تھے زونی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا، وہ انگوٹھی تو کب کی لوٹا گیا تھا شاید احساس ندامت اس کو یہاں کھینچ لایا ہو لیکن نہیں اس کے چہرے پر ایسے کوئی تاثرات نہیں تھے۔

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا، اس کا سوال عجیب تھا یا پھر زونی کو عجیب لگا تھا، اس نے اچنبھے سے اپنے سامنے بیٹھے اس شخص کو دیکھا جو کچھ عرصہ پہلے اس کے عشق میں پاگل تھا اور اب محبت کی گلیوں کے قریب سے گزرنا بھی سزا سے کم نہ سمجھ رہا تھا۔

''علاج ہو سکتا ہے اگر میں جرمنی چلی جاؤں۔''

''تو پھر چلی جاؤ نا۔'' وہ بے ساختہ بولا تھا، اس کے لہجے کا بیگانہ پن اس کے دل میں کھب گیا تھا، اس کا چلی جاؤ بھاڑ میں جاؤ کے مترادف تھا یا پھر زونی کو لگا تھا اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔

''مجھے تم سے کام تھا زونی۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے اصل مدعے پر آ گیا تھا، وہ اچانک سے اس کے قریب آ بیٹھا جیسے کبھی ماضی میں آ بیٹھتا تھا، اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے اس کے ہاتھوں کی گرماہٹ نے اس کے اعصاب میں نئی توانائیاں بھر دی تھیں خواب ایک بار پھر آنکھوں کو اپنا مسکن بنا چکے تھے وہ اپنے کیے پر پشیمان تھا۔

''نہیں محبت اس کو کھینچ لائی ہے۔'' وہ آپ ہی آپ مسکرا دی تھی۔

''زونی میں تمہاری زندگی پر ڈاکومنٹری بنانا چاہتا ہوں میری ایک دو چینل کے اونر سے بات ہوئی ہے وہ سپانسر کریں گے اور اس سے تمہیں کام بھی ملنے لگے گا۔'' کہہ کر وہ دھیمے سے مسکرایا۔

''اور تمہاری دکانداری بھی چمک اٹھے گی یہی ناں، تو مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے اس شہرت کی سمجھے تم۔'' وہ روہانسی ہو کر چلائی تھی آنسو آنکھوں کی باڑیں توڑ توڑ کر بہہ رہے تھے، اس نے ایکدم سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور تابعداری

انداز میں بولا۔

''دیکھو زونی تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو، تم بہت مشہور سنگر رہی ہو لوگ تمہارے متعلق جاننا چاہتے ہیں کہ آخر تم نے کیوں میوزک کو خیرباد کہہ دیا جبکہ تم شہرت کی بلندی پر تھیں۔''

''اور تم اسی چیز کو کیش کرانا چاہتے ہو، تم میری زندگی پر ڈاکومنٹری بنا کر اپنی ڈوبی ہوئی نیا پار لگانا چاہتے ہو نا۔'' جواباً وہ بلبلائی۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو زونی۔'' وہ شپٹایا۔

''میں نے اب ہی تو صحیح سمجھا ہے، اس کرسی پر بیٹھ کر دنیا کو پرکھنے، دنیا کو سمجھنے کا ہنر خود بخود آ جاتا ہے۔''

''تو تم میری بات نہیں مانو گی۔'' اس نے وثوق سے کہا زونی نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تھا جبکہ وہ صدمے سے گنگ جادو سا کن وہی بیٹھی رہی تھی۔

''سرفراز کہاں ہے بیٹا۔'' پھپھو جان چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لے کر آئی تھیں۔

''چلا گیا ہے وہ۔'' اس کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، اس کو یاد تھا جب اس کے گانے کو بالی ووڈ کی ایک فلم میں شامل کیا گیا تھا، وہ دن اس نے سرفراز کے ساتھ سیلبریٹ کیا تھا، وہ دونوں ساحل سمندر پر بیٹھے تھے، زونی نے محسوس کیا تھا کہ وہ کافی دیر سے اس کو کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن ہر بار جھجک کر چپ ہو جاتا ہے۔

''اب تم بدل جاؤ گی۔'' اچانک اس کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی، اس نے ساحل کی بے مہر لہروں سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔

''بالکل بھی نہیں بدلوں گی اگر بدلنا ہوتا تو آج کا دن تمہارے ساتھ سیلبریٹ نہ کرتی۔'' زونی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا لیکن آج ان آنکھوں میں چھائی ہوئی تحریر کا عنوان قدرے بدلہ ہوا تھا۔

''زونی میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

زونی پوری جان سے کانپ گئی تھی، اس نے تحیر سے اس کی جانب دیکھا جس کی آنکھوں کی چمک آج دو چند ہو گئی تھی، اس نے جیب سے رنگ نکالی تھی اور اس کے آگے کر دی تھی اس نے کچھ سوچ کر اپنا ہاتھ آگے کیا تھا۔

''میں تو سمجھا تھا مجھے جواب میں انکار ملے گا۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''انکار کیوں؟'' زونی نے رنگ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیونکہ محترمہ شہرت کے آسمان پر ستارے کی طرح چمک رہی ہیں۔''

''بے فکر رہو میں جتنی اونچی پرواز بھی کر لوں میرا دماغ زمین پر رہے گا۔''

''سچ۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

اس کی لو دیتی آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہان آباد تھا اور آج اپنی آنکھوں میں بیگانگی تھی لاتعلقی تھی، شاید ستارے اس وقت تک ہر دل عزیز رہتے ہیں جب تک وہ آسمان پر ہوتے ہیں، جب زمین پر گر جاتے ہیں تو وہ بے وقعت ہو جاتے ہیں، پیتل سے بھی سستے، اس نے آنکھیں موند لیں تھیں، آنسو ابھی بھی بہہ رہے تھے۔

''میں ذرا علینہ کی طرف چلی جاؤں۔''

پھپھو جان نے اجازت طلب نظروں سے اس کو دیکھا اس نے میگزین سے نظریں ہٹا کر ان کی جانب دیکھا پھر بولی۔

''چلی جائیں لیکن جلدی آ جائے گا۔''

''ہوں ابھی چلی جاتی ہوں، موسم خراب ہو

رہا ہے، شام تک تو بارش ہونا شروع ہو جائے گی میں کل شام تک آ جاؤں گی۔'' انہوں نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا وہ اس کے قریب آئیں اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بولیں۔

''میں جلدی آ جاؤں گی فکر مند نہ ہونا اگر علینہ کی طبیعت خراب نہ ہوتی تو میں تمہیں چھوڑ کر ہرگز نہ جاتی۔'' وہ چلی گئیں تھیں زونی نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے نیچے جھکا تکا۔

جہاں ٹریفک رواں دواں تھی، دن تیزی سے گزر رہے تھے خزاں آ رہی تھی، بہار جا رہی تھی، موسموں کے چینج نے بھی اس کی زندگی پہ مثبت اثرات مرتب نہیں کیے تھے اس کی زندگی ایک ہی نقطے پر آ کر ختم ہو گئی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، سامنے ہی فاران بھائی اور پاپا کی تصویریں لگی ہوئی تھیں، کافی دیر وہ یونہی ان کی تصویروں پر ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہی تھی۔

وہ جسمانی طور پر تو مفلوج ہوئی تھی اب دماغی طور پر بھی اس کی صلاحیتیں سلب ہو رہی تھیں، باہر بہت تیزی سے بارش ہو رہی تھی، نوکر جا چکے تھے وہ اکیلی تھی اس نے وہیل چیئر کچن کی جانب موڑ دی تھی، اس نے پانی پیا اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی، نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس نے کتاب اٹھائی اور اس کی ورق گردانی شروع کر دی تھی۔

موسم خراب ہے شاید آج عاصمہ نہ آئے، کتاب پڑھنے کے دوران اس کو ایسا لگا تھا شاید کسی نے دروازہ کھولا ہو شاید عاصمہ ہو، اس نے ایک بار پھر کتاب پہ نظریں جما دی تھیں، اب کی بار گلاس گرا تھا، اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے کتاب اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی، شاید اس نے دروازہ ٹھیک طریقے سے بند نہیں کیا تھا، وہ اس چھوٹے سے فلیٹ میں رہتی تھی اپنی محل جیسی حویلی کی نسبت یہاں رہنا اس کو زیادہ پسند تھا ویسے بھی پاپا اور فاران بھائی کی وفات کے بعد وہ حویلی اس کو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔

''کک...... کون...... کون ہے باہر۔'' وہ کپکپاتی آواز میں بولی تھی اور ایکدم سے اس کا دروازہ کھلا تھا ایک نقاب پوش نوجوان اندر داخل ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ بارش میں مکمل طور پر بھیگ چکا تھا، اس کو دیکھ کر زونی کا رواں رواں کانپنے لگا تھا۔

''تت...... تم...... کون...... ہو؟'' اس کی آواز حلق میں پھنس گئی، سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں سلب ہو گئی تھیں وہ مدد کے لئے کس کو پکار سکتی تھی، وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا اور خوف کی پرچھائیوں نے اس کی آنکھیں پھیلا دی تھیں۔

''آپ ڈریں نہیں، میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، میں کچھ دیر یہاں پناہ لونگا اور چلا جاؤں گا۔'' اس نے ریوالور جیب میں ڈال لیا تھا اور منہ سے نقاب بھی اتار دیا تھا، وہ ایک اچھی شکل کا نوجوان تھا زونی کا کب کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا لیکن خوف کی پرچھائیوں نے اس کی پیشانی عرق آلود کر دی تھی، اس نے وہیل چیئر کو پیچھے سرکایا تھا، نوجوان آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور قریب رکھی چادر اٹھا کر اوڑھ چکا تھا، زونی کا موبائل بج رہا تھا جبکہ وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کال سن سکتی ہیں؟'' وہ شائستہ لہجے میں بولا۔

''ہیلو جی پھپھو جان، کیسی ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں، نن...... نہیں گھبرا تو نہیں رہی، سر...... سردی لگ رہی ہے۔'' اس کی آواز میں لرزش واضح تھی اس کے ہاتھ بھی کپکپا رہے تھے۔

''نہیں عاصمہ آج نہیں آئی موسم ٹھیک نہیں ہے ناں۔''

''چلیں ٹھیک ہے اللہ حافظ۔'' اس کا رواں رواں پکار رہا تھا کہ فون بند مت کریں وہ مشکل میں ہے لیکن شاید وہ جلدی میں تھیں انہوں نے فون بند کر دیا تھا وہ لرز رہی تھی۔

''آپ بے فکر رہیں میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، آپ آزاد ہیں پورے گھر میں گھومیں پھریں ایسے جیسے یہاں آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔''

''اگر آپ چور نہیں ہیں تو آپ چھپ کیوں رہے ہیں۔''

''میرا تعلق Labour تنظیم سے ہے، میں بنیادی طور پر مزدوری کے لئے کام کرتا ہوں، میری اپنی تعلیم کے چیئر پرسن سے جھگڑا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میں نے دوسری پارٹی کو جوائن کر لیا تھا یہ پارٹی ان کے مخالفین کی ہے پارٹی جوائن کرنے کے بعد ہی مجھے اس کا صدر بنا دیا گیا، جس کی وجہ سے کچھ لوگ ناخوش ہیں میں یہاں کام سے آیا تھا لیکن میرے مخالفین میری گھات میں تھے انہوں نے مجھ پر فائرنگ شروع کر دی ہے، جبھی مجبوراً مجھے آپ کے گھر پناہ لینی پڑ گئی ہے۔'' اس نے پیر پھیلا دیئے تھے اور اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔

''میں نے آپ کو دیکھا ہے کہیں، یاد نہیں آ رہا۔'' اس نے ایک بار پھر اس پر نگاہ دوڑائی تھی اور شناسائی کی لہروں نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔

''آ...... آپ سنگر ہیں ناں، مس زوفشاں چوہدری۔'' اس نے انگشت شہادت سے اس کی جانب اشارہ کیا جبکہ زونی نے سر جھکا لیا تھا، انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اس لئے اس نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

''آخری بار سنا تھا میں نے کہ آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا یا شاید کسی نے کروایا تھا لیکن آپ تو برطانیہ چلی گئی تھیں، پھر اس حال میں۔'' اس نے بیک وقت کئی سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی جبکہ وہ سر جھکائے ایسے بیٹھی تھی جیسے وہ کسی اور کے متعلق بات کر رہا ہو۔

''آپ کی پہلی البم دردِ محبت تھی ناں، اس کا ایک گانا، انجانا خواب میرا، فیورٹ سونگ تھا اصل اس عمر میں ہر انسان خواب دیکھتا ہے ہر شے میں محبت کا پہلو تلاش کرتا ہے ہر انسان کی زندگی میں یہ دور آتا ہے میری زندگی میں بھی یہ دور آیا تھا میں اپنی کزن کو پسند کرتا تھا اس سے منگنی ہو گئی تھی میری، میں اکثر یہ گانا سنتا تھا ایک وقت آتا ہے ناں جب آپ ساری دنیا سے بے پرواہ ہو کر کسی ایک انسان کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں میں بھی ایسے وقت سے گزر رہا تھا۔'' اس کی آنکھیں الوہی خوابوں کو یاد کر کے جگمگا رہی تھیں اس کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ اس کو سن رہی ہے یا نہیں، وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچا ہوا تھا، لیکن کچھ آگے ذرا آگے وقت گزرنے کے بعد لگا کہ۔

''زندگی کچھ اور ہے اس کے رنگ روپ کچھ اور ہیں وہ نہیں جو ہم سوچتے ہیں اس کے رنگ تتلیوں کے پروں جیسے نہیں ہوتے بلکہ اس کے رنگ تو دھندلے مدھم مٹے ہوئے ہوتے ہیں یا پھر جیسی زندگی ہم گزارتے ہیں ہمارے حصے میں بھی رنگ آتے ہیں وہ خوشنما رنگ تو کسی اور دنیا کے لوگوں کے لئے ہوتے ہیں، ہمارے لئے نہیں، جب آپ حقیقت میں جینا سیکھ لیتے ہیں تو یہ کتابی باتیں لگتی ہیں دیوانوں کے خواب لگتے ہیں سب، ایسا ہے ناں۔'' اس نے ایک لطیفے کو

اس کی جانب دیکھا جو اتنی توجہ سے اس کو سن رہی تھی دیکھ رہی تھی، سٹپٹا گئی تھی وہ کون تھا جس نے طمطراق سے آکر اس کی ساری سوچ کو حرف بہ حرف پڑھ لیا اور اب اس کو بتا رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' زوفی نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ مس زوفشاں ایک عمر آتی ہے انسان پر یا پھر ایک زمانہ آتا ہے جب ہر کتاب ہر ناول میں لکھے الفاظ لفاظی لگتے ہیں، حقیقت وہی ہوتی ہے جس کو آپ برتتے ہیں، میری منگنی ٹوٹ گئی میری منگیتر کو مجھ سے زیادہ کمانے والا انسان مل گیا تھا میں ایک فیکٹری کی معمولی سی یونٹ کا معمولی سا لیڈر تھا جو ہمہ وقت خطروں میں گھرا رہتا تھا یہاں سے آگے نکل کر بھی میرے مستقبل پر کئی سوالیہ نشان تھے، میں اس کو کیا دے سکتا تھا، خطرات سے پر زندگی مسائل کے انبار میں ایک طرف ہو گیا اور دیکھیں اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی میں وہی زندگی جی رہا ہوں جس کا قیاس اس نے کیا تھا وہ ایک امیر آدمی کی بیوی ہے میں جہاں ماضی میں کھڑا تھا وہی میرا حال ہے اور وہی مستقبل۔'' اس نے اپنی جیب سے سگریٹ نکالی اور اجازت طلب نظروں سے اس کو دیکھا۔

''کیا میں......'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پتہ نہیں کیوں آپ کو دیکھ کر میرے سارے خواب لاشعور سے شعور میں آگئے ہیں لیکن اب تو کچھ بھی نہیں رہا۔'' وہ مایوسی سے بولا، پھر اس کی جانب مڑا۔

''اب آپ بتائیں؟ میں حیران ہوں میں نے کبھی گھر میں بھی اتنی تفصیل سے بات نہیں کی اور میں نے ورق در ورق کتاب زندگی کھول کر آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔'' وہ جیسے خود بھی حیران ہو رہا تھا۔

''آپ نے میوزک کیوں چھوڑ دیا؟''

''میں لوگوں کی ترحم بھری نظروں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی میں نہیں چاہتی کہ جو لوگ پہلے مجھے اسٹیج پر اچھلتا ناچتا گاتا دیکھ چکے ہیں اب وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے دیکھیں اور ویسے بھی ہر عروج کے ساتھ لوگوں کی وفاداریاں منسوب ہوتی ہیں، زوال میں تو صرف آپ کی اپنی ذات ہوتی ہے یا پھر اللہ کی ذات ہوتی ہے اس کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں ہوتا، بس ایک خلاء سا ہوتا ہے، بس اسی لئے میں نے میوزک کو خیر باد کہہ دیا۔''

''آپ کی منگنی بھی تو ہوئی تھی ناں۔'' معاً اس کو یاد آیا۔

''ٹوٹ گئی تھی۔''

''کیوں؟'' اس نے تحیر سے اس کی جانب دیکھا۔

''میرا زوال شروع ہو گیا تھا اور اس کے عروج کا دور شروع ہو گیا تھا بس اس لئے ٹوٹ گئی۔''

''آپ چائے لیں گے؟'' اس نے سرعت سے جواب دے کر کہا۔

''جی ضرور۔''

''لیکن زحمت آپ کو خود کرنا پڑے گی۔'' اس نے اپنی وہیل چیئر کی جانب اشارہ کیا۔

''چلیں آپ ساتھ تو دے سکتی ہیں نا۔'' وہ بولا تھا وہ بے ساختہ ہنس دی، اس نے چونک کر اس کو دیکھا۔

''آپ یقین کریں میں کسی کو مدد کے لئے نہیں بلاؤں گی۔''

''میں جانتا ہوں مجھے یقین ہے آپ پر۔''

وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا، زونی نے وہیل چیئر کچن کی جانب بڑھائی۔

''آپ اس قدر مایوس کیوں ہو گئی ہیں حالانکہ ایک چیز چھن جانے سے......''

''وہ ایک چیز نہیں ہے۔'' وہ تیزی سے بولی تھی۔

''سب کچھ چھن گیا ایک ایسا بے مہر طوفان آیا جس نے آن کی آن سب کچھ اپنی بے رحم موجوں کے حوالے کر دیا، اب کچھ نہیں بچا صرف عمارتوں کے خالی کھنڈر ہیں جن پر نہ تو تعمیر کاری ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان کی آرائش پر وقت ضائع کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے اپنا سر کرسی سے ٹکا دیا تھا۔

فاران بھائی بابا کے چہرے اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگے تھے۔

''کبھی کبھی تو اپنا وجود اتنا بے مایہ لگتا ہے کہ جی چاہتا ہے کاش وہ طوفان مجھے بھی اپنے ساتھ بہا لے جاتا، کاش اس بے مہر طوفان کی زد میں میرا وجود بھی خاکستر ہو جاتا۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی، جبکہ وہ حق دق اسی کو دیکھ رہا تھا، اس نے گلاس وار سے نیچے جھانکا۔

''مایوسی کفر ہے، گناہ ہے، زندگی کے روشن پہلو دیکھیں کوئی ایک تو ہو گا کہیں تو روشنی ہو گی کہیں تو ہلکی سی کرن نے اس گھپ اندھیرے میں آپ کو دیکھنے کے قابل بنایا ہو گا، یا کہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ چائے بنا چکا تھا، اس نے چائے کا کپ اس کو تھمایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گیا، اس کی نظریں ابھی بھی گلاس وال پر گرتے پانی کے قطروں پر تھیں۔

''اب آپ کیا کرتی ہیں؟'' اس کے سوال پر اسے چونک کر ایک لمحے کو اس کی جانب دیکھا اور پھر سے اپنی نظریں سامنے مرکوز کر لیں۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اس کی بڑبڑاہٹ نے اس کا رنگ پھیکا کر دیا تھا، وہ موضوع بدلتے ہوئے بولا۔

''آپ کے ہاں کچھ کھانے کو ہے؟''

''شاید۔'' وہ اٹھ کر کچن میں گیا اور تھوڑی دیر بعد کھانا لے آیا اور اس کے سامنے رکھ کر کھانا کھانے لگا تھا۔

''آپ کھائیں گی؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

اس کا موبائل بج رہا تھا اس نے فون کان سے لگا لیا۔

''ٹھیک ہے ایسا کرو مجھے پک کر لو، میں جگہ بتاتا ہوں۔'' اس نے پتہ بتا کر فون بند کر دیا، کھانا وہ کھا چکا تھا چائے کے آخری گھونٹ پی کر وہ بولا۔

''میرے ساتھی مجھے لینے آ رہے ہیں چار دن بعد میرا Sun news میں انٹرویو آئے گا اگر وقت ملے تو پڑھیے گا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ سے ایک بات پوچھوں اگر آپ کو برا نہ لگے۔'' وہ تذبذب کے عالم میں بولا۔

''میں کبھی کبھار آپ سے ملنے آ سکتا ہوں۔''

''جی۔''

''تھینکس۔'' کچھ ہی دیر بعد اس کا دروازہ کھلا تھا اور وہ چلا گیا تھا اس کے جانے کے بعد زونی کو ایسا لگا تھا جیسے اس کے اندر بہت مثبت تبدیلیاں آئی ہوں۔

☆☆☆

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' اس نے پھپھو جان کو بتایا ان کا دل ہول گیا تھا۔
''کیسے بتاتی جب کہ وہ چور ڈاکو نہیں تھا۔''
''ارے اگر چور نہیں تھا تو پھر چھپتا کیوں پھر رہا تھا؟'' ان کے سوال پر اس نے نیوز پیپر ان کے سامنے رکھ دیا۔
''اس کا انٹرویو آیا ہے وہ لیبر یونین کا بہت بڑا لیڈر ہے۔'' اس کے کہنے پر وہ خاموش ہو گئی۔
تبھی ڈور بیل بجی زونی نے شکر کا کلمہ پڑھا ان کا سارا دھیان مقابل کی جانب تھا وہ طمطراق سے اندر داخل ہوا تھا اور اس کو دیکھتے ہی زونی کا چہرہ لٹھے رنگ ہو گیا تھا۔
''السلام علیکم!'' اس نے بوکے اس کے حوالے کیا۔
''وعلیکم السلام! پھپھو جان یہ شہریار آفندی ہیں۔''
''اوہ بیٹھو بیٹا میں چائے لاتی ہوں۔'' وہ اس کو بٹھا کر اندر چلی گئی تھیں۔
''آپ کو میرا نام برا تو نہیں لگا؟''
''نہیں۔''
''تھینکس، میں شش و پنج میں مبتلا تھا کہ کہیں آپ کو برا نہ لگے آپ کے جواب نے مجھے قدرے ریلیکس کر دیا ہے۔'' اس نے سر جھکا لیا ایسے جیسے اس کو سمجھ نہ آ رہی ہو کہ اب اس کو کیا کہنا چاہیے، پھپھو جان نے چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھجوا دیئے تھے زونی نے مروتاً اس کو آفر کی اس نے نہ صرف اس کے لئے بلکہ اپنے لئے چائے بنائی جیب سے اخبار نکالی اور اس کو اہم خبریں سنانے لگا بغیر یہ جانے کہ اس کو انٹرسٹ ہے بھی یا نہیں، پھر اس نے اس کے لیپ ٹاپ پہ اس کی آئی ڈی بنائی اور اس کے جانے کے بعد زونی کو لگا کہ کافی عرصے بعد وہ دنیا سے Connect ہو رہی ہو، اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

''آپ کا فون ہے؟'' عاصمہ ورزش کرا رہی تھی جب ملازمہ نے موبائل اس کو تھمایا، اس نے شش و پنج میں فون لے لیا اور کانوں سے لگا کر بولی۔
''کون؟''
''میں شہریار بات کر رہا ہوں کیسی ہیں آپ؟''
''میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟''
''آپ کو میرا یوں فون کرنا برا تو نہیں لگا؟''
''نہیں۔''
''شکر اچھا یہ بتائیں کیا ہو رہا ہے۔''
''کچھ خاص نہیں آپ کے پاس تو اتنی خوبصورت مصروفیت ہے میوزک آپ اس پر کام کریں ناں۔'' عاصمہ جا چکی تھی اس نے اپنا سر وہیل چیئر کی پشت سے ٹکا دیا وہ چاہ کر بھی یہ نہیں کہہ پائی تھی کہ اس نے میوزک چھوڑ دیا ہے ایک مہم و عمیق سی خاموشی نے اس کے اردگرد گھیراؤ کر لیا تھا۔
''آپ نے جواب نہیں دیا۔'' اس نے فون بند کر دیا تھا۔
اگلے دن وہ خود آن وارد ہوا تھا نہ صرف خود آیا تھا بلکہ اپنے تین دوستوں کو بھی لے آیا تھا ان میں سے ایک کے ساتھ زونی کا کام کر چکی تھی، وہ بابر کے ساتھ کئی فلموں میں پلے بیک کر چکی تھی اور اس کو دیکھ کر زونی کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔
''کیسی ہیں آپ؟'' وہ اس کے قریب آ بیٹھا تھا جبکہ وہ غصے میں بل کھا رہی تھی اور گھور گھور کر شہریار کو دیکھ رہی تھی جبکہ وہ مزے سے کھانا کھا رہا تھا۔

کافی دیر باتیں کرنے کے بعد وہ اس کو کل ان کے اسٹوڈیو آنے پر نیم رضامند کر چکے تھے ان کے جانے کے بعد کافی دیر تک وہ شہریار کا نمبر ڈائل کرتی رہی تھی لیکن مسلسل ناٹ رسپونڈنگ آ رہا تھا کچھ دیر بعد اس کا ایس ایم ایس آیا کہ وہ لیبر یونین کی میٹنگ میں ہے۔

☆☆☆

اگلے دن وہ اور تبسم فلم دیکھ رہے تھے کہ وہ آن وارد ہوا۔

''چلنا نہیں ہے کیا؟'' اس نے پینٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ ڈال کر قدرے جھک کر اس کو دیکھا اس کی خود اعتمادی سے خود پر مرکوز نظروں نے زونی کو ایک لمحے کے لئے شپٹا دیا تھا۔

''اوہ تو آپ ہیں شہریار کیسے ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں آپ یقیناً تبسم ہیں۔''

''ہاں جی۔''

''چلیں باقی باتیں بعد میں ہوں گی ابھی دیر ہو رہی ہے آپ دونوں آ جائیں فوراً سے۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔

''لیکن میں کہیں نہیں جا رہی۔'' عقب سے زونی کی آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیئے تھے۔

''یعنی کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی پھر۔'' وہ مضبوط و اٹل لہجے میں بولا۔

''میں پھر بھی آدھا گھنٹہ نیچے آپ کا انتظار کروں گا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔

اور ٹھیک پچیس منٹ کے بعد وہ اسٹوڈیو میں موجود تھیں، کافی عرصے بعد وہ گھر سے باہر نکلی تھی، وہ حیران تھی کہ اس نے کیسے خود کیا ہوا عہد توڑ دیا تھا اس کے اعصاب پر برف کی بھاری سلیں پڑ گئی تھیں اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

''آیئے ناں۔'' بابر نے آگے بڑھ کر اس کی وہیلی چیئر آگے کو سرکائی ان سے گانے سنتے اور گانوں پہ باتیں کرتے ہوئے اس کو وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

وہ گھر آ کر بھی خلاف معمول خوش تھی اور اگلے دن وہ تبسم کے بغیر ڈرائیور کے ساتھ ان سے ملنے گئی تھی، وہ اس کا انتظار کر رہے تھے اور بابر نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس کو اس کی البم میں گانے کے لئے کنوینس کر ہی لیا تھا، وہ ایک Solo song گانے پر رضا مند ہو گئی تھی، اب وہ اکثر اسٹوڈیو آ جایا کرتی تھی اور ایک دن شہریار اس کو گھر ڈراپ کرنے جا رہا تھا۔

''آپ نے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا؟'' شہریار نے پوچھا۔

''مثلاً کیا؟''

''اپنے گھر فیملی کے بارے میں۔''

''میرے گھر میں صرف میرے پاپا اور فاران بھائی تھے جو کہ اب نہیں رہے میں نے ان کو دونوں کو خود اپنے ہاتھوں کھویا ہے میری البم کی لانچ پارٹی تھی میں ان دونوں کو زبردستی ساتھ لائی تھی، واپسی پر ہماری کار ایک ٹرک سے جا ٹکرائی تھی، بس سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔'' اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

''میں نے آپ کو دکھی کر دیا ناں۔'' شہریار نے ندامت سے کہا۔

''ارے نہیں جو پہلے سے ہی دکھی ہو، اس کو مزید کیا دکھی کریں گے آپ؟''

''اچھا ایک بات تو بتائیں؟''

''جی بولیں۔''

''اگر کوئی ایسا انسان آپ کی زندگی میں شامل ہونا چاہے جو آپ سے محبت کرتا ہو تو پھر؟'' اس نے ہچکچاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی اس کے بے باک پن نے زونی کو حیران کر دیا تھا۔

''میری معذوری خود میرے لئے بوجھ ہے میں کسی اور پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔''

''وہ تو آپ سوچ رہی ہیں کہ آپ بوجھ ہیں ہو سکتا ہے وہ ایسا نہ سوچے اور......'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''سب ایک جیسا سوچتے ہیں مسٹر شہریار کچھ قبل از وقت سوچتے ہیں تو کچھ بد دیر ایسا سوچنے لگتے ہیں میرا خیال ہے ہمیں یہ ٹاپک ہی ختم کر دینا چاہیے۔'' اس کے دوٹوک انداز نے شہریار کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ اس کی بات کے زیر اثر کافی دنوں تک خود سے الجھی رہی تھی، بابر کی البم مکمل ہو چکی تھی، لیکن پھر ان لوگوں نے اس سے ملنا نہیں چھوڑا تھا، آج وہ سب لوگ اس سے ملنے آئے ہوئے تھے پھپھو جان کے تو پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے وہ ایسے تیاریاں کر رہی تھی جیسے ان کے گھر فنکشن ہو، وہ خوش تھیں کہ بالآخر زونی نارمل ہو رہی تھی وہ پر یقین تھی کہ وہ اپنے علاج کے لئے راضی ہو ہی جائے گی۔

شہریار ضرورت سے زیادہ خوش تھا سب کو شعر سنا رہا تھا جبکہ خفت سے زونی کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا یعنی اس کو تو کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا حالانکہ وہ اس کو ٹھکرا چکا تھی۔

بابر اپنی البم کا سونگ گا رہا تھا تبسم بھی ان کے ساتھ مگن تھی بس ایک وہی تو جو الگ تھلگ بیٹھی ہوئی تھی شہریار اس کے قریب آ بیٹھا۔

''مبارک نہیں دیں گی مجھے؟''

''مبارک کس بات کی۔'' اس نے ہونق پن سے اس کو دیکھا۔

''میری منگنی ہو رہی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا جبکہ خفت سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

''اچھا مبارک ہو۔'' اس نے پھنسی ہوئی آواز میں کہا۔

''ظاہر ہے آپ نے تو منع کر دیا تھا اب کہیں تو کرنی تھی ناں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا اس نے سر جھکا دیا تھا تبھی ڈور بیل بجی تھی بابر نے دروازہ کھولا تھا، سرفراز صاحب تشریف لائے تھے اس کو دیکھ کر زونی کو کوئی اچنبھا نہیں ہوا تھا۔

''میں جرمنی جا رہی ہوں، اپنا علاج کرانے، اس امید پر کہ میں عام لوگوں کی طرح جیونگی اور یہ سب تم نے کیا ہے شہر یار۔'' زونی نے کہا، شہر یار نے تحیر سے اس کو دیکھا۔

''اچھا۔'' تبھی سرفراز ان کے درمیان آ گیا اس نے بوکے زونی کو تھمایا زونی نے بوکے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''اچھا ہوا آپ بھی آ گئے، آج شہر یار صاحب کی منگنی ہو رہی ہے۔'' تبسم نے شہر یار کو چھیڑا وہ مسکرا دیا۔

''اچھا منگنی تو میری بھی ہو رہی ہے کل شام کو آپ سب آئیے گا۔'' سرفراز نے ہنستے ہوئے کہا جبکہ زونی کا دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا تھا، وہ ڈوب رہی تھی سمندر کے کنارے کہیں دور دور تک بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

''ہم کل آئیں گے پہلے آپ میری منگنی تو انجوائے کر لیں۔'' شہر یار نے شوخی سے زونی کو دیکھا پھر پھپھو جان کو بلا کر لے آیا، انہوں نے سرخ دوپٹہ زونی کو اوڑھا دیا زونی نے انتہائی تحیر سے پھپھو جان کو دیکھا ابھی وہ ایک جھٹکے کے زیر اثر میں ہی تھی کہ شہر یار نے اس کا ہاتھ پکڑا اور جیب سے رنگ نکال کر اس کی انگلی میں ڈال دی۔

''منگنی مبارک ہو۔'' وہ اس کے کان میں ہولے سے بولا جبکہ وہ سمرائز ہو گئی، وہ یک ٹک شہر یار کو دیکھنے لگی تھی جس کی آنکھوں میں چاہتوں کا ایک جہان آباد تھا، جبکہ دوسری جانب سرفراز کا رنگ بھک سے اڑ گیا تھا، اس نے کل ہی تو پھپھو جان کو فون کیا تھا کہ وہ دوبارہ زونی سے منگنی کرنا چاہتا ہے اور وہ تقریباً راضی تھیں تو پھر انہوں نے ایکدم سے بساط کیوں الٹ دی تھی، وہ خجل ہو گیا تھا اس کے سارے منصوبے سارے ارادے درہم برہم ہو گئے تھے، شاید وہ جانتی تھی کہ زبردستی کے رشتے محض بوجھ بنتے ہیں دلوں کے حقیقی بندھن سچائیوں اور محبتوں سے بندھتے ہیں، اسی لئے انہوں نے زونی کے لئے سچی اور بے لوث محبت کا انتخاب کیا تھا۔

☆☆☆

☆☆☆

حدیث مبارکہ

اللہ کے لئے محبت کرنے والے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک شخص اپنے ایک دینی بھائی سے ملاقات کے لئے گیا تو اللہ عزوجل نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔'' اس نے پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا۔

''فلاں بھائی سے ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔'' اس نے پوچھا۔

''اس سے کوئی کام ہے؟'' جواب دیا۔

''نہیں۔'' فرشتے نے پوچھا۔

''تمہارے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟'' اس نے کہا۔

''نہیں۔'' پوچھا۔

''اس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے؟'' اس نے کہا۔

''نہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''تو پھر کیوں اس سے ملاقات کر رہے ہو؟'' اس نے کہا۔

''میں اللہ عزوجل کے لئے اس سے محبت کرتا ہوں۔'' فرشتے نے کہا۔

''اللہ عزوجل نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور وہ تمہیں مطلع کرتا ہے کہ وہ (اللہ عزوجل) تم سے محبت کرتا ہے اور اس نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے۔''

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۷ کتاب ابر)

سارا حیدر، ساہیوال

بھائی چارہ

ایک شخص حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

''میں اللہ عزوجل کے لئے آپ کو اپنا بھائی بنانا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے فرمایا۔

''تم جانتے ہو بھائی چارے کا حق کیا ہے؟'' اس نے عرض کیا۔

''آپ بتا دیجئے۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''کہ تو اپنے دینار اور درہم کا مجھ سے زیادہ حق دار نہ ہوگا۔'' اس نے عرض کی۔

''میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔'' آپ نے فرمایا۔

''پھر چلے جاؤ۔''

ساجدہ احمد، ملتان

اقوال یونانی مفکرین وحکمائے یورپ

☆ بات کو پہلے دیر تک سوچو پھر منہ سے نکالو اور پھر اس پر عمل کرو۔ (افلاطون)

☆ ہر ایک نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے مگر دوستی جتنی پرانی ہو اتنی ہی عمدہ اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ (ارسطو)

☆ خاموشی سب سے زیادہ آسان کام اور سب سے زیادہ نفع بخش عادت ہے۔ (ارسطو)

☆ تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔ (سقراط)

☆ غصہ کبھی کبھی قابل سے قابل انسان کو بھی بے وقوف بنا دیتا ہے۔(بقراط)

☆ جو شخص اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتا وہ بہت سے لوگوں کو کیا قابو میں رکھ سکے گا۔ (اقلیدس)

☆ دانا وہ ہے جو گردش ایام سے تنگ دل نہ ہو۔ (اقلیدس)

☆ کسی آدمی کو جب اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔(اقلیدس)

☆ علم سے آدمی کی وحشت اور دیوانگی دور ہو جاتی ہے۔(بیکن)

☆ تمام اعضاء جسمانی میں زبان سب سے زیادہ نافرمان ہے۔(فیثا غورث)

☆ زندگی میں دو باتیں بڑی تکلیف دیتی ہیں ایک جس کی خواہش ہو اور اس کا نہ ملنا اور دوسری جس کی خواہش نہ اس کا ملنا۔ (برنارڈ شا)

☆ لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں قابلیت پر نہیں۔(نپولین)

صفہ خورشید، لاہور

گوہر آبدار

○ انتظار طویل ہو جائے تو محبتیں بے یقین ہو جاتی ہیں، لیکن اظہار کا پانی محبت کو پھر سے شاداب کر ڈالتا ہے اور جس محبت کو اظہار کا پانی میسر نہ ہو وہ محبت اپنا وجود بھی کھو دیتی ہے اس پودے کی طرح جو پانی نہ ملنے پر بہت جلدی سوکھ جاتا ہے۔

○ کہانی میں نام اور تاریخ کے سوا سب کچھ سچ ہوتا ہے اور تاریخ میں نام اور تاریخ کے سوا کچھ بھی سچ نہیں ہوتا۔

○ سانس کا سفر ختم ہو جاتا ہے لیکن آس کا سفر باقی رہتا ہے، یہی تو وہ سفر ہے جو انسان کو متحرک رکھتا ہے اور متحرک ہونا زندگی کی علامت ہے یہ علامت رگوں میں خون کی طرح دوڑتی رہے تو انسان مایوس نہیں ہوتا چاہے سانس کا سفر ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔

○ گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔

○ محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہیں، دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگوتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔

○ کبھی کبھی خلوص، خون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

عابدہ حیدر، بہاول نگر

دسمبر

مہینوں کی پرانی شال اوڑھے
جھیل کے پرانے کنارے پر کھڑا
سیٹی بجا کر چاند کو نیچے بلا رہا ہے
جنوری کے بدن پر
ماتمی تنہائیاں پینٹ کر رہی ہیں
اور نیچے پہاڑی گاؤں میں
نئے برس کا جشن تھا۔

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

ایک سے بڑھ کر ایک

جہانگیر نے اپنا سفری بیگ کندھے پر لٹکاتے ہوئے جذباتی لہجے میں باپ سے کہا۔

''ڈیڈی! میں اپنی زندگی اپنی مرضی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں، عیش عشرت کی تلاش میں جا رہا ہوں، خوبصورت لڑکیوں کے سنگ زندگی بس کرنا چاہتا ہوں، خدارا مجھے مت روکیے۔''

''جہانگیر بیٹے کون کم بخت تمہیں روک رہا ہے؟'' باپ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں تو خود تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔''
فرینہ اسلم، میاں چنوں

بولتے لفظ

- اللہ کے ساتھ وابستہ ہونا زندگی ہے اور اس سے غافل ہونا موت ہے۔
- اللہ نے جو نعمتیں دی ہیں ان کا یہی شکر ہے کہ تکالیف برداشت کرو۔
- آپ کوئی ایک چیز دین کے نسخے کے مطابق، ایک عمل اپنی زندگی میں شامل کر لو، زندگی ساری کی ساری دین میں ڈھل جائے گی۔
- اگر ظرف نہ ہو عطا انسان کو مغرور بنا دیتی ہے زیادہ ظرف والا آدمی مرتبہ ملنے پر انکساری سے کام لینے لگتا ہے اس لیے اپنے ظرف سے باہر کی تمنا نہیں کرنی چاہئیں۔

مہین آفریدی، ایبٹ آباد

نامۂ اعمال

اے روز محشر مجھے تیری قسم
عمر بھر میں نے تیری عبادت کی ہے
تو میرا نامہ اعمال تو دیکھ
میں نے انسان سے محبت کی ہے

راحیلہ فیصل، سرگودھا

جوڑنا ہوگا

ضدوں سمیت کبھی دل کو چھوڑنا ہو گا
یہ آئینہ کسی پتھر سے توڑنا ہو گا
یہی نہیں کہ ہمیں توڑ کر گیا ہے کوئی
اسے بھی خود کو بہت دیر جوڑنا ہو گا

آمنہ خان، راولپنڈی

انمول موتی

- محبت جب وفا میں ڈھلتی ہے تو امر ہو جاتی ہے۔
- ہر آنکھ دیکھتی ضرور ہے مگر محسوس کرنے والی آنکھ بہت کم ہوتی ہے۔
- تعلق، جذبے، محبت سب اتنی ہی شدت سے جواب چاہتے ہیں جتنی شدت سے وہ کسی کے لئے پیدا ہوتے ہیں، اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق جواب نہ دیا جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔
- پتا نہیں کیوں انسان اپنا غم سہہ لیتا ہے خود پر گزری برداشت کر لیتا ہے مگر جب کسی عزیز ہستی کو اس دکھ کی بھٹی میں جلتا پاتا ہے تو ضبط نہیں کر سکتا۔
- نفرت ایسی چیز ہے جو محبت کے چہرے پر جھریاں ڈال دیتی ہے۔
- اگر لگن میں خلوص اور کچھ پا لینے کی تمنا ہو تو پھر ہارا نہیں کرتے۔
- محبت ایک ایسی زنجیر ہے جس میں انسان کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو جائے تو بھی آزاد نہیں ہوتا۔
- محبت روح کا گلاب ہے اگر یہ مرجھا جائے تو زندگی میں کشش باقی نہیں رہتی۔
- جو ٹل جائے وہ مقدر نہیں، اندیشہ ہے، جو بدل جائے وہ صرف امکان ہے مقدر نہیں، جو نہ بدلے وہ مقدر ہے، جو اٹل ہو وہی امر الٰہی ہے وہی نصیب ہے ہمارا نصیب۔

صابرہ سلطانہ، کراچی

اقوال مفکرین

☆ کوئی شخص تم سے اس وقت تک متاثر نہیں ہو سکتا جب تک تمہارے دلی جذبات تمہارے لہجے میں اثر نہ دکھائیں۔ (لارڈ بائرن)
☆ اگر لگن ہو تو ذرائع مل جاتے ہیں اگر نہ ملیں تو آدمی خود پیدا کر لیتا ہے۔ (چین نک)
☆ اللہ ہر طائر کو رزق دیتا ہے مگر اس کے گھونسلے میں نہیں ڈالتا۔ (افلاطون)

حنا شاہین، حیدر آباد

☆☆☆

صابرہ سلطانہ ---- کراچی
وہ جن کے کاسہ دل میں فقط درد مسلسل ہے
بتاؤ تو سہی وہ عید کا مفہوم کیا جانیں

....

یہ دعا مانگتے ہیں ہم عید کے دن
باقی نہ رہے آپ کا کوئی غم عید کے دن
آپ کے آنگن میں اترے ہر روز خوشیوں بھرا چاند
اور مہکتا رہے پھولوں سے چمن عید کے دن

....

ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جس شب ہمیں چھوڑ کر تم گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگے
تم نہیں تو یہ دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

حنا شاہین ---- حیدرآباد
جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا
میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

....

آبلے کیسے بھی ہوں ضبط کے چھپائے رکھنا
اپنے اشکوں کو زمانے سے چھپائے رکھنا
آج سوچا ہے کہ جی بھر کے تمہیں دیکھیں گے
پھول چہرے کو ہتھیلی پہ ٹکائے رکھنا

....

اپنے کرب کو چھپا کر ہنسنا مشکل ہوتا ہے
دھیمی دھیمی آگ میں جلنا مشکل ہوتا ہے
یوں تو ضبط بہت ہے ہم کو لیکن کیا بتلائیں
آنکھ تک آئے آنسو پینا مشکل ہوتا ہے

سدرہ خانم ---- ملتان
نہ جانے یہ سعادت آج کس کا مقدر ہو
کبھی باندھا تھا گجرا اس نے بھی ہماری کلائی پر

....

ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں یادوں کے سبب یاد آئے
پھول کھلنے کا جو موسم میرے دل میں اترا
تیرے بخشے ہوئے کچھ زخم عجب یاد آئے

....

پرکھنا مت پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینے میں دیر تک چہرا نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا دریا نہیں رہتا

آسیہ فرید ---- خانیوال
جہاں رائج ہو رسم بدگمانی
وہاں پہ معتبر نا معتبر کیا
تمہیں عادت ہے مڑ کر دیکھنے کی
تمہارے ساتھ چلنا عمر بھر کیا

....

شاید کبھی وہ گزرے میری راہ گزر سے
راستے میں پھول بن کے بکھر جانا چاہیے
میں اس سے ملنا چاہتی تھی سادگی کے ساتھ
آئینے کہہ رہے ہیں نکھر جانا چاہیے

....

اپنے آپ سے ذات چھپائی جا سکتی ہے
چاند سے کیسے رات چھپائی جا سکتی ہے

وہ تو اختر آنکھیں بھی پڑھ لیتا ہے
تم کہتے ہو بات چھپائی جا سکتی ہے
مریم انصاری ---- سکھر
چشم نم محو اس کی زیارتوں میں ہے
اک شبیہ محفوظ میری بصارتوں میں ہے
یاد ہے آج تک اس کی پہلی گفتگو بھی
لہجے کی بازگشت ان سماعتوں میں ہے

....

سکوت لب میری بات سے زیادہ ہے
ترا فراق میری ملاقات سے زیادہ ہے
میں اس سے عشق تو کر بیٹھا ہوں مگر
یہ سلسلہ میری اوقات سے زیادہ ہے

....

غم اپنے کسی طور عبادت نہیں کرتے
ہم اہل وفا اتنی جسارت نہیں کرتے
ہم لوگ خطا وار محبت سہی لیکن
ہم لوگ وفاؤں کی تجارت نہیں کرتے
عزہ فیصل ---- قصور
میں لوگوں سے ملاقاتوں کے لمحے یاد رکھتا ہوں
میں باتیں بھول جاتا ہوں لہجے یاد رکھتا ہوں
میں یوں تو بھول جاتا ہوں خراشیں تلخ باتوں کی
مگر جو زخم گہرے دیں رویے یاد رکھتا ہوں

....

تم ان لوگوں سے ہٹ کر بھی تو زندہ رہ نہیں سکتے
جو دنیا دل دکھاتی ہے تو کیوں محسوس کرتے ہو
برستے ہیں جو بادل تو اتر جاتا ہے بوجھ ان کا
تمہیں خواہش رلاتی ہے تو کیوں محسوس کرتے ہو

....

تو جو بدلا تو بدل گئے ہم بھی
پیار کرتے تھے بندگی تو نہیں
وقت کٹ جائے گا بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

نورانور ---- فیصل آباد
ایک نفرت ہی نہیں دنیا میں درد کا سبب
محبت بھی سکون والوں کو بڑی تکلیف دیتی ہے

....

ٹوٹ کر چاہا جسے وہ لوٹ کر آیا نہیں
میرے دل کو اس کے سوا اور کوئی بھایا نہیں
پیار کی سوداگری میں ہم برابر ہی رہے
اس نے کچھ کھویا نہیں اور ہم نے کچھ پایا نہیں

....

مجھ سے بچھڑ کر تو بھی تو روئے گا عمر بھر
یہ سوچ لے کہ میں بھی تری خواہشوں میں ہوں
فاریہ سلیم ---- شرقپور
کسے معلوم تھا اس شے کی بھی تجھ میں کمی ہو گی
گماں تھا تیرے طرز جبر میں شائستگی ہو گی
میں اپنے آپ کو سلگا رہا ہوں اس توقع پر
کبھی تو آگ بھڑکے گی کبھی تو روشنی ہو گی

....

یاد کے شعلوں پہ جلتا ہے اگر میرا بدن
اوڑھ کر پھولوں کی چادر تو بھی سو سکتا نہیں

....

بلا کا حبس تھا ساجد ہوا کی بستی میں
چلی جو سانس کی آری میں قاش قاش ہوا
عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
بوند میں سارا سمندر آنکھ میں کل کائنات
ایک مشت خاک میں سورج کی آب و تاب دیکھ

....

میں چھوڑ سکتا نہیں ساتھ استقامت کا
میری اذاں سے جوش بلال مت چھینو

....

تم کو کیا معلوم تم ہو مقدس کتنے
دیکھتے ہیں تو عقیدت سے تمہیں دیکھتے ہیں
عالیہ بٹ ---- لاہور

حاکم شہر کے اطراف وہ پہرہ ہے کہ اب
شہر کے دکھ اسے موصول نہیں ہو سکتے
شازیہ نواب ---- علی پور

وہ مثل جھرنے مانا بہت ہی خوبصورت ہے
مگر اک تشنگی سی ہے کہ وہ پتھر کی مورت ہے
وہ کہتا ہے کو جیون کا سفر کٹ جائے گا تنہا
میرا وجدان کہتا ہے اسے میری ضرورت ہے
افشاں اشرف ---- عارف والا

پتھر ہی لگیں گے تجھے ہر سمت سے آ کر
یہ جھوٹ کی دنیا ہے یہاں سچ نہ کہا کر
اب روتا ہے کیا تجھ سے کئی بار کہا تھا
حالات کے دھارے کے مخالف نہ بہا کر
سعدیہ وہاب ---- سرگودھا

پھر یوں ہوا کہ ایک اک قطرہ پگھل گیا
دل جل گیا کہ جیسے بدن سارا جل گیا
پر کٹ گئے خود سے بھی بیگانہ ہو گئے
وہ بت میری اناؤں کا پتھر میں ڈھل گیا
ناصر حسن ---- خانیوال

یہی وہ دن تھے جب اک دوسرے کو پایا تھا
ہماری سالگرہ ٹھیک اب کے ماہ میں ہے

....

لطف یہ ہے، جب جینے کا ڈھب آتا ہے
زیست کی مدت تھوڑی سی رہ جاتی ہے

....

اندر کی ٹوٹ پھوٹ نے ویران کر دیا
ورنہ ہمیں بھی ناز تھا ہم آفتاب تھے
عاصمہ سلیم ---- ملتان

میں عمر کے رستے میں چپ چاپ بکھر جاتا
اک دن بھی اگر تنہائی سے ڈر جاتا
کل سامنے منزل تھی، پیچھے مرے آوازیں
چلتا تو بچھڑ جاتا، رکتا تو سفر جاتا

....

جب تک بکا نہ تھا کوئی پوچھتا نہ تھا
تو نے خرید کر مجھے انمول کر دیا
نبیہ طارق ---- کراچی

میں نے سائے کو انسان جانا
کھا گیا میری نظر کا مجھ کو دھوکا
کس کو اب قتیل اتنی فرصت
کون ساتھی بنے عمر بھر کا

....

میں بارشوں میں جدا ہو گئی ہوں اس سے مگر
یہ میرا دل، میری سانسیں امانتیں اس کی
نازیہ عمر ---- پشاور

ہر شخص یہاں جائے اماں ڈھونڈ رہا ہے
تہذیب کے گم گشتہ نشاں ڈھونڈ رہا ہے
گھبرایا ہوا ہے شہر تعصب کی فضا میں
ہر مکیں اپنا مکاں ڈھونڈ رہا ہے

....

بقا کی فکر کرو خود ہی زندگی کے لئے
زمانہ کچھ نہیں کرتا کبھی کسی کے لئے
مکنون شاہ ---- لاہور

آج سارا دن نہیں دیکھا اسے
آج کا دن کس قدر تاریک ہے

....

اس عمر میں غضب تھا اس گھر کا یاد رہنا
جس عمر میں گھروں سے ہجرت کے سال آئے
شازیہ ثمن ---- جھنگ

ہم نے ان تند ہواؤں میں جلائے ہیں چراغ
جن ہواؤں نے الٹا دی ہیں بساطیں اکثر
حسن شائستہ تہذیب الم ہے شاید
غمزدہ لگتی ہیں کیوں چاندنی راتیں اکثر

....

ہم سے کرتا ہے گفتگو اب بھی
درد ہے دل کے رو برو اب بھی
ہم تو تھک ہار بھی چکے لیکن
عشق پھرتا ہے کو بہ کو اب بھی
عصرا ثاقب ---- جہلم

لوگوں کو اکثر دیکھا ہے گھر کے لئے روتے ہوئے
ہم تو مگر بے گھر ہی رہے گھر والوں کے ہوتے ہوئے

....

پازیب سے پیار تھا سو میرے
پاؤں میں سدا بھنور ہی ٹھہرے

....

اور بڑھ جاتی ہے بھولی ہوئی یادوں کی کسک
عید کا دن تو فقط زخم ہرے کرتا ہے
فریحہ گیلانی ---- اوکاڑہ
میں اس کے ہاتھ نہ آؤں وہ میرا ہو کے رہے
میں گر پڑوں تو مری پستیوں کا ساتھی ہو
کرے کلام جو مجھ سے تو میرے لہجے میں
میں چپ رہوں تو مرے تیوروں کا ساتھی ہو

....

کوچے کو تیرے چھوڑ کر جوگی ہی بن جائیں مگر
جنگل ترے پربت ترے بستی تری صحرا ترا
تو با وفا تو مہرباں ہم اور تجھ سے بدگماں
ہم نے تو پوچھا تھا ذرا یہ وصف کیوں ٹھہرا ترا

....

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
صوبیہ توحید ---- گلشن راوی لاہور
میں تم کو چاہ کر پچھتا رہا ہوں
کوئی اس زخم کا مرہم نہیں ہے

....

مری طلب تھا اک شخص وہ جو ملا نہیں تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا بھول گیا سوال بھی

....

یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجیب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
خیال ان کا بھی آیا کبھی تمہیں جاناں
جو تم سے دور بہت دور جی رہے تھے الگ
سارا حیدر ---- ساہیوال
عقل کے شہر میں آیا ہے تو یوں گم ہے جنوں
لب گویا کو بھی بے ساختہ پن یاد نہیں
اول اول تو نہ تھے واقف آداب قفس
اور اب رسم و رہ اہل چمن یاد نہیں

....

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

....

سنگ دل ہے وہ تو کیوں اس کا گلہ میں نے کیا
جبکہ خود پتھر کو بت بت کو خدا میں نے کیا
کیسے نامانوس لفظوں کی کہانی تھا وہ شخص
اس کو کتنی مشکلوں سے ترجمہ میں نے کیا
ساجدہ احمد ---- ملتان
گل فضول تھا عہد وفا کے ہوتے ہوئے
سو چپ رہا ستم ناروا کے سہتے ہوئے
یہ قربتوں میں عجب فاصلے پڑے کہ مجھے
ہے آشنا کی طلب آشنا کے ہوتے ہوئے

....

نہ سہہ سکا جب مسافتوں کے عذاب سارے
تو کر گئے کوچ میری آنکھوں سے خواب سارے
بیاض دل پر غزل کی صورت لکھے ہیں
ترے کرم بھی ترے ستم بھی حساب سارے

....

دو چار نہیں مجھ کو فقط ایک بتا دو
جو شخص اندر سے بھی باہر کی طرح ہو
صفہ خورشید ---- لاہور
وہ اپنے زعم میں تھا بے خبر رہا مجھ سے
اسے گماں بھی نہیں میں نہیں رہا اس کا

☆☆☆

بلقیس بھٹی

فوج اور عورت

ایک فرانسیسی جرنیل کی ملاقات پیرس کی ایک مشہور اداکارہ سے ہوئی جرنیل نے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیا آپ کو خبر ہے کہ جتنا فرانسیسی فوج کا خرچہ ہے اس سے دگناہ فرانس کی عورتوں کا ہے۔''

اداکارہ بولی۔

''تو ایسی تعجب کی بات نہیں، جتنے فرانسیسی فوج کے کارنامے ہیں اس سے دگنے فرانس کی عورتوں کے کارنامے ہیں۔''

سدرہ خانم، ملتان

کنگال کے دوست

''جب سے وہ کنگال ہوا ہے اس کے آدھے دوست اسے منہ نہیں لگاتے۔''

''باقی آدھے؟''

''انہیں ابھی خبر نہیں کہ وہ دیوالیہ ہو چکا ہے۔''

آسیہ فرید، خانیوال

مضبوط نیفہ

پندرہ برس کی ملازمت کے بعد سردار جی کے ملازم نے پہلی بار احتجاجاً کہا۔

''سردار جی آپ نے نوکری دیتے وقت روٹی، کپڑے کا وعدہ کیا تھا، روٹی تو خیر جیسی کیسی ملتی رہی ہے، اب بھی پہننے کو کپڑا ابھی دیجیے۔''

سردار جی بولے۔

''اچھا یہ بات ہے تو سب سے پچھلی کوٹھڑی کا دروازہ کھولو اور اپنے پہننے کا کپڑا لے آؤ۔''

ملازم، خوشی خوشی ہو گیا، کوٹھڑی کھولی تو جالوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا، غور سے دیکھا تو کونے میں ایک چیتھڑا پڑا نظر آیا، اٹھایا تو دیکھا کہ سردار جی کا پرانا نیکر ہے اور آگے پیچھے دونوں طرف سے پھٹا ہوا ہے، چڑ کر سردار جی کو دکھانے ہاتھ میں اٹھائے باہر لایا اور جل کر بولا۔

''اس کپڑے کو آپ کہہ رہے تھے؟''

''ہاں یہی ہے، نیفہ تو مضبوط ہے، آگا پیچھا نیا لگوا لینا۔''

مریم انصاری، سکھر

غلطی

ایک سکھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جالندھر سے امرتسر پہنچنا تھا، گاڑی چلنے سے کچھ دیر پہلے وہ بھاگا بھاگا گارڈ کے پاس گیا، گارڈ بھی سکھ ہی تھا۔

''سرداری جی۔'' وہ منت سے بولا

''میرے مقدمے کی بڑی ضروری تاریخ ہے مجھے یہ بری عادت ہے کہ سو جاؤں تو کچھ ہوش نہیں رہتا، یہ نہ ہو کہ امرتسر کی بجائے لاہور پہنچ جاؤں، ذرا امرتسر پر مجھے یاد سے جگا دیجیے گا۔''

یہ کہہ کر وہ واپس گیا مگر تھوڑی دیر بعد پھر بھاگا ہوا پہنچا اور کہا۔

''سردار جی، ایک بات بھول گیا ہوں، نیند میں میرے حواس ٹھکانے نہیں ہوتے، کوئی جگائے تو میں خوامخواہ گالیاں دینے لگتا ہوں، آپ کچھ پروانہ کیجیے گا، مجھے پکڑ دھکڑ کے اسٹیشن پر

اتار دیجئے گا، واہ گورہ کا واسطہ میری بات مت بھولنا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے ڈبے میں جا سویا۔
آنکھ کھلی تو دیکھا کہ لاہور اسٹیشن آ گیا ہے، نتھنوں سے شعلے برساتا نیچے اترا، گارڈ کے ڈبے میں جا کر گارڈ کو اتارا اور اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''تجھے کہا نہیں تھا کہ مجھے امرتسر اتار دینا۔''
گالیوں کے جواب میں سکھ گارڈ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا، ایک مسافر کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی، اس نے گارڈ کے قریب جا کر کہا۔

''کیوں جی، یہ اتنی گالیاں بک رہا ہے، آخر بات کیا ہوئی۔''
گارڈ بولا۔
''اجی اس نے کیا گالیاں دینی ہیں، گالیاں تو اس نے دی تھیں جسے میں نے امرتسر اسٹیشن پر اتار دیا تھا۔''

عزہ فیصل، قصور

شوہر کی بیماری

''ڈاکٹر!'' ایک مشہور نفسیات کی نرس نے اس سے کہا۔
''برآمدے میں ایک خاتون کھڑی ہیں جو آپ سے فوراً ملنا چاہتی ہیں۔''
''کیا اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔''
''نہیں وقت تو مقرر نہیں کیا، لیکن اگر اس نے اس شتر مرغ سے چھٹکارا نہ پایا تو جنہوں نے وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ سب کے سب فرنٹ ہو جائیں گے۔''
''شتر مرغ؟''
''ہاں وہ خاتون اپنے ساتھ ایک شتر مرغ بھی لائی ہے، جس نے آفت مچا رکھی ہے۔''

''اچھا اسے فوراً اندر لے آؤ۔''
دروازہ کھول کر کپڑوں سے لدی پھندی ایک عورت داخل ہوئی ساتھ ساتھ شتر مرغ بھی چلتا ہوا آ کھڑا ہوا۔
''بیٹھیے۔'' ڈاکٹر نے عورت سے کہا۔
''ہاں اب بتایئے آپ کو کیا بیماری ہے؟''
''ڈاکٹر صاحب! مجھے تو کوئی بیماری نہیں، بیماری میرے خاوند کو ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ شتر مرغ ہے۔''

نور انور، فیصل آباد

ذوق تماشا

چرچل کے ایک مداح نے ایک بار بڑی عقیدت سے پوچھا۔
''آپ یہ دیکھ کر خوش تو بہت ہوتے ہوں گے کہ جب بھی آپ تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہال کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔''
''ہاں مسرت تو ہوتی ہے مگر ہمیشہ یہی خیال آ جاتا ہے کہ اگر تقریر کی بجائے مجھے پھانسی پہ لٹکایا جا رہا ہوتا تو خلقت تین گنا زیادہ ہوتی۔''

فاریہ سلیم، شرقپور

دونوں کے صنم خاکی

ایک کرایہ دار کرایہ ادا نہ کرتا تھا، مالک مکان نے بہت زور مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، مالک مکان نے عاجز آ کر ایک ترکیب سوچی، بند لفافے میں اپنی چھوٹی بچی کی ایک تصویر بھیجی جس پر لکھا تھا۔
''رقم کیوں چاہیے اس کی وجہ۔''
تیسرے دن کرایہ دار کا ایک خط ملا جس میں ایک کافر ادا حسینہ کی تصویر تھی، نیچے لکھا تھا۔
''رقم کیوں نہیں ملتی اس کی وجہ۔''

عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

قدرت کی صنعت

سائنسی مصنوعات کی ایک بڑی نمائش میں دو اخبار نویسوں کا جانا ہوا، چاروں طرف نئی نئی مشینیں دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے، ایک کونے میں شیشے کے مرتبان کے اندر رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں، ایک بولا۔

''بھئی آخر اس کا اس نمائش سے کیا تعلق؟''

دوسرے نے جواب دیا۔

''یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ قدرت نے بھی چند چیزیں بنائی تھیں۔''

عالیہ بٹ، لاہور

رحم کی آنکھ

ایک جابر قسم کا افسر جونیئر کلرک کی پوسٹ کے لئے ایک امیدوار کا انٹرویو لے رہا تھا، باتوں باتوں میں امیدوار بولا۔

''میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی بائیں آنکھ پتھر کی ہے۔''

''ہاں لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟'' افسر حیران ہو کر بولا۔

''کیونکہ اسی میں مجھے رحم کی جھلک نظر آئی۔''

فریحہ گیلانی، اوکاڑہ

میجر بن مانس

ایک امریکی جرنیل امریکی فضائیہ کے ہیڈ کوارٹر کا معائنہ کرنے لگا، ایک بوڑھے کپتان کو دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی، پوچھا۔

''یہ کیسے کہ تم اب تک کیپٹن ہو؟''

بوڑھا کپتان مسکرایا بولا۔

''میری کہانی طویل ہے، آپ سننا پسند فرمائیں تو عرض کروں، دوسری جنگ عظیم کے دوران میں بحر اوقیانوس کے عین بیچ ایک جزیرے میں ہمیں بھیج دیا گیا، کام ہمارا یہ تھا کہ خطرے کی گھنٹی بجتے ہی جہاز اڑانا ہے اور دشمن کا سامنا کرنا ہے، روزانہ آدھی رات کو گھنٹی بجتی، ہم سب آنکھیں ملتے اور گالیاں دیتے ہوائی اڈے کی طرف بھاگتے، وہاں سگنل آتا کہ یہ محض پریکٹس کے لئے کیا گیا تھا، یوں نیندیں حرام ہونے سے میں بہت اکتا گیا، اس عرصے میں ایک بن مانس سے کچھ یاری ہو گئی تھی، وہ کودتا پھاندتا میرے کمرے میں آ گھستا، رفتہ رفتہ میں نے اسے آداب سکھائے، میز پر بیٹھ کر کھانا سکھایا، ایک روز اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ اسی سے کام لوں کہ میری دقت دور ہو، اب میری سب مشکلیں حل ہو گئیں، روزانہ رات کو گھنٹی بجتی، بن مانس میری وردی پہنتا اور ہوائی اڈے کی طرف دوڑ جاتا، تھوڑی ہی دیر میں سگنل آنے پر لوٹ آتا، میں مزے میں پڑا سویا رہتا، ایک رات ٹیک آف کا سگنل بھی آ گیا، بن مانس مجھ سے پہلے آگے جا چکا تھا، میں نے جلدی جلدی ٹرنک سے دوسری وردی نکالی اور بھاگم بھاگ ہوائی اڈے پر پہنچا، کیا دیکھتا ہوں کہ جہاز اوپر اٹھ رہا ہے اور بن مانس اندر اطمینان سے بیٹھا ہے، میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ اب کیا ہو گا؟''

''پھر کیا ہوا؟'' جرنیل نے بے صبری سے پوچھا۔

''ہوتا کیا۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''بس اب وہ میجر ہے اور میں ابھی تک کپتان ہوں۔''

صوبیہ توحید، گلشن راوی لاہور

☆☆☆

رابعہ انور ---- فیصل آباد

س: عین غین بھائی کیا آپ نے چھٹیوں کا کام مکمل کر لیا ہے؟ اگر نہیں تو عارف والا آ جائیں میں آپ کی مدد کر دوں گا؟
ج: اپنا کام تم دوسروں سے کرواتے ہو اور میری مدد کرنا چاہتے ہو حیرت ہے۔
س: عین غین بھائی ایمانداری سے بتایئے دن میں کتنی نمازیں با جماعت پڑھتے ہیں؟
ج: تم نے کیا صلوۃ کمیٹی جوائن کر لی ہے۔
س: عین غین بھائی سنا ہے آپ کی منگیتر نے آپ کی تصویر دیکھ کر منگنی کی انگوٹھی واپس کر دی ہے؟
ج: انگوٹھی دیکھ کر واپس کی تھی ٹھیک کروانے کے لئے اور وہ انگوٹھی ٹھیک کروانے کے لئے ایسے غائب ہوئے کہ جیسے تمہارے سر سے سینگ۔
س: کریم لگانے کے ساتھ ساتھ گرلز کالج کے سامنے دھوپ میں کھڑے ہونے سے گریز کریں کیونکہ دوائی کے ساتھ پرہیز ضروری ہے ورنہ......؟
ج: لگتا ہے کہ تجربہ بول رہا ہے۔

سارا نعیم ---- لاہور

س: حال کیسا ہے جناب کا؟
ج: کیا خیال ہے آپ کا۔
س: آخر بھینس کے آگے ہی بین کیوں بجائی جاتی ہے آپ کے آگے کیوں نہیں؟
ج: اس لئے کہ میں آپ جیسا رسپانس نہیں دے سکتا۔
س: اول فول کب بکا جاتا ہے؟
ج: جب انسان اپنے آپ سے باہر ہو۔
س: گھگھی کیوں بندھ گئی؟
ج: تمہیں دیکھ کر۔
س: کوئی اچھی سی دعا؟
ج: خوش رہو۔

سدرہ فیاض ---- عارف والا

س: وہ چپکے سے پیچھے کھڑی ہو کر میری آنکھوں پر نرمی سے بڑے پیار سے ہاتھ رکھ کر بولی؟
ج: اٹھو جا کر برتن دھوؤ۔
س: ذرا جلدی سے یہ بتائیں کہ زندگی کا سب سے حسین سانحہ کیا ہے؟
ج: محبت۔
س: ہمیں دیکھتے ہی ان کا رنگ زردے کی طرح پیلا کیوں ہو جاتا ہے؟
ج: سمجھ جاتے ہیں کہ اب دو تین گھنٹے آپ کی سننی پڑے گی۔
س: ان سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے ہیں بھلا کن سے؟
ج: جو آپ سے برتن دھلواتے ہیں۔
س: درد میٹھا ہو تو رک رک کر کسک ہوتی ہے؟
ج: مٹھاس زیادہ ہو جاتی ہے نا اس لئے۔
س:
بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا
ج:

اداسیوں کا سماں محفلوں میں چھوڑ گئی
بہار اک خلش سی دلوں میں چھوڑ گئی
س:
میں تیرے درد کی طغیانیوں میں ڈوب گیا
پکارتے رہے تارے ابھر ابھر کے مجھے
ج:
ایک مشت خاک اور وہ بھی ہوا کی زد میں
زندگی کی بے بسی کا استعارہ دیکھنا
س:
دل ہر بلائے زلف گرہ گیر ڈال دی
تو نے مصیبت اے میری تقدیر ڈال دی
ج:
یہ کہہ کر اپنی محرومی کو بہلاتا ہے دل اپنا
اگر وہ چاند ہے تو پھر اسے تسخیر ہونا ہے

نورالعین ---- جہلم

س: وہ کہتے ہیں "موقع محل دیکھ کر بات کیا کرو"
آخر وہ محل کہاں ہے جہاں موقع دیکھ کر بات کی جاتی ہے؟
ج: ان سے کہو نا کہ تمہیں ایک بار دکھلائیں
میرے ساتھ جاؤ گی تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔
س: کل لوگ تمہارے سامنے لال رنگ کا رومال کیوں لہرا رہے تھے؟
ج: تمہیں جو گزارنا تھا اس لئے سڑک پہ ٹریفک روک رہے تھے۔
س: مبارک ہو تم کو یہ شادی تمہاری سدا خوش رہو یہ دعا ہے ہماری؟
ج: کون سی شادی۔

لائبہ سلمان ---- منڈی باؤن دین

س: کیا دنیا واقعی گول ہے؟
ج: کون کہتا ہے نہیں ہے۔
س: کچھ تو سوچو؟
ج: سوچ ہی تو رہا ہے۔
س: اپنی ہی کیوں ہانکتے ہو؟
ج: اور کیا نہیں ہانکوں۔

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: لوگوں نے محبت کے نام کو بدنام کیوں کر رکھا ہے؟
ج: لوگوں نے محبت کے نام کو نہیں محبت کو بدنام کر رکھا ہے۔
س: آج کل لوگوں کی مسکراہٹ میں بھی طنز ہوتا ہے؟
ج: اسی کو طنزیہ مسکراہٹ کہتے ہیں۔
س: اس مطلب کی دنیا میں کوئی کسی کا نہیں؟
ج: مطلب کی دنیا سے باہر بھی جھانک کر دیکھو۔

زوما عامر ---- لیہ

س: بوجھو تو میں کون ہوں؟
ج: نام سے صاف ظاہر ہے۔
س: دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہے؟
ج: لیکن آنکھیں ظاہر کر دیتی ہیں۔
س: بتاؤ تو وہ کون ہے؟
ج: کس کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔

تمکین حسن ---- کراچی

س: یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے؟
ج: کوئی سگریٹ سے دل بہلا رہا ہوگا۔
س: چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے؟
ج: کون سے گلشن میں آؤں۔
س: آخری بار دیکھ لو مجھ کو؟
ج: ارادے نیک معلوم نہیں ہوتے۔

ثروت راؤ ---- خانپور

س: تمہیں میری حالت کی خبر نہیں کیا؟
ج: میں ڈاکٹر ہوں نہیں۔
س: یہ دامن چھڑا کر جانا تھا تو؟
ج: تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

ج: جسم میں خون سپلائی کرنے کے لئے۔

راحیلہ فیصل ---- سرگودھا

س: آج تک کتنے جھوٹ بولے ہیں سچ بتانا؟

ج: سچ ایک نہیں بولا۔

س: چشم پوشی اور تاج پوشی میں کیا فرق ہے؟

ج: دونوں میں پوشی ہی پوشی ہے۔

س: سیدھی انگلی سے گھی کیوں نہیں نکلتا؟

ج: جب سے لوگوں نے آئل کا استعمال شروع کیا ہے گھی شرمندگی کی وجہ سے باہر نہیں نکلتا۔

آمنہ خان ---- راولپنڈی

س: عین غین تم اپنے آپ کو بہت بہادر سمجھتے ہو؟

ج: میں نے کب جتایا ہے تمہیں۔

س: سچ کڑوا ہوتا ہے یا کریلا؟

ج: مجھے تو کریلا اچھا لگتا ہے۔

س: مرد عورت کو پاؤں کی جوتی اور عورت اسے اپنے سر کا تاج سمجھتی ہے؟

ج: اپنی اپنی سوچ ہے۔

س: میں نے سنا ہے آج کل کرکٹ میں بہت دلچسپی لے رہے ہو؟

ج: کرکٹ میں نہیں میں تو......

صابرہ سلطانہ ---- کراچی

س: جب گیدڑ کی موت آتی ہے وہ شہر کی جانب دوڑتا ہے کیا وہ اتنا ہی بے وقوف ہوتا ہے؟

ج: وہ بھیڑیوں کو اپنا ہم جنس جو سمجھتا ہے۔

س: سنا ہے نوجوانی کے محبت کے رنگ کچے ہوتے ہیں؟

ج: نوجوانی کے محبت کے رنگ بڑے پکے ہوتے ہیں بڑھاپے میں تو پھیکے پڑ جاتے ہیں۔

س: محبت کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ج: اس کا انجام بڑا عبرتناک ہوتا ہے۔

س: محبت کرنا بیوقوفی ہے؟

ج: میں نہیں مانتا۔

حنا شاہین ---- حیدر آباد

س: ہجر کی رات لمبی کیوں ہوتی ہے؟

ج: نیند جو نہیں آتی۔

س: اگرچہ انسان زندگی کو عذاب گردانتا ہے مگر پھر بھی جینے کی تمنا کرتا ہے؟

ج: یہی ہے قول و فعل میں تضاد۔

س: آنکھیں پھرنا اور آنکھیں مٹکانا ان میں کیا تعلق ہے؟

ج: پہلے آنکھیں مٹکائی جاتی ہیں جب کام بن جائے تو پھیر لی جاتی ہیں بس دونوں جگہ آنکھوں سے کام لیا جاتا ہے۔

سدرہ خانم ---- ملتان

س: اچھا چھوڑو ان باتوں کو؟

ج: اب رہ ہی کیا گیا ہے کہنے کو۔

س: عین غین تم واحد شخصیت ہو جسے دیکھ کر میں سوچتی ہوں؟

ج: کیا سوچتی ہو بھلا ہمیں بھی پتہ چلے۔

س: ہوں ٹھیک ہے جیسے تم کہو؟

ج: کبھی تو ڈھنگ کا سوال بھیجا کرو۔

س: جاؤ گے جانے نہ دوں گی رستہ روک لوں گی؟

ج: میں حنا کے دفتر سے کہیں نہیں جاتا۔

آسیہ فرید ---- خانیوال

س: لوگ گھوڑے بیچ کر کیوں سوتے ہیں اونٹ اور گدھے بیچ کر کیوں نہیں سوتے؟

ج: لوگ گدھوں کی دولتی اور اونٹ بے شتر ہونے سے خائف ہوتے ہیں اس لئے وہ انہیں بیچنے کے باوجود وہ سو نہیں سکتے۔

☆☆☆

سارا حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سو
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا
رات بھر پچھلی سی آہٹ کان میں آتی رہی
جھانک کر دیکھا گلی میں کوئی بھی آیا نہ تھا
آج اس نے درد بھی علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا
یہ بھی ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی شہر دھندلایا نہ تھا
یاد کرکے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم
بھول جانے کے سوا اب کوئی بھی چارہ نہ تھا

ساجدہ احمد: کی ڈائری سے ایک نظم

پھر کہیں ایک ہوئے دو سائے
پھر کہیں آنکھ نے رخصت چاہی
پھر کہیں گال پہ آنسو ڈھلکا
پھر تیری یاد کے سائے مہکے
پھر تیرے پیار کا جھونکا آیا
پھر تیرے نام کی سرگم جاگی
پھر میرے درد کا سورج نکلا
پھر میری آنکھ پہ بادل چھائے
پھر میری یاس کی آندھی چھائی
پھر میری شام سحر تک روئی
پھر میری پیاس کے کانٹے پھوٹے
پھر میری شام سحر تک روئی
میرے گھر سے تیرے در تک روئی
پھر میری شام سحر تک روئی

صفیہ خورشید: کی ڈائری سے ایک نظم

سال کا یہ آخری دن ہے
ابھی کچھ دھوپ ہے لیکن
ذرا ہی دیر کو طے ہے کہ آخر شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو بھی ہے انجام ہونا ہے
چلو مل بیٹھ کے اپنے خسارے بانٹ لیتے ہیں
سب ہی رنگ، جگنو اور ستارے بانٹ لیتے ہیں
ذرا سی دیر کو طے ہے شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو
بھی ہے انجام ہونا ہے
تو کیوں نہ شام سے پہلے
کسی انجام سے پہلے
جو کچھ گھڑیاں میسر ہیں
ان ہی میں زندگی کر لیں
کسی احساس کی شمع جلا کر
ان اندھیروں میں
کوئی دم روشنی کر لیں
چلو ہم دوستی کر لیں

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم

یہ سال بھی آخر بیت گیا
کچھ ٹیسیں یادیں خواب لئے
کچھ کلیاں، چند گلاب لئے
کچھ پنکھڑیاں پر آب لئے
کچھ جلتے دن، کالی راتیں
کچھ سچے دکھ، جھوٹی باتیں
کچھ تپتی رتیں، کچھ برساتیں

کسی یار عزیز کا دکھ پیارا
کسی چھت پہ امیدوں کا تارا
کوئی تنہا شاعر دکھیارا
جس پہ ہنستا تھا جگ سارا
اس شاعر نے جو حرف لکھے
اس میں تیری یاد کے سائے تھے
وہ لوگ بھی آخر لوٹ گئے
جو صدیوں پار سے آئے تھے
ان ہنستے بستے لوگوں نے
میرے سارے دکھ اپنائے تھے
پھر میں نے یاد کی مٹی میں
زخمی لمحے دبائے تھے
یہ سال بھی آخر بیت گیا
آصفہ نعیم: کی ڈائری سے ایک نظم
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب جیون رستہ دلدل ہوگا
جب چاند تنہا پاگل ہوگا
اور من میرا بے کل ہوگا
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب برف گری پہاڑوں پر
جب یخ بستہ ہوا میں سرخی پھیلائیں
صبیح رخساروں پر
جب لمحے ہنسے بہاروں پر
جب باد صبا ٹھہری کہساروں پر
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب آنکھوں میں رت گزرے گی
اور خواہش زمین پہ بکھرے گی
جب رنگ نہ ٹھہرے نظاروں پر
اور عکس نہ ابھرے دیواروں پر
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب خوشیاں ساری چھن لو گے
جب دسمبر کے دن گن لو گے
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
اب آؤ کہ برف گر گئی ہے
رخسار بھی سرخ اور چاند بھی پاگل ہے
آؤ کہ من بے کل ہے
آؤ کہ نظارے خالی ہیں
آؤ کہ نقش ادھورے ہیں
آؤ کہ عکس نہ پورے ہیں
آؤ کہ دسمبر آخر ہے
تم آجاؤ
تم کہتے تھے کہ آؤ گے

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے ایک غزل

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر اک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی بات ایسی گر ہوئی جو تمہاری جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
سنو ذکر ہے کئی سال کا کوئی وعدہ مجھ سے تھا آپ کا
وہ نباہنے کا ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ ہاتھ میرے ہاتھ پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب ہیں جو روبرو تو اشاروں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک نظم

تہوار

نہ میں نے چاند دیکھا
اور نہ کوئی تہنیت کا پھول کھڑکی سے اٹھایا
میرا ملبوس اب ملگجا ہے

حنا سے ہاتھ خالی ہیں
اور چوڑی سے کلائی
نہ میرے پاس تھے تم
اور نہ میرے شہر سے گزرے
میں ایک افشاں لگاتی
مانگ میں سیندور بھرتی
رنگ اور خوشبو پہنتی
چاند کی جانب نظر کرتی
کہ میری لذت دیدار تو تم ہو
میرا تہوار تو تم ہو
راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے
آخری چند دن دسمبر کے
ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں
خواہشوں کے نگار خانے سے
کیسے کیسے گماں گزرتے ہیں
رفتگاں کے بکھرے سایوں کی
ایک محفل سی دل میں بجتی ہے
کتنے نمبر پکارتے ہیں مجھے
جن سے مربوط بے نوا گھنٹی
اب فقط میرے دل میں بجتی ہے
کس قدر پیارے پیارے ناموں پر
رینگتی بدنما سی لکیریں
میری آنکھوں میں پھیل جاتی ہیں
دوریاں دائرے بناتی ہیں
دھیان کی سیڑھیوں پر کیا کیا عکس
مشعلیں درد کی جلاتے ہیں
نام جو کٹ گئے ہیں ان کے حرف
ایسے کاغذ پر پھیل جاتے ہیں
حادثے کے مقام پر جیسے
خون سوکھتے نشانوں پر
چاک سے لائنیں لگاتے ہیں
پھر دسمبر کے آخری دن ہیں
ہر برس کی طرح اب کے بھی
ڈائری ایک سوال کرتی ہے
کیا خبر اس کے آگے تک
میرے ان بے چراغ صفحوں سے
کتنے ہی نام کٹ گئے ہوں گے
کتنے نمبر بکھر کے رستوں میں
گرد ماضی سے اٹ گئے ہوں گے
خاک کے ڈھیروں کے دامن میں
کتنے طوفاں سمٹ گئے ہوں گے
ہر دسمبر میں سوچتا ہوں
ایک دن اس طرح بھی ہونا ہے
آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم
چاند گھبرا گیا

چاند نے
ابر کی کھڑکی سے جھانکا
تو گھبرا گیا
اور کھڑکی کے پٹ بند کر کے
گھنے بادلوں کو عبا کی طرح اوڑھ کر
چھپ گیا
بادلوں میں مگر
اس کے چہرے کو سونا پگھلتا رہا
اس کے اشکوں کی چاندی چمکتی رہی
اور فلسطین کی خیمہ گاہوں میں
تہذیب کے پاسبانوں کے دلال
منظر کے دھبے مٹانے میں
انسانیت کو ٹھکانے لگانے میں
مصروف تھے

☆☆☆

افراح طارق

چنے کی دال اور لوکی

اشیاء

چنے کی دال	250 گرام
لوکی	آدھا کلو
گھی	150 گرام
کالی مرچ	دس عدد
ہری مرچیں	تین عدد
ٹماٹر	حسب منشا
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچہ
پیاز	125 گرام
ادرک	دس گرام
نمک	حسب ضرورت
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

سب سے پہلے چنے کی دال چن کر صاف کریں اور تقریباً اڑھائی گھنٹے تک کے لیے پانی میں بھگو کر رکھ دیں، لہسن، ادرک اور پیاز چھیل کر باریک کاٹ لیں، ہری موچیں بھی باریک کتر کر رکھ لیں، لوکی چھیل کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، اس کے بعد ایک برتن میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھیں، اس میں پیاز سرخ کر کے نمک، ہلدی اور سرخ مرچیں ڈال کر مصالحہ بھونیں پھر اس میں دال اور لوکی شامل کریں اور تھوڑا سا پانی بھی شامل کر دیں۔

ٹماٹر، گرم مصالحہ اور ہری مرچ کے سوا باقی تمام اجزاء اس میں ڈال کر ڈھکن سے ڈھک دیں، جب دال اور لوکی گل جائے تو ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور مسلسل کفگیر چلاتی رہیں، تا کہ پیندے کے ساتھ نہ لگ جائے، جب لوکی، دال اور ٹماٹر آپس میں مکس ہو جائیں تو اس میں کتری ہوئی ہری مرچیں ڈالیں، تھوڑی دیر کے بعد جب پانی خشک ہو جائے تو اس میں پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر چند منٹ کے بعد چولہے سے نیچے اتار لیں اور گہری ڈش میں نکال کر دستر خوان کی زینت بنائیں۔

ماش کی دال

اشیاء

دال	125 گرام
پیاز	100 گرام
لہسن	چو جوے
ادرک	دس گرام
پسی ہوئی سرخ مرچ	حسب ذائقہ
ہلدی	چوتھائی چمچہ
پسا ہوا خشک دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
گھی	پچیس گرام
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ ثابت	دس گرام

ترکیب

لہسن، پیاز اور ادرک چھیل کر باریک کاٹ لیں، ماش کی دال چن کر صاف کریں اور تین گھنٹے کے لیے پانی میں بھگو کر رکھ دیں، اس کے بعد یہ دال صاف پانی سے مل کر دھوئیں تا کہ اس کا کچھ چھلکا اتر جائے پھر ایک برتن میں ماش کی

دال ڈال کر ساتھ ہی تمام اجزا زیرہ اور گھی کے علاوہ ڈال کر ایک گلاس پانی میں شامل کریں اور برتن کو چولہے پر رکھ دیں درمیانی آنچ پر پندرہ منٹ تک پکائیں۔

اس کے بعد آنچ ہلکی کر دیں اس دوران کفگیر پھیر کر دیکھ بھی لیں، تاکہ دال لگ نہ جائے دس منٹ تک مزید پکانے کے بعد جب دال گل جائے اور اس میں موجود پانی خشک ہو جائے تو آنچ مزید کم کر کے دم لگائیں، اس کے ساتھ ہی ایک فرائی پین میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھیں اس میں زیرہ، تھوڑا سا پیاز اور لہسن کٹا ہوا ڈال کر سرخ کریں اور ماش کی دال چولہے سے نیچے اتار کر اس میں گھی کا بگھار لگائیں دال کو گہری ڈش میں نکالیں اوپر پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر کھانے کے لئے پیش کریں مزے دار دال تیار ہے۔

مونگ کی دال اور گوشت

اشیاء

بکرے کا گوشت	250 گرام
مونگ کی دال	125 گرام
پیاز	سو گرام
لہسن	چھ جوے
سرخ مرچ پسی ہوئی	دو کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچ
خشک دھنیا	آدھا چمچ
گھی	125 گرام
نمک	حسب ضرورت
ٹماٹر	50 گرام

ترکیب

لہسن اور پیاز چھیل کر باریک کاٹ لیں مونگ کی دال چن کر صاف کریں اور پانی میں بھگو کر رکھ دیں، اس دوران گوشت صاف کر کے اس کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنائیں پھر ایک برتن میں گوشت ڈالیں ساتھ ہی ایک گلاس پانی، لہسن، پیاز، سرخ مرچیں، نمک، ہلدی اور پسا ہوا خشک دھنیا شامل کر کے برتن کو چولہے پر رکھ دیں، ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ تک پکائیں۔

جب پانی خشک ہونے لگے تو ٹماٹر کا گودا نکال کر شامل کریں پانی خشک ہو جانے پر گھی ڈالیں اور خوب اچھی طرح گوشت کو بھونیں پھر اس میں ایک گلاس پانی ڈال کر تھوڑی دیر بعد مونگ کی دال ڈال دیں اور درمیانی آنچ پر پکائیں جب پانی خشک ہو جائے دال گل جائے اور نرم ہو تو پھر چولہے سے نیچے اتار لیں اور پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر ڈش میں نکالیں اور دستر خوان کی زینت بنائیں۔

دال چنا اور گوشت

اشیاء

گوشت	آدھا کلو
چنے کی دال	200 گرام
لہسن	چھ جوے
پیاز	200 گرام
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
پسی ہوئی سرخ مرچ	دو چائے کے چمچ
گھی	125 گرام
ہلدی	چوتھائی چمچ
خشک دھنیا	ڈیڑھ چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	دس گرام
ادرک	دس گرام

ترکیب

لہسن، پیاز اور ادرک چھیل کر باریک کاٹ لیں، گوشت کی حسب منشا سائز میں بوٹیاں بنائیں، چنے کی دال چن کر صاف کریں اور تین

گھنٹے تک کے لیے پانی میں بھگو کر رکھ دیں، ہرا دھنیا باریک کاٹ کر الگ رکھ لیں، اس کے بعد ایک برتن میں گھی اور گرم مصالحے کے علاوہ تمام اجزاء ڈال کر ساتھ نصف گلاس پانی ڈالیں اور چولہے پر رکھ دیں ہلکی آنچ پر بیس منٹ تک پکائیں۔

جب پانی خشک ہو جائے تو گھی ڈال کر کفگیر پھیریں اور اچھی طرح سے بھونیں تھوڑی دیر کے بعد اس میں ایک گلاس پانی مزید شامل کریں ڈھکن سے ڈھک دیں، مزید پندرہ منٹ تک پکنے دیں اس کے بعد چیک کریں کہ دال اور گوشت اچھی طرح گل کر مکس ہو جائیں تو ہرا دھنیا کتر کر اور پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک دیں تھوڑی دیر کے بعد برتن کو چولہے سے الگ کر دیں اور ڈش میں نکال کر دستر خوان کی زینت بنائیں۔

ماش کی دال اور قیمہ

اشیاء

بکرے کے گوشت کا قیمہ	250 گرام
ماش کی دال	250 گرام
پیاز	150 گرام
ادرک	دس گرام
لہسن	چھ جوے
سرخ مرچ پسی ہوئی	دو چائے کے چمچ
خشک دھنیا پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
گھی	125 گرام
ہرا دھنیا	چند پتیاں
نمک	حسب ضرورت
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچ

ترکیب

ادرک، پیاز اور لہسن چھیل کر کاٹ لیں قیمہ

عربی مچھلی

اشیاء

ہمفرٹ یا کوئی بھی ثابت مچھلی ایک کلو کٹ لگا کر نمک لگا دیں

ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن	چار جوے
ہری مرچ	ایک عدد

ادرک، لہسن اور ہری مرچ کو پیس لیں اور اس میں دھنیا، زیرہ مسٹرڈ پاؤڈر چٹکی بھر نمک ملا کر پیسٹ بنائیں

سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
دھنیا پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچہ
مسٹرڈ پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
پودینہ کٹا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
کری پتے	چھ عدد
ہرا دھنیا کٹا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
مکھن	ایک چھوٹی ٹکیہ
پیاز ٹکڑے کر لیں	ایک عدد
ٹماٹر ٹکڑے کر لیں	دو عدد
شملہ مرچ ثابت رکھیں	ایک عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب

نمک لگی مچھلی کو فرائی کر لیں، اب اس میں پیسٹ والا مسالا لگا لیں اور بیکنگ ٹرے میں رکھیں، اب سویا ساس، لیموں کا رس اور اجینو موتو والا مکسچر پیاز، شملہ مرچ اور ٹماٹر کو لگا دیں اور مچھلی کے برابر میں گارنش کی طرح رکھیں، اب مچھلی پر کری پتے اور مکھن کی ٹکیہ لگا کر اوون میں بیک کریں تقریباً آدھے گھنٹے تک، اس مچھلی کو کھانے سرو کرنے سے پہلے بیک کریں، پہلے سے بیک

کرنے پر اس کا مزا خراب ہو سکتا ہے۔

ٹماٹر مچھلی

اشیاء

مچھلی کے قتلے	آدھا کلو
ٹماٹر	ایک پاؤ
لہسن	پینتیس گرام
بیسن	ایک کھانے کا چمچ
دہی	سو ملی لیٹر
گرم مسالا پسا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
زعفران دودھ میں حل کر لیں	چند ریشے
تیل	تین کھانے کے چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
لونگ	چار عدد
ہری مرچ کاٹ لیں	پانچ عدد
ہرا دھنیا کاٹ لیں	بیس گرام
ادرک باریک کٹی ہوئی	پندرہ گرام
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
الائچی	چار عدد
نمک	ایک چائے کا چمچ

ترکیب

مچھلی کے قتلوں کو بیسن سے دھو لیں، ٹماٹروں کو مکیچر میں گرائنڈ کر لیں، پھر ٹماٹروں کا گودا نچوڑ لیں اور اسے ایک طرف رکھ دیں، دہی کو مکیچر میں پھینٹ لیں اور ایک طرف رکھ دیں، ادرک کو گرائنڈ کر کے پیسٹ سا بنا لیں، پھر پھینٹے ہوئے دہی، ادرک کے پیسٹ، نمک حسب ذائقہ پسا ہوا گرم مسالا، ہری مرچ، نصف ہرا دھنیا اور سرخ مرچ پسی ہوئی آپس میں مکس کر لیں اور مچھلی کے قتلوں کو اس مکیچر میں لیپ کر کے نصف گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔

ایک نان اسٹک پین میں تیل گرم کریں اور اس میں ادرک کٹی ہوئی، ہلدی، زیرہ، لونگ اور الائچی ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں، پھر ٹماٹر کا گودا شامل کر کے پانچ منٹ تک فرائی کریں اور چمچہ چلاتے رہیں، اب مسالا لگی مچھلی کے قتلے شامل کر کے مزید دس منٹ یا مچھلی کے گلنے تک پکائیں، پھر اوپر سے زعفران چھڑک دیں اور بقیہ ہرے دھنیے سے گارنش کر کے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

ارہر کی دال

اشیاء

ارہر کی دال	250 گرام
پیاز	125 گرام
سرخ مرچیں پسی ہوئی	دو چائے کے چمچ
خشک دھنیا پسا ہوا	ڈیڑھ چائے کا چمچ
لہسن	چھ جوے
گھی	سو گرام

ترکیب

لہسن، پیاز اور ادرک چھیل کر باریک کاٹ لیں، ارہر کی دال چن کر صاف کریں اور تھوڑی دیر کے لئے پانی میں بھگو کر رکھ دیں اس کے بعد

ایک برتن میں گھی ڈال کر گرم کریں اس میں دال اور ہرا دھنیا کے علاوہ باقی تمام اجزاء ڈال کر مصالحہ بھونیں۔

پھر اس میں ارہر کی دال ڈال کر ایک گلاس پانی شامل کر لیں اور درمیانی آنچ پر پکائیں، بیس منٹ بعد جب دال گل جائے اور پانی میں مکس ہو کر گاڑھا ہو جائے تو ایک فرائی پین میں گھی گرم کر کے تھوڑا سا لہسن ڈال کر بگھاریں اور دال والے برتن میں پلٹ دیں ساتھ ہی کترا ہوا ہرا دھنیا چھڑک کر چولہے سے اتار لیں مزے دار ارہر کی دال تیار ہے۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔

آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ لیجئے نومبر آ گیا، ایک نئے موسم کی نوید لے کر، گرمی، سردی، بہار، خزاں اپنے اپنے وقت پر موسم آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔

دن ہفتے، مہینے، سال کا سفر تیزی سے آگے کی طرف رواں دواں ہے اس گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بلاشبہ انسان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے لیکن انفرادی اور اجتماعی سطح پر دیکھیں تو پچھلا کچھ عرصہ پاکستان کے لئے کچھ زیادہ خوش آئند نہیں رہا۔

ہم نے تقریباً ہر شعبے میں آگے کی بجائے پیچھے کی طرف سفر کیا ہے، دنیا کتنا آگے بڑھ گئی ہے اور ہم ابھی تک اپنے آپس کے اختلافات ہی دور نہیں کر پائے، نفرت اور تعصب کی آندھی نے تمام تر انسانی اور اخلاقی قدروں کو پامال کر دیا ہے، حکمران طبقہ بجائے ملک کے حالات مسائل حل کرنے کے آپس کے ذاتی اختلافات میں الجھے ہوئے ہیں۔

بجلی کا بحران تو ایسی شکل اختیار کر گیا ہے جس کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا، ملکی معیشت کا سورج زوال کی آخری حد پر ہے، بیروزگاری دن بدن بڑھ رہی ہے، غربت اور فاقہ کشی ہماری قوم کا مقدر بنتی جا رہی ہے۔

کیا ہماری نئی نسل امن وآشتی اور خوشحالی کا سورج طلوع ہوتے دیکھ سکے گی، اس سوال کے لئے میں اور آپ سب جوابدہ ہیں، آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور کلمہ طیبہ، درود شریف اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے دعا کریں کہ اے رب العالمین تو اپنے پیارے حبیب رحمت العالمین کے صدقے ہمارے پیارے وطن پر اپنی خاص رحمت فرما اور اس کو حضرت عمر فاروقؓ کے رستے پر چلنے والی قیادت نصیب فرما آمین یارب العالمین۔

یہ پہلا خط ہمیں توبیہ نور کا ٹوبہ ٹیک سنگھ سے ملا ہے وہ لکھتی ہیں۔

اکتوبر کا شمارہ عائزہ خان کے خوبصورت ٹائٹل سے سجا ملا ماشاء اللہ بہت پیارا ہے، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں روح میں اتر گئیں، ”کچھ باتیں ہماریاں“ میں سردار محمود صاحب نے ہمیشہ کی طرح بڑی اچھی باتیں کیں آگے بڑھے اور ام ایمان کے شب و روز سے آگاہ ہوئے۔

”پربت کے اس پار کہیں“ نایاب جیلانی کے ناول نے اب کچھ رفتار پکڑی ہے اور کافی دلچسپ ہو گیا ہے، شکریہ نایاب جی، سدرۃ المنتہیٰ اپنے سلسلے وار ناول ”اک جہاں اور ہے“ کو اب بڑی خوبصورتی اور سبک رفتاری سے اینڈ کی طرف لا رہی ہیں، ہر کردار کو ایک مالا کی شکل دے رہی ہیں، بہت خوب سدرۃ المنتہیٰ۔

مکمل ناول میں ”روشنی کا سفر“ فرزانہ حبیب کی تحریر، مصنفہ نے بہترین کوشش کی طویل تحریر لکھنے کی، مگر تحریر میں ایک نمایاں غلطی تھی،

مصنفہ نے لکھا کہ ''حضرت عیسٰی قیامت کے دن خانہ کعبہ کی چھت پر اتریں گے'' یہ معلومات غلط ہے، پلیز جب مصنفین کوئی ایسی بات لکھتی ہیں تو حوالہ دیا کریں تاکہ قاری کنفیوژن نہ ہوں۔

سونیا چوہدری نے ہمیں ''وادی عشق'' کی سیر کروائی، بہت خوب سونیا چوہدری، آپ کی تحریر پر گرفت بتاتی ہے کہ آگے چل کر آپ حنا میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گی، ناولٹ میں ''بچھڑنا بھی ضروری تھا'' ہماراؤ کے ناولٹ کی دوسری قسط اچھی لگی، ''محبت خانہ بدوش'' لے کر نائلہ طارق آئیں، پچھلی تحریروں کی نسبت نائلہ کی یہ تحریر بہتر تھی، پسند آئی، افسانوں کی اس بار بہار تھی، ہر افسانہ بہترین تھا، خصوصاً رابعہ الربا کی تحریر ''منحوس کہیں کا'' اس ماہ کی بہترین تحریر تھی، مصنفہ نے ایک تلخ سچ کو لکھا، پڑھتے ہوئے بھی مزہ آیا کہ کڑوی سچائی کے باوجود رابعہ کے لکھنے کا اسٹائل ہلکا پھلکا تھا، روشانے عبدالقیوم کا افسانہ ''انسان خسارے میں ہے'' پڑھ کر کتنی دیر ساکت بیٹھے یہی سوچتی رہی کہ انسان غرور کس بات پر کرتا ہے، جبکہ وہ اپنے آنے والے اگلے ایک لمحے پر بھی قادر نہیں ہوتا، سباس گل ہمیشہ کی طرح اپنے مخصوص انداز میں نصیحت آموز تحریر کے ساتھ آئیں، جبکہ مصباح نوشین اور حمیرا نوشین نے بھی اچھی کوشش کی، شگفتہ شاہ کا ''فیصلہ'' بھی پسند آیا۔

مستقل سلسلے تمام کے تمام پسند آئے خصوصاً حنا کی ڈائری اور حنا کا دسترخوان بے حد اچھا لگا، آپی پلیز آپ ایک دن حنا کے ساتھ میں فرحت عمران، ہماراؤ، سباس گل سے بھی ملوائیں۔

توبیہ نور خوش آمدید اس محفل میں، اکتوبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، فرزانہ حبیب کی تحریر میں جس کی غلطی کی آپ نے نشاندھی کی ہے اس کے لئے ہم معذرت خواں ہیں، ہم یہاں تصحیح کررہے ہیں۔

روایات کے مطابق حضرت عیسٰی قیامت سے پہلے دمشق کی ایک مسجد امویہ میں نزول فرمائیں گے۔

یہاں مصنفین سے بھی گزارش ہے کہ وہ کسی بھی اسلامی معلومات کو جب اپنی تحریر کا حصہ بنائیں تو برائے مہربانی مستند حوالہ ضرور دیا کریں، آپ کی فرمائش پر انشاء اللہ جلد سباس گل ایک دن حنا کے ساتھ گزاریں گی، توبیہ نور ہم آپ کی رائے کے آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

فرزانہ حبیب: کراچی سے لکھتی ہیں۔

اس سے پہلے بھی میں دوبار آپ کی بزم میں شامل ہوئیں تھی مگر میرا خط شامل اشاعت نہیں ہو سکا، امید ہے اس بار ضرور نظر کرم کیا جائے گا، حنا کا سب سے اہم سیگمنٹ جو مجھے پسند ہے، وہ پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں ہیں اس کے ذریعے ہمیں بہت سی دینی مسائل کے بارے میں معلومات ملتی ہے، اس کے لئے ادارے کے لئے ڈھیر ساری دعائیں۔

اب آتے ہیں حنا میں رنگ بھرنے والی مصنفات کی جانب ماشاء اللہ تمام ہی سینئرز اور نئی لکھاری دوستیں حنا کو خوبصورت سوچ اور نصیحت آموز تحاریر کے ذریعے رنگوں سے سجا رہی ہیں، سدرۃ المنتہٰی اور نائلہ میری پسندیدہ مصنفہ ہیں ان کی تحاریر ہمیشہ میرے لئے پسندیدہ اور سبق آموز رہی ہیں نئی لکھاری دوستوں میں قرۃ العین خرم ہاشمی اور عمارہ امداد کی تحاریر میں کافی پختگی اور لفظوں میں ہم آہنگی کا عنصر غالب رہتا ہے اللہ آپ کے قلم کو مزید نکھار دے اور آپ کی تحاریر میں اور زیادہ نکھار پیدا ہو، فوزیہ جی جس طرح خوبصورت لفظوں اور اپنائیت کے انداز میں

چوہدری کا مکمل "وادی عشق" بھی بے حد پسند آیا، کہانی کا پلاٹ بہت خوبصورت تھا اگرچہ کہیں کہیں کہانی بوجھل ہوئی اس کے باوجود تحریر دلچسپی سے بھرپور تھی، افسانوں میں رابعہ الرباء کا افسانہ "منحوس کہیں کا" کلاسیکل ادب کی یاد دلا گیا، مصنفہ میں بے حد ٹیلنٹ ان کی تحریر کے ذریعے نظر آیا، فوزیہ آپ رابعہ سے مزید افسانوں کی فرمائش کیجئے گا، جبکہ روشانے کی تحریر پڑھ کر بے اختیار منہ سے استغفار نکلا، اللہ پاک ہماری نئی نسل کو ہدایت نصیب کرے، شگفتہ شاہ، سباس گل، حمیرا نوشین بھی خوب لکھا، ناولٹ میں ہماراؤ اچھا لکھ رہی ہے، ہماراؤ کی تحریر متاثر کن ہے مگر کہیں کہیں ڈائیلاگ کی طوالت ناگوار گزری، پلیز اس پر توجہ دیں، نائلہ طارق آپ نے سچ کہا آج کل کی محبت واقعی خانہ بدوش ہے، آج اس سے کل اس سے، شگفتہ شاہ کا افسانہ "فیصلہ" ٹاپک کے لحاظ سے بے حد اچھا تھا مزید اچھا ہو جاتا اگر مصنفہ تھوڑی سی محنت اور کرتیں۔

مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ میں تمام دوستوں نے اچھا اور معیاری لکھا، رنگ حنا نے جہاں ہونٹوں پر ہنسی بکھیری وہیں بیاض اور ڈائری نے بھی داد وصول کی، افرا طارق یقیناً آپ بہترین شیف ہیں آپ کی بتائی ریسپی آسان اور سادہ ہوتی ہے پلیز آپ ہمیں پیزا بنانے کی آسان تراکیب بھی بتائیں اور یہ بھی کہ اگر اوون کی سہولت نہ ہو تو کیا کیا جائے۔

عالیہ زبیر خوش آمدید آپ اس محفل میں دلوں جان سے آپ کا خط ہمیں بہت لیٹ موصول ہوا جس کی وجہ سے شامل اشاعت نہ ہو سکا، حنا کے پسند کرنے کا بے حد شکریہ آپ کی رائے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ان سطور کے ذریعے، ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں بھری رائے جوابات دیتی ہی وہ ان کا منفرد خاصہ ہے جس سے ان کے شفاف دل کی خوبصورتی کا عکس نظر آتا ہے میری تحاریر کو بھی حنا میں جگہ دینے کا شکریہ، مزید اس دعا کے ساتھ اجازت۔

تجھ پر پروردگار کی رحمتیں رہیں حاصل

فرزانہ حبیب خوش آمدید، آپ کے پہلے دو خط آکر ہمیں ملتے تو ضرور شائع کرتے، حنا کے لئے آپ کی محبتوں کا شکریہ، آپ کی تحریر مل گئی ہے، انشاء اللہ جلد شائع ہوگی شکریہ۔

عالیہ زبیر: خانیوال سے لکھتی ہیں۔

اکتوبر کا شمارہ سات تاریخ کو ملا خوبصورت ترین، اداکارہ عائزہ کی من موہنی صورت سے سجا، کچھ لوگوں کو اللہ نے بڑی فرصت سے بنایا ہے، عائزہ خان کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے، ٹائٹل کے بعد سیدھے "کس قیامت کے یہ نامے" میں پہنچے، ایک دو تین چاروں صفحات چھان مارے مگر اپنا نام کہیں نظر نہیں آیا، خیر صبر شکر کرکے دل کو تسلی دی کہ ہو سکتا ہے میرا خط آپ تک پہنچا ہی نہ ہو، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ شامل نہ کرتی (مکھن بازی) خیر تمام خطوط دل کی آنکھ سے پڑھے سب نے اپنی رائے کا بڑی فراخ دلی سے اظہار کیا ہوا تھا، اس پہ آپ کے جوابات نے ان کو چار چاند لگا دیں، اس کے بعد اپنے پسندیدہ ناول "اک جہاں اور ہے" کی سیر کو نکلے، جہاں سدرۃ المنتہیٰ کچھ کچھ افسردہ نظر آئیں، کرداروں کے روپ میں، پچھلے ماہ بہت سے کرداروں کی پراسراریت ختم ہو رہی ہے، اس ماہ جس تحریر نے مجھے چونکا دیا، "روشنی کا سفر" فرزانہ حبیب کی تحریر تھی، بے حد خوبصورت تحریر لکھا مصنفہ نے اللہ کرے زور قلم اور چلے، سونیا کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆